تذکرہ

علمائے پنجاب

(۱۲۰۱ھ ۔ ۱۴۰۰ھ)

اختر راہی

مکتبہ رحمانیہ
اردو بازار ◎ لاہور

۱۴۰۰ھ
۱۹۸۱ء

کتاب : علمائے پنجاب
تالیف : اختر راہی
طباعت : ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء (بار اوّل)
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
صفحات : ۸۶۰
قیمت :
ناشر : مقبول الرحمان، مکتبہ رحمانیہ۔ لاہور

مؤلفِ کتاب

قلمی نام : اختر راہی

نام : سفیر اختر

پیدائش : ۲۶ر نومبر ۱۹۴۷ء (لوہسر شرفو۔ واہ کینٹ)

تعلیم :- ایم۔اے (سیاسیات)

ایم۔اے (تاریخ)

مصروفیت : استاد شعبۂ تاریخ۔ گورنمنٹ کالج مری

تصنیفات :

۱۔ مسعود عالم ندوی (سوانح و مکاتیب) ۱۹۷۵ء

۲۔ تذکرہ مصنّفین درسِ نظامی طبع اوّل ۱۹۷۵ء

طبع دوم ۱۹۷۸ء

۳۔ اقبال۔ سیّد سلیمان ندوی کی نظر میں ۱۹۷۸ء

۴۔ تذکرہ علمائے پنجاب (۱۲۰۱ھ ـــ ۱۴۰۰ھ) ۱۹۸۰ء

انتساب

اُن بوریا نشین علماء کے نام جنہوں نے نامساعد حالات میں دین کی شمع روشن رکھی۔

فہرست

(غ)

(ق)

(ک)

9/4/06



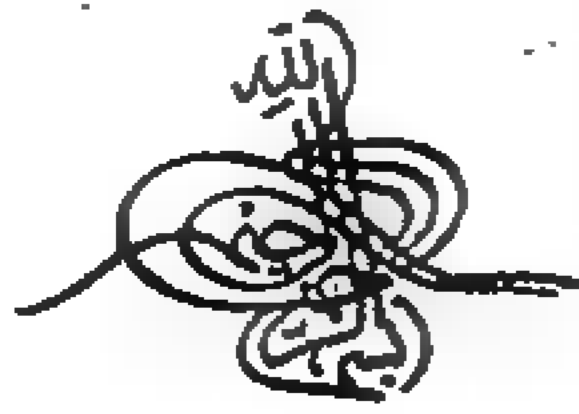
عرضِ ناشر

چند ماہ بعد پندرہویں صدی ہجری کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس تاریخی موقع پر اَن گنت کتابیں شائع ہوں گی۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور نے اپنے محدود وسائل کے مطابق اس یادگار موقع پر چند کتابیں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اِس سلسلے کی پہلی کتاب "علمائے پنجاب" آپ کے ہاتھ میں ہے۔

پنجاب اِس لحاظ سے ایک محروم القسمت خطہ ہے کہ یہاں کے اہلِ علم و نظر کا کوئی جامع تذکرہ ترتیب نہیں دیا گیا۔ جناب پروفیسر اختر راہی صاحب نے پنجاب کے علما و مشائخ، شعراء و ادبار اور اطبار کا ایک جامع تذکرہ مرتّب کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ کام کافی پھیلا ہوا اور وقت طلب ہے۔ اُنہوں نے اپنے وقیع کام کا ایک حصّہ زیرِ نظر کتاب کی صورت میں اہلِ نظر کے سامنے پیش کیا ہے۔ اُمید ہے کہ اُن کی دوسری علمی و تحقیقی تالیفات کی طرح اسے بھی مقبولیّت حاصل ہوگی۔

مکتبہ رحمانیہ لاہور کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ پروفیسر صاحب موصوف کی کتاب "تذکرہ مصنّفین درسِ نظامی" بھی اس کی طرف سے شائع ہو چکی ہے اور مستقبل میں اُن کی مزید کاوشیں منصّہ شہود پر آئیں گی۔

مقبول الرحمٰن



دیباچہ

زیرِ نظر کتاب "تذکرہ علمائے پنجاب" کا دائرہ تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری پر محیط ہے اور صرف اُن علمائے کرام کے ذکر پر مشتمل ہے جو پاکستان کے صوبہ پنجاب میں پیدا ہوئے یا باہر سے آکر اس خطے میں بس گئے اور یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

صوبہ پنجاب کی حدود میں ردّوبدل ہوتا رہا ہے۔ عام طور پر مشرق میں دریائے بیاس اور مغرب میں دریائے سندھ کے درمیانی علاقے کو "پنجاب" کہا جاتا رہا ہے۔ مغل عہدِ حکومت میں ابوالفضل نے اپنی تالیفات میں ایک صوبے کی حیثیت سے پنجاب کا ذکر کیا ہے اور اور پنجاب کو پانچ دوابوں میں منقسم کیا ہے۔

۱۔ بیت (= بست) جالندھر دواب : بیاہ (بیاس) اور ستلج کے درمیان
۲۔ باری دوآب : بیاس اور راوی کے درمیان
۳۔ رچنا دواب : راوی اور چناب کے درمیان
۴۔ چنہت (= چج) دواب : چناب اور بہت (= جہلم) کے درمیان
۵۔ سندھ ساگر دوآب : جہلم اور سندھ کے درمیان

مفتی غلام سرور صاحب نے ان ہی پانچ دوابوں کی نسبت سے لکھا ہے کہ:

"پہلے اس (خطّے) کا نام پنج دوآب تھا۔ بعد میں دو کا لفظ زبان سے حذف ہو گیا اور صرف پنج آب رہ گیا۔"

بعض مؤرخین نے کانگڑہ کے پہاڑی علاقے کو بھی پنجاب میں شامل قرار دیا ہے منشی سجان رائے بٹالوی نے "خلاصۃ التواریخ" میں "صوبہ دارالسلطنت لاہور" کا

حدود اربعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اس صوبے کا طول ستلج سے دریائے سندھ تک ایک سو اسی[۱۸۰] کوس اور عرض بھیرہ سے چوکھنڈی تک ستاسی[۸۷] کوس ہے۔ مشرق میں سرہند، مغرب میں ملتان، شمال میں کشمیر، جنوب میں دیپال پور"

بٹالوی نے "صوبہ دارالامان ملتان" کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کا حدود اربعہ یہ بتایا گیا ہے کہ:

"مشرق میں سرکار سرہند، مغرب میں کیچ مکران، شمال میں شور کوٹ جنوب میں اجمیر"

منوچی (جو شاہجہان اور عالمگیر کے زمانے میں برصغیر پاکستان و ہند آیا تھا) پنجاب کو عملداری لاہور کے قائم مقام قرار دے کر لکھتا ہے:

"بھکر کے نزدیک سات دریا ملتے ہیں۔ ان میں سے پانچ عملداری لاہور کے علاقوں سے نکلتے ہیں۔ ان کا منبع سری نگر اور کشمیر کے پہاڑوں میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عملداری لاہور کو پنجاب (= پانچ دریاؤں کی سرزمین) کہا جاتا ہے"

بعض اہل قلم نے پنجاب کے دریاؤں میں سندھ کو شامل کیا ہے مگر مفتی غلام سرور لاہوری اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔

سکھ دورِ اقتدار میں جہاں جہاں خالصہ حکومت قائم ہوتی گئی وہ علاقہ "پنجاب" میں شامل ہوتا گیا۔ چنانچہ اس دور میں پنجاب کا دائرہ پشاور، ڈیرہ جات، ہزارہ، کشمیر لداخ، جموں، کانگڑہ، کالو، منڈی، سکیت، بہاول پور اور کوہ سلیمان تک پھیل گیا۔
۱۸۴۹ء/ ۱۲۶۵ھ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے پنجاب کا الحاق کر کے اپنے مقبوضات کے ساتھ کیا تو قسمت دہلی، حصار اور انبالہ کو پنجاب میں شامل کر کے پنجاب کی حدود میں مزید وسعت پیدا کر دی۔ قیام پاکستان کے وقت پنجاب مندرجہ ذیل

قسمتوں اور اضلاع پر مشتمل تھا:

۱۔ قسمت انبالہ : انبالہ، شملہ، حصار، رہتک، کرنال، گوڑگانوہ

۲۔ قسمت جالندھر : جالندھر، ہوشیارپور، کانگڑہ، فیروزپور، لدھیانہ

۳۔ قسمت لاہور : لاہور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، گورداسپور

۴۔ قسمت ملتان : ملتان، ساہیوال، لائل پور (فیصل آباد) جھنگ، مظفرگڑھ ڈیرہ غازیخاں

۵۔ قسمت راولپنڈی : راولپنڈی، جہلم، گجرات، سرگودھا، اٹک، میانوالی

قیام پاکستان کے وقت قسمت انبالہ اور قسمت جالندھر کے علاوہ شکرگڑھ چھوڑکر پورا ضلع گورداسپور اور لاہور کی تحصیل چونیاں کا تقریباً نصف حصّہ بھارت میں چلا گیا۔ باقی ماندہ علاقہ پاکستان میں شامل ہوا اور "صوبۂ پنجاب" کہلایا۔ سابق پنجاب کا جو حِصّہ بھارت میں چلا گیا وہ ہماچل پردیش، پنجابی صوبہ اور صوبہ ہریانہ تین صوبوں میں بٹ گیا۔

۱۹۵۵ء/۱۳۷۵ھ میں پاکستان کے چار صوبوں (پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان) اور ریاست بہاول پور کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ یکم جولائی ۱۹۷۰ء/۱۳۹۰ھ کو صوبے دوبارہ بحال کر دیئے گئے۔ آج کل صوبہ پنجاب، سابقہ صوبہ مغربی پنجاب اور سابق ریاست بہاول پور پر مشتمل ہے۔

مسلمانوں کی علمی روایت میں فنِ تذکرہ نگاری کو نمایاں مقام حاصل رہا ہے۔ ہر زمانے اور ہر خطّے میں معاشرے کے مختلف طبقوں۔ علماء و مشائخ، امراء و شعراء، خطّاطوں اور اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کے تذکرے مرتّب کئے جاتے رہے ہیں۔ پنجاب کے اہلِ قلم نے بھی ایسے تذکرے ترتیب دیئے ہیں۔ علماء و مشائخ کے تذکرہ نگاروں میں پہلا بڑا نام عہدِ جہانگیر کے عالم شیخ غلام معین الدین

عبداللہ خویشگی قصوری کا ہے۔ عبداللہ خویشگی قصوری سے دو تذکرے یادگار ہیں۔

۱۔ اخبار الاولیاء من لسان الاصفیاء

یہ تذکرہ قصور کے ۱۶۲ افغان مشائخ کے حالات پر مشتمل ہے اور ۱۰۷۷ھ میں مکمل ہوا تھا۔ تاحال زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔ اخبار الاولیاء کے حسب ذیل خطی نسخے معلوم ہو سکے ہیں۔

۱۔ نسخہ مملوکہ سید محمد طیب شاہ ہمدانی۔ قصور۔ مکتوبہ عبدالباقی قصوری ۱۴ ربیع الاول ۱۱۱۴ھ

۲۔ نسخہ مملوکہ نوابزادہ علی عادل خان بن نواب شہباز خان مرحوم۔ قصور۔ نسخہ (۱) کی نقل ہے۔

۳۔ نسخہ مملوکہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ کلکتہ مکتوبہ ۱۲۹۴ھ

۴۔ نسخہ مملوکہ مولوی محمد فضل خان خویشگی قصوری

قصور کے خویشگی افغانوں کی انجمن نے تذکرے کے چوتھے باب "در انساب افغاناں و سبب آمدن از بیت المقدس بہ کوہستان" کی تلخیص اپنی رودادوں میں شائع کی ہے۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے اس تذکرے پر کام شروع کیا تھا مگر وہ اپنا کام مکمل نہ کر سکے۔ ان کی یادداشتوں سے تذکرے کا ملخص ترجمہ "اولیائے قصور" کے نام سے مرتب کیا گیا جو طبع ہو چکا ہے۔ "اولیائے قصور" کے مرتب نے قصور کی تاریخ و ثقافت سے متعلق ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کی بعض دوسری یادداشتیں اور ایک انگریزی مضمون بھی شاملِ کتاب کر لیا ہے۔

سید نفیس رقم صاحب نے بھی "اخبار الاولیاء" کے مطالب کی فہرست اور تلخیص تیار کی ہے جو ماہنامہ "انوارِ مدینہ" (لاہور) کی دو اشاعتوں بابت اپریل ۱۹۷۲ء اور جولائی ۱۹۷۲ء میں طبع ہوئی ہے۔

۲۔ معارج الولایت فی مدارج الہدایت

صوفیائے کرام کا عمومی تذکرہ ہے۔ مؤلف موصوف نے مخدوم زادہ شیخ محمد بن شیخ اجمیری بدایونی کی فرمائش پر یہ تذکرہ ترتیب دیا جو ۱۰۹۴ھ میں مکمل ہوا۔ اس تذکرے میں پنجاب سے تعلق رکھنے والے صوفیاء و مشائخ کا ذکر آیا ہے۔ چشتی صوفیاء کو نسبتاً زیادہ جگہ دی گئی ہے اور غالباً اس لئے کہ خود مؤلف چشتی سلسلۂ طریقت سے وابستہ تھا۔ "معارج الولایت" اپنے موضوع پر ایک کامیاب کوشش ہے تاہم "اخبار الاولیاء" کی طرح یہ بھی اشاعت کا منتظر ہے۔

معارج الولایت کے حسب ذیل خطی نسخے ملتے ہیں:

۱۔ نسخہ ذخیرہ سراج الدین آذر پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ مکتوبہ ۱۱۱۱ھ

۲۔ نسخہ ذخیرہ شیرانی۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور

۳۔ نسخہ مملوکہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ علی گڑھ مکتوبہ ۱۲۸۸ھ

۴۔ نسخہ مملوکہ لیفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید، لاہور مکتوبہ ۱۲۵۹ھ (صرف دو جزو)

عبداللہ خویشگی قصوری کے تذکرے پنجاب کی علمی و ثقافتی تاریخ کے بنیادی ماخذ ہیں مگر ان تذکروں میں صوفیاء کے سنینِ ولادت و وفات وغیرہ درج نہیں کئے گئے۔ ماہ و سال کے ذکر سے عبداللہ خویشگی اس قدر گریزاں ہیں کہ انہوں نے اپنے خود نوشت حالات میں بھی کوئی حوالہ دینا ضروری خیال نہیں کیا۔ اُن کے ہاں جن اکّا دکّا اشخاص کے سنینِ وفات آ گئے ہیں، وہ ہمیں دوسرے متداول تذکروں میں بھی مل جاتے ہیں۔

لہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے لکھا ہے کہ انہوں نے "معارج الولایت" کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۱۱۱ھ قلعہ میہاں سنگھ میں مولانا غلام رسول قلعوی کے پوتے کے پاس دیکھا تھا۔ ذخیرۂ آذر کا نسخہ بھی ۱۱۱۱ھ کا مکتوبہ ہے غالباً یہ وہی نسخہ ہے جو ڈاکٹر صاحب نے قلعہ میہاں سنگھ میں دیکھا تھا۔

عبداللہ خویشگی قصوری کے معاصر دارا شکوہ (م ۱۰۶۹ھ) نے صوفیاء کے دو تذکرے سفینۃ الاولیاء اور سکینۃ الاولیاء ترتیب دیئے تھے۔ سفینۃ الاولیاء تو صوفیاء کا عمومی تذکرہ ہے، جس میں مختلف سلاسلِ تصوّف کے اہم نامور اصحاب کے مختصر حالات قلمبند کئے گئے ہیں مگر پنجاب کے حوالے سے دارا شکوہ کا تذکرہ "سکینۃ الاولیاء" اہم ہے۔ دارا شکوہ نے یہ کتاب اپنے مرشد ملّا شاہ محمد بدخشانی کے پیر حضرت میاں میر (ملّا جیو) کے حالات ملفوظات، کرامات، ان کے خاندان اور خلفاء کے احوال میں لکھی ہے۔

عہدِ جہانگیری کے بعد بھی پنجاب کے اہلِ قلم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہوگا۔ مگر خطۂ پنجاب جن سیاسی حالات سے گزرتا رہا ہے۔ ان میں آبادیوں کے ساتھ کتب خانے بھی دستبرد کی نذر ہوتے رہے اور پنجاب کے علمی و ثقافتی ورثے کا ایک بڑا حصّہ ضائع ہوگیا۔

تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں مفتی غلام سرور لاہوری (م ۱۳۰۷ھ) نے پنجاب کے اہلِ علم و طریقت کے احوال و آثار کی طرف توجہ دی اور یکے بعد دیگرے تین تذکرے ترتیب دیئے۔ خزینۃ الاصفیاء (تالیف مابین ۱۲۸۰ھ - ۱۲۸۵ھ) ایک عمومی تذکرہ ہے مختلف سلاسلِ طریقت سے وابستہ صوفیاء کے حالات نسبتاً تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ مفتی صاحب نے خویشگی کے تذکرہ "معارج الولایت" سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور معارج الولایت میں سنین کی کمی کو دوسرے ذرائع سے پورا کیا ہے۔ البتہ مفتی صاحب نے کہیں اس بات کا اظہار نہیں کیا کہ انہوں نے اُن افراد کے سنین وفات کہاں سے حاصل کئے ہیں جن کے حالات "معارج الولایت" میں مذکور ہیں مگر سنینِ وفات نہیں دیئے گئے۔

مفتی صاحب نے پنجاب کے علماء و مشائخ کے احوال میں "حدیقۃ الاولیاء" (اُردو) ترتیب دیا۔ اس تذکرے میں سلطان محمود غزنوی کی آمدِ ہند سے لے کر سالِ تالیف ۱۲۹۲ھ

تک کے ۲۷۵ اہلِ علم اور اصحابِ طریقت کا ذکر ہے تاہم چند اُن صوفیاء کا ذکر بھی آ گیا ہے جن کا تعلق خطۂ پنجاب سے نہیں مگر تصوّف کے سلسلوں کا تعارف اُن کے ذکرِ خیر کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

مفتی صاحب کا تیسرا تذکرہ "مدینۃ الاولیاء" عمومی نوعیت کا ہے۔ مفتی صاحب نے اپنے تذکروں میں اپنے معاصرین کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مفتی صاحب نے تمام دستیاب ماخذوں کو کھنگال کر صوفیاء کے حالات ترتیب دیئے ہیں۔

مفتی غلام سرور لاہوری کے بعد فقیر محمد جہلمی (م ۱۳۳۴ھ) نے علمائے احناف کا ایک جامع تذکرہ "حدائق الحنفیہ" کے نام سے مرتب کیا جو مطبع منشی نولکشور لکھنؤ سے ۱۳۰۰ھ میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ اس میں دیگر ممالکِ اسلامیہ کے ساتھ ہندوپاکستان بشمول پنجاب کے علماء کے حالات آ گئے ہیں۔ اسی زمانے میں مولوی کلیم اللہ مچھیانوی (م ۱۳۲۴ھ) نے "تذکرہ علمائے احناف" ترتیب دیا۔ جس کا واحد نسخہ بخطِ مؤلف احمد حسین احمد قریشی قلعداری کے کتب خانے کی زینت ہے۔

"حدائق الحنفیہ" اور "تذکرہ علمائے احناف" کے بعد مولوی رحمان علی (م ۱۳۲۵ھ) نے "تذکرہ علمائے ہند" (تالیف مابین ۱۳۰۵ھ - ۱۳۰۸ھ) مرتب کیا۔ حدائق الحنفیہ، مولوی رحمان علی کے مصادر میں شامل تھا۔ تاہم برصغیر کے اس عمومی تذکرے میں پنجاب کی نمائندگی برائے نام ہے۔

۱۶-۱۳۱۵ھ میں محمد ادریس نگرامی کا "تطییب الاخوان بذکر علماء الزمان المعروف بہ تذکرہ علمائے حال" طبع ہوا جس میں مؤلف نے اپنے معاصر علماء کے تراجم لکھے ہیں۔ یہ تذکرہ سرسری معلومات دیتا ہے اور اس میں زیادہ تر تحریکِ ندوۃ العلماء سے وابستہ علماء ہی کا ذکر ہے۔ پنجاب کے اہلِ علم کا ذکر برائے بیت ہے۔

ماضی قریب میں حکیم سید عبدالحئی رائے بریلوی (م ۱۳۴۱ھ) نے برصغیر پاک وہند

کے اہلِ علم و دانش کا جامع تذکرہ "نزہت الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر" کے نام سے آٹھ جلدوں میں مرتب کیا۔ اس تذکرے میں پہلے تذکروں کی نسبت پنجاب کے لئے چند صفحات زیادہ مخصوص کئے گئے ہیں تاہم پنجاب کی نمائندگی محدود ہے۔

علمائے شیعہ کے عمومی تذکروں۔ نجوم السماء اور تذکرہ بے بہا میں بھی پنجاب کو نظر انداز ہی کیا گیا ہے۔ برصغیر کی حد تک علامہ بزرگ طہرانی نے "الذریعہ" میں ان ہی تذکروں پر اعتماد کیا ہے۔ چنانچہ پنجاب کے شیعہ علماء کو کسی بھی تذکرے میں زیادہ جگہ نہیں مل سکی۔ حال ہی میں مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے برصغیر کے علمائے شیعہ کا جامع تذکرہ "مطلع الانوار" ترتیب دیا ہے جس میں پنجاب کی نسبتاً زیادہ نمائندگی ہے۔

مذکورہ بالا تذکروں کے علاوہ پنجاب کے صوفیاء کے احوال اور کرامات یا ملفوظات کے حوالے سے جو کتابیں ترتیب دی گئی ہیں۔ ان میں "فنِ تذکرہ نگاری" کے اعتبار سے سوانحی معلومات مہیا نہیں کی گئیں۔ تاہم صوفیاء اور خانقاہوں سے وابستہ علماء کا ذکر آیا ہے پنجاب کے چشتی اور نقشبندی صوفیاء و علماء کے حالات و آثار پر قابلِ ذکر مواد ملتا ہے۔ خواجہ نور محمد مہاروی اور اُن کے خلفاء کی خانقاہوں سے وابستہ حضرات کے حالات نسبتاً زیادہ آسانی سے بہم ہو جاتے ہیں۔ جناب اعجاز الحق قدوسی نے پنجاب کے چیدہ چیدہ نامور صوفیاء کے حالات "صوفیائے پنجاب" کے نام سے لکھے ہیں۔

تصوف کے عمومی مسائل پر لکھی گئی کتابوں میں بھی اکا دکا مرتبین نے اپنے آباؤ اجداد، اساتذہ اور ہم مشرب احباب کے حالات لکھے ہیں تاہم ان کتابوں کو "تذکروں" میں محسوب نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخِ پنجاب پر لکھی گئی کتابوں میں بھی علماء و مشائخ کے احوال قلمبند ہوئے ہیں۔ نواب سرفراز خان پسر نواب مظفر خان شہید کے ذاتی منشی شیر محمد نادر نے خاندانِ مظفر شہید

کے حالات میں ایک کتاب زبدۃ الاخبار (تالیف: ۱۲۸۴ھ) مرتب کی۔ اس کے تکملے میں "دربیان معاصران نواب سعادت انتساب از ارباب مشیخیت و اصحابِ فضیلت" کے تحت علماء و مشائخ کا ذکر کیا گیا ہے۔

پنجاب کے علمی مراکز میں سے "لاہور" پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ۱۲۸۱ھ میں نور احمد چشتی (م ۱۲۸۴ھ) نے "تحقیقاتِ چشتی" تصنیف کی۔ یہ کتاب لاہور کے بارے میں ایک انسائیکلو پیڈیا سے کم نہیں ہے۔ اس میں مختلف عمارتوں، مزاروں، مسجدوں اور نواحِ لاہور کا پوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ لاہور میں مدفون تمام معروف و غیر معروف بزرگوں کے حالات جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چشتی صاحب نے مطبوعہ روایات کے ساتھ مسموع شواہد کو نظر انداز نہیں کیا۔ اگرچہ کتاب کا یہ پہلو محلِ نظر ہے تاہم اس ذریعے سے بہت سی باتیں پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہیں۔

"تحقیقاتِ چشتی" کے بعد رائے بہادر کنہیا لال (م ۱۳۰۶ھ) نے ۱۳۰۱ھ میں "تاریخِ لاہور" لکھی۔ انہوں نے تاریخ کے علاوہ اپنے دور کے مشہور رؤسا، حکماء، اطباء و شعرا کے ساتھ علماء و مشائخ کا ذکر بھی کیا ہے۔ رائے بہادر کنہیا لال کے بعد "تاریخِ لاہور" پر قلم اُٹھانے والے سب ہی اہلِ قلم نے کسی نہ کسی شکل میں علماء و مشائخ کا ذکر کیا ہے۔

گزشتہ پندرہ بیس برسوں میں ملتان، جھنگ، اوچ، بھیرہ، شیخوپورہ، سیالکوٹ اور گجرات جیسے شہروں کی مقامی تاریخیں قلمبند کی گئی ہیں۔ ان میں سے اکثر میں بطورِ خاص اہلِ علم و فضل کے لئے ابواب مخصوص کئے گئے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کے عمومی تذکروں اور مختلف شہروں کی مقامی تاریخوں کے ساتھ ساتھ خصوصی نوعیت کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔ خصوصی تذکروں کو واضح طور پر تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ خاندانی تذکرے

۲۔ مسلکی تذکرے

۳۔ شہر یا علاقے سے مخصوص تذکرے

اوّل الذکر قسم میں وہ تذکرے شامل ہیں جو کسی ایک خاندان کے علماء و مشائخ کے احوال و آثار پر محیط ہوں۔ اس انداز کے حسبِ ذیل تذکرے معلوم ہو سکے ہیں۔

ساہووالہ کے مولانا محمد شہنواز الدین احمد نے اپنے آبا و اجداد کا ایک شجرہ مرتّب کیا تھا۔ اُن کے برادرِ بزرگ مولانا محمد شہسوار الدین احمد نے اپنے خانوادے کے حالات اپنے دور تک قلمبند کئے۔ بعد میں اسی خاندان کے ایک فرد مولوی غلام حسین نے ان دونوں بھائیوں کی کاوشوں کو یکجا کیا اور صنعتِ مہملہ میں ایک مقدمے کا اضافہ کر کے "ثمرۂ شجرہ طیبن" کے تاریخی نام سے مرتّب کر دیا جو پروفیسر محمد اقبال مجدّدی کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ سہ ماہی "صحیفہ" (لاہور) کی اشاعت "ادبیاتِ فارسی نمبر" (بابت اکتوبر ۱۹۷۱ء) میں طبع ہوا۔

بگہ۔ بھیرہ کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں کے علمی خانوادے نے پنجاب میں علومِ دینیہ کی تدریس میں ناقابلِ فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ اس خانوادے کے حالات ماہنامہ "شمس الاسلام" (بھیرہ) کی خصوصی اشاعت بابت ۱۹۳۴ء میں "تذکرہ مشائخِ بگویہ" کے نام سے طبع ہوئے۔ معروف تذکرہ نگار مولانا غلام دستگیر نامی، قطبِ عالم شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی لاہوری کے اخلاف میں سے تھے۔ انہوں نے خانوادۂ جلیلہ کی خدمت اور احوال و آثار پر کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے "تاریخِ جلیلہ" زیادہ اہم ہے۔ اس میں شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی، ان کے خاندان اور خلفاء کے مستند حالات نہایت محنت اور تلاش و جستجو سے مرتّب کئے گئے ہیں۔ قصور کے ہمدانی سادات کے حالات میں اسی خاندان کے ایک فرد ڈاکٹر سیّد عبدالرحمٰن ہمدانی نے "ہم اور ہمارے اسلاف" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ خانوادۂ نوشاہیہ کے گلِ سرسبد مولانا شرافت نوشاہی نے حضرت

نوشہ گنج بخش اور اُن کے اخلاف و خلفار کے بارے میں تذکرہ نوشہ گنج بخش، اذکارِ نوشاہیہ اور شریف التواریخ جیسی کتابیں تالیف کی ہیں۔ شریف التواریخ میں مؤلف نے اپنے خاندان کے حوالے سے معاصر علماء و مشائخ، شعراء و اطبار اور دوسرے لوگوں کے حالات بھی تفصیل سے لکھ ڈالے ہیں۔ ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی اس کتاب کی پہلی جلد حال ہی میں منظرِ عام پر آئی ہے۔

دوسری قسم کے تذکروں میں وہ تذکرے شامل ہیں جو کسی خاص مسلک یا فرقہ سے وابستہ اہلِ علم کے لئے مخصوص ہیں۔ مولانا غلام مہر علی نے علامہ فضلِ حق خیرآبادی کی عربی تالیف "الثورۃ الهندیہ" کی شرح "الیواقیت المہریہ" لکھتے ہوئے حواشی میں علمار کے تراجم لکھے ہیں۔ مولانا غلام مہر علی، مولانا احمد رضا خان بریلوی کے عقیدت مندوں میں سے ہیں اور اُنہوں نے ان ہی "مشاہیر مشائخ الدہر" اور "افاضل العصر" کو اپنے ہاں جگہ دی ہے جو ان کا اندازِ فکر رکھتے ہیں۔ مسلکِ اہلِ حدیث اور دارالعلوم دیوبند سے تعلّق والے اہلِ علم کے بارے میں ان کا اندازِ بیان بھی مناسب نہیں۔

مولانا غلام مہر علی کے طرز پر جناب عبدالحکیم شرف قادری نے برصغیر کی سطح پر "اکابر اہلسنّت" کا تذکرہ ترتیب دیا ہے جس کی ایک جلد منظرِ عام پر آئی ہے۔ اس تذکرے میں پنجاب کے اہلِ علم و دانش کو معقول نمائندگی دی گئی ہے تاہم جناب شرف نے "اہلِ سنت" کا دائرہ اس قدر تنگ کر دیا ہے کہ اس میں دارالعلوم دیوبند کے منتسبین یا اہلِ حدیث شامل نہیں ہو سکے۔ "الیواقیت المہریہ" اور "تذکرہ اکابر اہلسنت" تذکروں سے زیادہ مسلکی کتب بن کر رہ گئے ہیں جن میں ایک حد تک تلاش و تفحّص تو موجود ہے مگر بعض سچائیوں کو اس لئے حذف کر دیا گیا ہے کہ وہ حزبی یا مسلکی اعتبار سے "نقصان دہ" تھیں۔

پنجاب کے تذکرہ نگاروں میں ابویحییٰ امام خان نوشہروی کا نام بہت نمایاں ہے۔ موصوف نے برصغیر کے اہلِ حدیث علمار کا تذکرہ مرتب کیا تھا۔ اس کی پہلی جلد "تراجم

علمائے حدیث ہند" کے نام سے طبع ہوئی۔ اس کے پہلے ایڈیشن میں دوسری جلد کے مندرجات کی فہرست دی گئی تھی۔ جس میں پنجاب کے اہل حدیث علماء کے حالات شامل کئے گئے تھے نوشہروی صاحب مرحوم کی کتاب کا دوسرا حصہ تاحال طبع نہیں ہوا تاہم یہ معلوم ہوا ہے کہ مؤلف نے یہ کام مکمل کر دیا تھا۔

تیسری قسم میں وہ تذکرے شامل ہیں جو کسی ایک شہر یا ضلع کے علماء و مشائخ کے احوال و آثار پر مبنی ہیں۔ ان شہروں میں سرِ فہرست "لاہور" ہے۔ محمد الدین فوق نے لاہور کے تقریباً سوا سو علماء و مشائخ کا تذکرہ "تذکرۃ العلماء والمشائخ" کے نام سے قلمبند کیا جو ۱۳۴۸ھ میں پہلی بار طبع ہوا۔ فوق صاحب نے مسلمانوں کے ساتھ ہندو صوفیاء کو شامل کرتے ہوئے "یادِ رفتگاں یا تذکرہ صوفیائے لاہور" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ فوق صاحب کے تذکروں میں صحافیانہ انداز نمایاں ہے تاہم بعض معلومات ایسی ہیں جو دوسرے تذکروں میں دستیاب نہیں ہیں۔

لاہور کے اہل علم کے بارے میں غلام دستگیر نامی کی ایک تالیف "بزرگانِ لاہور" ہے اسی طرح محمد وارث کاملی اور محمد لطیف ملک نے "اولیائے لاہور" کی سوانح اور خدمات پر تذکرے ترتیب دیئے ہیں۔ چند سال پہلے پیرزادہ محمد اقبال فاروقی نے "تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور" ترتیب دیا۔ پیرزادہ صاحب نے آغاز میں "علمائے کرام اور اشاعت علومِ اسلامیہ" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا اور اپنے تذکرے میں بارہویں، تیرہویں اور چودہویں صدی کے صرف اُن ہی علماء کو شامل کیا ہے جو اہل سنت کے ایک خاص گروہ سے متعلق رہے تھے۔ آخر میں مؤلف نے اپنے حلقۂ تعارف میں شامل علماء اور شعراء کا ذکر کیا ہے۔ مستقل بالذات کتابوں کے علاوہ مولانا علم الدین سالک کا تحقیقی مقالہ "علمائے کرام، دینی مدرسے" بھی قابلِ ذکر ہے جو ماہنامہ "نقوش" (لاہور) کے لاہور نمبر میں شائع ہوا تھا۔ مولانا سالک نے عہدِ بابر سے لے کر ۱۹۶۲ء تک کے تمام

نمایاں علماء اور اُن کی دینی و علمی سرگرمیوں کا جامعیت سے احاطہ کیا ہے۔

لاہور کے بعد زیادہ تذکرے بہاولپور کے لکھے گئے ہیں۔ حفیظ الرحمان حفیظ نے "ذکرِ کرام" کے نام ایک کتاب تالیف کی جس میں سابق ریاست بہاولپور (اب ڈویژن بہاولپور) میں مدفون اولیاء و علماء کے مختصر حالات اور مزاروں کا ذکر ہے۔ بہاولپور کے اہلِ علم کا ایک ضخیم اور جامع تذکرہ مولانا محمد صادق بہاولپوری نے لکھا تھا جس کا کچھ حصہ رسائل میں طبع ہوا ہے۔ تاحال یہ تذکرہ کتابی صورت میں سامنے نہیں آسکا۔ حال ہی میں شہاب دہلوی نے "اولیائے بہاولپور" کے نام سے کتاب لکھی ہے جو اُردو اکیڈمی بہاولپور نے شائع کر دی ہے۔

ملتان پنجاب کا قدیم شہر اور اہلِ علم کا مرکز رہا ہے۔ اولیائے کرام کے احوال و آثار پر متفرق کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ گجرات اگرچہ مردم خیز ضلع ہے مگر اس ضلع کے علمائے کرام کا کوئی جامع تذکرہ تاحال سامنے نہیں آیا البتہ پروفیسر احمد حسین احمد قریشی نے "اولیائے گجرات" کے نام سے کام کیا ہے جو منتظرِ اشاعت ہے۔

تذکرۃ الصدر جائزے سے یہ واضح ہے کہ پنجاب کے علماء کرام کا کوئی جامع تذکرہ موجود نہیں ہے جس میں بلا اختلافِ مسلک غیر جانبداری سے علماء کی سوانح اور اُن کی خدمات پیش کی گئی ہوں۔ زیرِ نظر تذکرے میں امکانی حد تک یہ کوشش کی گئی ہے کہ پنجاب کے تیرہویں اور چودہویں صدی کے مرحوم علماء کا ذکر آجائے تاہم مجھے یقین ہے کہ بعض حضرات رہ گئے ہوں گے۔ انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں ان حضرات کا تعارف شامل ہوگا۔

تذکرے کی تسوید کے دوران میں بلا مبالغہ سینکڑوں افراد نے تعاون کیا۔ انہوں نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر "سوالنامے" پُر کئے۔ اپنے خاندانی کاغذات دکھائے۔ دستاویزات کی نقلیں فراہم کیں اور اپنے کتب خانوں سے بیش قیمت کتابیں مستعار دیں۔ علم دوست احباب نے حوصلہ افزائی کی۔ قیمتی مشورے دیئے۔ ماخذوں کی نشاندہی

کی اور اکثر کتابیں مہیا کیں۔ ان سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مجھے ان حضرات کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو شاید یہ "تذکرہ" تخیل سے معرض وجود میں نہ آتا۔

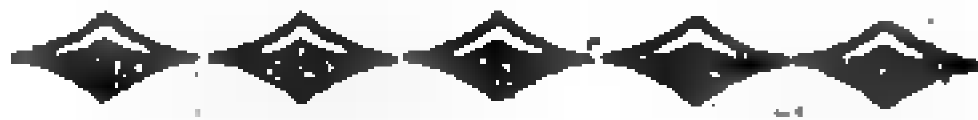
زیرِ نظر تذکرہ کی ترتیب و تدوین میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہر فرد کے بارے میں ضروری سوانحی معلومات یکجا کر دی جائیں مگر بعض افراد کے بارے میں پوری تلاش اور کوشش کے باوجود راقم الحروف اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ جن حضرات کے بارے میں بالکل ہی ادھوری معلومات حاصل ہوئی تھیں، انہیں "تکملہ" میں جگہ دے دی ہے۔ حتی الامکان اس بات کا اہتمام بھی کیا ہے کہ عیسوی اور ہجری سنین کا تطابق کر دیا جائے۔ کتاب میں یہ التزام کیا ہے کہ اگر عیسوی تاریخ معلوم ہوئی ہے اور تقویم سے اسے ہجری سے تطابق دیا گیا ہے تو پہلے عیسوی اور بعد میں ہجری سن درج ہے۔ اس کے برعکس اگر ہجری تاریخ دستیاب ہوئی اور اسے عیسوی کے مطابق بنایا گیا تو پہلے ہجری اور بعد میں عیسوی سن ہے۔ ممکن ہے کہ حساب میں کہیں غلطی ہو گئی ہو۔ اصل تاریخ وہی ہے جو پہلے درج کی گئی ہے۔

اختر راہی

جھکا گلی۔ مری
۶ر شعبان ۱۳۹۹ھ

ابراہیم چکڑالوی

ابراہیم بن عبداللہ چکڑالوی ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں چکڑالہ ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔
اُن کے والد مولوی عبداللہ چکڑالوی[1]، فرقہ اہل قرآن کے بانی تھے مگر مولانا ابراہیم نے اُن کے نظریات کا ساتھ نہ دیا۔ مولانا ابراہیم نے علوم مروجہ کی تحصیل ضلع ہزارہ کے مدارس و مساجد میں کی۔ حدیث کی سند حضرت سید نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) سے حاصل کی۔
فارغ التحصیل ہو کر خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ آ گئے۔ چند ماہ یہاں مقیم رہ کر غازی پور (ملتان) منتقل ہو گئے۔ آخر میں جلالپور پیروالہ میں سکونت پذیر تھے کہ ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ / ۱۷ اگست ۱۹۱۹ء کو وفات پائی۔



---

[1] اصل نام غلام نبی تھا۔ دہلی میں تعلیم حاصل کی اور سلفی مسلک اپنا لیا۔ مسجد چینیانوالی لاہور میں مولوی رحیم بخش کی وفات پر امام مقرر ہوئے۔ اپنے مسلک میں خاصے متشدد اور متصلب تھے۔ بعد میں ایسا انقلاب معکوس آیا کہ سرے سے حدیث رسول کے منکر ہو گئے اور "اہل حدیث" کے بالمقابل "اہل قرآن" کہلانے لگے۔ چینیاں والی مسجد کی امامت سے الگ ہو گئے۔ کچھ عرصہ لاہور میں رہ کر ملتان چلے گئے۔ چکڑالہ میں وفات پائی۔
مولوی عبداللہ چکڑالوی سے قرآن مجید کا پنجابی ترجمہ یادگار ہے۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی بن سیّد احمد حسن ۳ رجب ۱۳۲۱ھ/ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رح سے ملتا ہے۔ اس خانوادے کے پہلے بزرگ جو برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے۔ وہ حضرت ابوالاعلیٰ (م ۹۳۵ھ) تھے۔ حضرت ابوالاعلیٰ نے کرنال کے قریب "براس" نامی مقام پر سکونت اختیار کی۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں یہ خاندان دہلی میں منتقل ہوا۔ ننھیال کی جانب سے سیّد مودودی ترکی النسل تھے۔ ان کے نانا مرزا قربان علی بیگ سالک بلند پایہ شاعر اور صاحبِ علم تھے۔ شعر و شاعری میں اُنہیں مرزا اسد اللہ خان غالب سے تلمذ حاصل تھا۔

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے والد ماجد مولوی سیّد احمد حسن ایک وکیل تھے۔ انہوں نے مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور الٰہ آباد میں تعلیم حاصل کی۔ سر سیّد احمد خان نے جب مدرسۃ العلوم کی بنیاد رکھی تو اپنے خاندان کے لڑکوں کو چن چن کر علی گڑھ لے گئے۔ چونکہ مولوی سیّد احمد حسن کی والدہ سر سیّد احمد خان کی قرابت دار تھیں اس لئے سیّد احمد حسن کو بھی مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں داخل کیا گیا۔ بعد میں انہیں علی گڑھ سے بُلا لیا گیا کیونکہ علی گڑھ میں مغربی تہذیب کے اثرات محسوس ہونے لگے تھے۔ مولوی سیّد احمد حسن نے الٰہ آباد سے وکالت کا امتحان پاس کیا تھا۔ ایک مقدمے کے سلسلے میں اورنگ آباد گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ مولوی سیّد احمد حسن آخری زمانۂ حیات میں زبردست مذہبی آدمی تھے اور یہ چاہتے تھے کہ اُن کے بچے بھی اسی رنگ میں رنگے جائیں۔

سیّد مودودی کی ابتدائی تعلیم و تربیت مذہبی اور علمی ماحول میں ہوئی۔ اُن کے

والدِ ماجد نے اُن کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور حتی الامکان کوشش کی کہ سیّد مودودی کے خیالات تو کیا اُن کی "دہلوی زبان" تک بگڑنے نہ پائے۔ نو سال کی عمر میں انہیں مدرسہ فرقانیہ اورنگ آباد میں داخل کیا گیا۔ اسی مدرسے سے انہوں نے "مولوی" کا امتحان درجہ دوم میں پاس کیا۔ اس کے بعد "دارالعلوم" حیدر آباد کی جماعت "مولوی عالم" میں شریک ہوئے۔ چھ ماہ تعلیم پائی تھی کہ اُن کے والدِ ماجد بیمار ہو گئے اور اپنے بڑے صاحبزادے سیّد ابو محمد کے پاس بھوپال میں مقیم تھے۔ چنانچہ سیّد مودودی بھی اپنے والدِ ماجد کے پاس بھوپال چلے گئے اور تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

سیّد مودودی ابتدا ہی سے لکھنے پڑھنے کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بھی قلم کاری سے کیا۔ ۱۹۱۸ء/۳۷-۱۳۳۶ھ میں پندرہ سال کی عمر میں اپنے بڑے بھائی سیّد ابوالخیر کے ہمراہ اخبار "مدینہ" (بجنور) کے عملہ ادارت میں شامل ہوئے۔ لیکن دو ماہ سے زیادہ وہاں نہ رہے۔ سیّد مودودی اپنے برادرِ بزرگ کے ہمراہ دہلی چلے گئے۔ اُسی زمانے میں جبل پور کے ایک سیاسی کارکن تاج الدین نے رسالہ "تاج" جاری کیا۔ سیّد مودودی نے اپنے بھائی کے ہمراہ "تاج" کی ادارت سنبھال لی مگر چند ماہ بعد "تاج" بند ہو گیا اور مودودی برادران واپس دہلی چلے گئے۔

دہلی کے دورانِ قیام میں سیّد مودودی نے اپنا پورا وقت مطالعہ میں صرف کیا اور مولوی محمد فاضل سے انگریزی زبان کی تحصیل کی۔ انگریزی میں اتنی استعداد بہم پہنچائی کہ علمی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگے۔ ۱۹۲۰ء/۳۹-۱۳۳۸ھ میں دوبارہ "تاج" کا اجرا ہوا۔ اس دفعہ سیّد مودودی نے اکیلے ادارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں مگر بحیثیتِ مدیر اُن کا نام طبع نہ ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ اخبار ہفت روزہ اور بعد میں "روزنامہ" ہو گیا۔ اخبار مولانا کے ایک مضمون پر زیرِ عتاب آ گیا۔ سیّد مودودی تو اس لئے بچ گئے کہ اخبار پر اُن کا نام بطور مدیر نہ تھا مگر تاج الدین صاحب گرفتار ہو گئے۔ سیّد مودودی نے لکھا ہے کہ انہیں اس طرح بچ جانے

سے کوئی خوشی نہ ہوئی بلکہ اس سے انہوں نے ایک سبق سیکھا کہ آدمی کو اپنے لکھے کی ذمہ داری خود لینی چاہیئے۔

سیّد مودودی جبل پور سے آکر دہلی میں پڑھنے لکھنے میں وقت گزار رہے تھے کہ ۱۹۲۱ء/۱۳۳۹ھ میں اُن کی ملاقات مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید سے ہوئی۔ ان حضرات نے جمعیتِ علمائے ہند کے اخبار "مسلم" کی عنانِ ادارت سیّد مودودی کے ہاتھ میں دے دی۔ دو سال تک یہ اخبار چھپتا رہا اور سیّد مودودی ہی اس کے مدیر رہے۔ اخبار "مسلم" کے بند ہو جانے پر سیّد مودودی اپنے بھائی سیّد ابو محمد کے پاس بھوپال چلے گئے۔ جمعیت علمائے ہند نے اخبار "الجمعیت" (دہلی) کی ادارت کیلئے بلایا تو سیّد مودودی ۱۹۲۵ء/۴۴-۱۳۴۳ھ میں دہلی آگئے اور ۱۹۲۸ء تک "الجمعیت" اُن کی ادارت میں طبع ہوتا رہا۔

"الجمعیت" (دہلی) سے علیحدگی کے بعد سیّد مودودی دسمبر ۱۹۲۸ء/۱۳۴۷ھ میں حیدرآباد چلے گئے۔ اُن کی شہرت خاصی پھیل چکی تھی اور اُن کی تحریروں نے علمی دنیا میں ایک مقام پیدا کر لیا تھا۔ حیدرآباد میں انہوں نے لکھنے پڑھنے کو ذریعہ روزگار بنایا اور چند کتابوں کی تالیف یا ترجمہ میں وقت گزارا۔ محرم ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں سیّد مودودی نے ابو محمد مصلح بانی "عالمگیر تحریکِ قرآن" سے رسالہ "ترجمان القرآن" حاصل کیا جو آج تک دینی اور علمی حلقوں میں پڑھا جاتا ہے۔ "ترجمان القرآن" کے حوالے سے سیّد مودودی کی زندگی کا ایک نیا دَور شروع ہوا۔ اُنہوں نے مسلمانوں کو درپیش سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل پر لکھنا شروع کیا اور "تجدید و احیائے دین" کی دعوت پیش کی۔ سیّد مودودی نے مغربی تہذیب اور لادینی نظریات پر جس بے باکی اور جرأت سے تنقید کی اس سے اہلِ علم کا ایک بڑا طبقہ متاثر ہوا۔ "ترجمان القرآن" اور "الجہاد فی الاسلام" کے توسط سے شاعرِ مشرق علامہ اقبال سیّد مودودی سے متعارف ہوئے اور اُن کی صلاحیتوں اور سوچ کے قدردان ہو گئے۔ چوہدری نیاز علی خان مرحوم نے

جمالپور (پٹھان کوٹ) میں ایک علمی ادارے کی داغ بیل ڈالتے ہوئے علامہ اقبال سے مشورہ لیا اور ان ہی کے مشورے پر سیّد مودودی کا نام ادارے کے سربراہ کے طور پر تجویز ہوا۔ علامہ اقبال نے انہیں حیدرآباد سے پنجاب منتقل ہونے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ چوہدری نیاز علی سے طویل خط و کتابت کے بعد مارچ ۱۹۳۸ء/۱۳۵۷ھ میں سیّد مودودی پٹھان کوٹ آ گئے۔

"ترجمان القرآن" کے ذریعے سیّد مودودی کے خیالات تیزی سے مقبول ہو رہے تھے اور اُن کی تصنیفات اہلِ علم کے ہاتھوں میں نظر آنے لگی تھیں۔ سیّد مودودی "دارالاسلام" میں سربراہِ ادارہ کی حیثیت سے آئے تھے۔ مگر بعض معاملات میں "دارالاسلام" کے دوسرے ٹرسٹیوں سے اُن کا اختلاف ہو گیا اور سیّد مودودی جنوری ۱۹۳۹ء/۱۳۵۷ھ میں پٹھان کوٹ سے لاہور آ گئے۔ لاہور میں اسلامیہ پارک میں رہائش پذیر ہوئے اور اسلامیہ کالج میں اسلامیات کے اعزازی پروفیسر ہو گئے۔

سیّد مودودی تجدیدِ اسلام کے لئے ۱۹۳۲ء/۱۳۵۲ھ سے جو کام کر رہے تھے۔ اس کام میں ان کے دست و بازو بننے کے لئے ایک گروہ تیار ہو چکا تھا۔ چنانچہ ۲۵ر اگست ۱۹۴۱ء/ یکم شعبان ۱۳۶۰ھ کو لاہور میں "ترجمان القرآن" کے متاثرین کا ایک اجتماع ہوا۔ جس میں اجتماعی کوششوں کے لئے ایک جماعت کی تشکیل پر زور دیا گیا۔ چنانچہ ۷۵ افراد نے اللہ کا نام لے کر "جماعتِ اسلامی" کی بنیاد رکھی اور سیّد مودودی کو امیر چُنا گیا۔ جماعت اسلامی کا مرکز ابتداء میں "ترجمان القرآن" کا دفتر تھا۔ ۱۵ر جون ۱۹۴۲ء/۱۳۶۱ھ کو مجلسِ شوریٰ کے مشورے سے سیّد مودودی اور جماعت اسلامی کا مرکزی دفتر "دارالاسلام" پٹھان کوٹ منتقل ہوا اور ۲۸ر اگست ۱۹۴۷ء تک سیّد مودودی وہیں مقیم رہے۔ تقسیمِ ہند کی وجہ سے حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے تو سیّد مودودی اپنے رفقاء سمیت پاکستان آ گئے۔ کچھ عرصہ کیمپوں میں رہنے کے بعد ۵۔ اے ذیلدار پارک (اچھرہ) کو مرکزِ جماعت اور سیّد

مودودی کی رہائش کے لئے حاصل کیا گیا۔

پاکستان میں سید مودودی نے ایک دینی مفکر اور سیاست دان کی حیثیت سے زندگی گزاری۔ اُن کی راہنمائی میں "جماعتِ اسلامی پاکستان" نے ملک کے پڑھے لکھے طبقے کو اسلامی نظام کے لئے متحرک کیا اور آج "جماعتِ اسلامی" کی فکر کا وزن پاکستان ہی نہیں عالمِ اسلام میں محسوس کیا جاتا ہے۔ سید مودودی نے اپنی جماعت، اپنے قلم اور زبان سے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کام کیا۔ اس راہ میں انہیں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں حتیٰ کہ تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) میں رسالہ "قادیانی مسئلہ" لکھنے پر مارشل لاءٔ کورٹ نے انہیں سزائے موت دے دی تھی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل ہو گئی۔

سیدّ مودودی پہلی بار اکتوبر ۱۹۴۸ء/۱۳۶۷ھ میں اس وقت گرفتار ہوئے جب اُن کی راہنمائی میں جماعت اسلامی نے "مطالبہ نظامِ اسلامی" کی مہم شروع کی تھی۔ دوسری بار مارچ ۱۹۵۳ء/۱۳۷۲ھ میں مارشل لاء کے تحت گرفتار کئے گئے۔ تیسری بار جماعت اسلامی کو خلافِ قانون دیتے ہوئے سیّد مودودی اور اُن کے رفقاء کو پابندِ زنداں کیا گیا۔ جماعتِ اسلامی پر جو الزامات عائد کئے گئے تھے۔ حکومتِ پاکستان ملک کی اعلیٰ ترین عدالت میں یہ الزامات ثابت نہ کر سکی۔ نہ صرف سید مودودی اپنے رفقاء سمیت رہا ہو گئے بلکہ جماعتِ اسلامی بھی بحال ہو گئی۔ چوتھی اور آخری بار ۱۹۶۷ء/۱۳۸۶ھ میں گرفتار ہوئے۔

سیّد مودودی نے ایک با اصول سیاست دان کی حیثیت سے نام پیدا کیا۔ اکتیس سال "جماعت اسلامی" کی راہنمائی کرنے کے بعد یکم نومبر ۱۹۷۲ء کو مسلسل علالت اور کمزوریٔ صحت کے پیشِ نظر "امارتِ جماعت" سے مستعفی ہو گئے۔ تاہم جماعتِ اسلامی کے حلقوں میں اُن کی رائے کا احترام کیا جاتا تھا۔

سیّد مودودی ایک صاحبِ نظر عالم اور بلند پایہ مفکر تھے۔ عالمِ اسلام میں ان کی قدر و منزلت مثالی ہے۔ اُن کی فکر اور تحریک پر اہلِ قلم مسلسل لکھ رہے ہیں۔ اور مستقبل میں

مزید لکھیں گے۔ انہیں کئی اسلامی کانفرنسوں میں شرکت کا موقع ملا اور انہوں نے اپنی بات احسن طریقے سے کہی تاہم پاکستان کے دینی حلقوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔

سیّد مودودی طویل عرصے سے پتھری کی بیماری میں مبتلا تھے۔ اندرونِ ملک نامور اطباء اور ڈاکٹروں کے علاج کے باوجود افاقہ نہ ہوا۔ کئی بار آپریشن کیے گئے مگر اس بیماری سے نجات نہ ملی۔ اس کے ساتھ ہی گھٹنوں میں درد رہنے لگا۔ سیّد مودودی ان بیماریوں کے باوجود تحریکی کاموں میں منہمک رہے۔ آخر جب صحت بہت کمزور ہو گئی اور احباب کا اصرار بڑھنے لگا کہ بیرونِ ملک جا کر علاج کرایا جائے تو ۱۹۶۸ء میں لندن گئے۔ کامیاب آپریشن ہوئے مگر اس کے باوجود صحت نہ سنبھلی۔ آخری بار ۲۶ مئی ۱۹۷۹ء کو بغرضِ علاج امریکہ گئے جہاں اُن کے فرزند ڈاکٹر احمد فاروق مقیم تھے۔ ۴ ستمبر کو بفیلو (امریکہ) میں اُن کے گردے کا دوسرا آپریشن ہوا۔ ۸ ستمبر کو دل کا دورہ پڑا۔ حالت سنبھلنے پر ۱۲ ستمبر کو پھر حالت تشویشناک ہو گئی۔ جگر اور گردے نے کام کرنا بند کر دیا اور دوسرے روز ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء / ۳۰ شوال ۱۳۹۹ھ کو شام پونے چھ بجے (پاکستانی وقت کے مطابق) روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ میت پاکستان لائی گئی۔ کراچی اور لاہور میں نماز جنازہ پڑھی گئی۔ لاہور میں قذافی سٹیڈیم میں نماز جنازہ ہوئی۔ اخبار نویسوں کی اطلاع ہے کہ لاہور میں کم ہی کسی جنازے میں اس قدر خلقِ کثیر شریک ہوئی تھی۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۷۹ء / ۴ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ کو ۵۔ اے ذیلدار پارک میں دفنائے گئے۔

سیّد مودودی نے اسلامی نظامِ حیات کی تفہیم و تشریح کے لئے ہزاروں صفحات قلمبند کئے۔ وہ ایک صاحبِ طرز ادیب تھے۔ اُن کی تحریروں کی مقبولیت میں جہاں علمی گہرائی، قرآنی سوچ اور بصیرت شامل ہے وہیں اُن کا خوبصورت اندازِ تحریر بھی ایک سبب ہے۔ سیّد مودودی کی تصانیف یہ ہیں۔ ان میں سے کئی ایک دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔

مباحثِ دینی

۱۔ تفہیم القرآن (چھ جلدیں)

۲۔ دینیات

۳۔ سنّت کی آئینی حیثیّت

۴۔ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں

۵۔ خطبات

۶۔ مسئلہ جبر و قدر

۷۔ اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر

۸۔ نشری تقریریں

۹۔ مسئلہ قربانی

۱۰۔ تفہیمات (تین حِصّے)

۱۱۔ رسائل و مسائل (چار حِصّے)

۱۲۔ قادیانی مسئلہ

تاریخ

۱۳۔ سمرنا پر یونانیوں کے مظالم (ترجمہ)

۱۴۔ اسلام کا سرچشمۂ قوّت

۱۵۔ دکن کی سیاسی تاریخ

۱۶۔ تجدید و احیائے دین

۱۷۔ خلافت و ملوکیّت

۱۸۔ سلاجقہ

۱۹۔ غلافِ کعبہ کی تاریخ

سیاسیات وعمرانیات

۲۰۔ الجہاد فی الاسلام

۲۱۔ تنقیحات

۲۲۔ اسلامی تہذیب اور اُس کے اصول ومبادی

۲۳۔ تحریکِ آزادیٔ ہند اور مسلمان (دو حصّے) مرتبہ : پروفیسر خورشید احمد

۲۴۔ اسلامی نظامِ زندگی

۲۵۔ اسلامی ریاست — مرتبہ : پروفیسر خورشید احمد

اقتصادیات

۲۶۔ معاشیاتِ اسلام — مرتبہ : پروفیسر خورشید احمد

۲۷۔ سود

۲۸۔ اسلام اور جدید معاشی نظریات

۲۹۔ مسئلہ ملکیتِ زمین

تعلیم

۳۰۔ تعلیمات

قانون وسماج

۳۱۔ پردہ

۳۲۔ حقوق الزوجین

۳۳۔ مرتد کی سزا۔ اسلامی قانون میں

۳۴۔ پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی عملی تدابیر

جماعتِ اسلامی

۳۵۔ جماعتِ اسلامی۔ اس کا مقصد، تاریخ اور لائحہ عمل

۳۶۔ تحریکِ اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل

متفرقات

۳۷۔ ادبیاتِ مودودی ـــ مرتبہ : پروفیسر خورشید احمد

۳۸۔ مکاتیب ابوالاعلیٰ (دو حصّے)۔ مرتّبہ : عاصم نعمانی

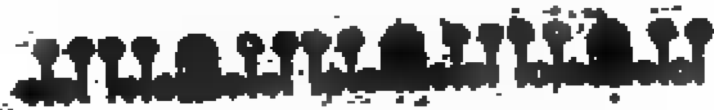
متذکرۃ الصدر کتابوں کے علاوہ مولانا سیّد مودودی نے مندرجہ ذیل کتابوں کے ترجمے کئے جو زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہو سکے۔

۱۔ المراۃ الجدیدہ (قاسم امین مصری)

۲۔ المسئلۃ المشرقیہ (مصطفےٰ کامل)

۳۔ الاسفار الاربعہ (صدرالدین شیرازی)۔ دوسرے اور تیسرے حصّہ کا ترجمہ کیا گیا تھا۔

سیّد مودودی کی سینکڑوں تقاریر، بیانات اور مکاتیب ان پر مستزاد ہیں۔ جو تا حال مدوّن نہیں ہو سکے۔



سیّد ابوالقاسم

مجتہد العصر سیّد ابوالقاسم بن سیّد حسین بن سیّد تقی کے بزرگ سیّد حسین القُمّی ایران کے شہر قُم سے ترکِ سکونت کر کے کشمیر آئے تھے۔ یہاں اگر پشمینہ کا کاروبار کرنے لگے۔ اُن کی چوتھی پشت میں مجتہد العصر کے والد سیّد حسین تھے جو اپنے خاندانی کاروبار کے سلسلہ میں لکھنؤ اور برّ صغیر کے دوسرے شہروں کا سفر کرتے رہتے تھے۔

مولانا سیّد ابوالقاسم ۱۲۴۹ھ/۳۴-۱۸۳۳ء میں فرخ آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدین کی خواہش تھی کہ اُن کا فرزند کامیاب تاجر ثابت ہو مگر اُن کی طبیعت علمِ دین کی طرف راغب تھی چنانچہ تعلیم کی طرف متوجّہ ہوئے اور نوجوانی میں وہ نام پیدا کیا کہ لکھنؤ کے مجتہدِ اعلیٰ اور نامور عالم سلطان العلماء آغا سیّد محمد بن دلدار علی نصیر آبادی نے "فاضل ابوالقاسم" کے لقب سے پکارا۔

تحصیلِ علم کے بعد لاہور آ گئے۔ سر حاجی نوازش علی خان کے۔ سی۔ آئی۔ ای اور نواب ناصر علی خان بہادر حج بیت اللہ اور زیارتِ کربلا کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ انہوں نے مناسک و ارکانِ حج کی راہنمائی کے لیے سیّد ابوالقاسم کو ہمراہ لے لیا۔ یہ سفر سیّد ابوالقاسم کے لیے بہت مفید ثابت ہوا۔ عراق کے علماء مفتی شیخ مرتضیٰ انصاری اور علامہ اردکانی وغیرہ سے مباحثِ علمیہ کا موقع ملا اور تمام عراق میں اُن کی شہرت "فاضلِ ہندی" کے نام سے پھیل گئی۔

عراق و عرب کے سفر میں براستہ ایران واپسی ہوئی اور ایران کے مراکزِ علمی میں جانے اور مجتہدانِ وقت سے تبادلۂ خیالات کا موقع ہاتھ آیا۔ مولانا سیّد ابوالقاسم اپنے ساتھیوں سمیت واپس لاہور آئے تو اُن کے قدر شناسوں نے اُنہیں کشمیر واپس جانے کے بجائے لاہور میں قیام کرنے پر مجبور کیا۔ سر حاجی نوازش علی خان نے اُن کی مصروفیت کے لیے "مدرسہ امامیہ" کی بنیاد رکھی جس کے تمام اخراجات نواب موصوف اپنی گرہ سے ادا کرتے تھے۔

۱۲۹۵ھ میں مسجد امامیہ تعمیر ہو گئی، علمی و دینی خدمات میں مصروف ۱۴ محرم ۱۳۲۴ھ/ ۷، فروری

۱۹۰۶ء کو وفات پائی۔ نمازِ جنازہ اُن کے فرزند سید علی الحائری نے پڑھائی اور کربلا گامے شاہ لاہور میں دفنائے گئے۔

مولانا سید ابوالقاسم کو قرآن مجید سے گہری دلچسپی تھی اور اپنے دور کے بلند پایہ شیعہ عالم تھے۔ محمد دین فوق نے اُن کے مواعظ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"جن لوگوں نے مولانا کے مواعظِ حسنہ سُنے ہیں، اُن کا بیان ہے کہ مولانا احکام شرعِ متین اور حقائق و دقائقِ قرآن مجید کمال تہذیب اور بے تعصبی سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ اُن کی مجلسوں میں حنفی، اہلِ حدیث، نئے تعلیم یافتہ بلکہ آریہ اور عیسائی بھی شامل ہوا کرتے تھے"[1]

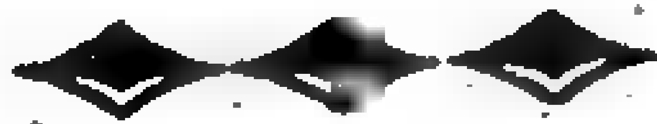
مولانا سید ابوالقاسم سے عربی، فارسی اور اُردو میں ۲۲ کتب یادگار ہیں۔ جن میں سے حسبِ ذیل بہت اہم ہیں[2]:

۱۔ کتاب البشریٰ شرح مودۃ القربیٰ (ہمدانی)

۲۔ حقائق لدنی شرح خصائص النسائی

۳۔ سیادۃ السادات فی الانساب

۴۔ لوامع التنزیل و سواطع التاویل فی تفسیر القرآن الکریم (فارسی) تیس[۳۰] جلدوں میں تفسیر مکمل کرنے کا ارادہ تھا۔ ابھی بارہ[۱۲] جلدیں تا آیت "یبنی اذھبو فتحسسوا من یوسف واخیہ" لکھی تھیں کہ پیغامِ اجل آ گیا۔ بعد میں اُن کے فرزند علامہ سید علی الحائری نے مزید پندرہ[۱۵] جلدیں لکھیں۔



---

[1] مشاہیر کشمیر ص ۱۱۰

[2] نزہت الخواطر جلد ۸، ص ۱۰۵

سیّد ابوبکر غزنوی

سیّد ابوبکر غزنوی بن سیّد داؤد غزنوی ۲۲ مئی ۱۹۲۷ء / ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ کو امرتسر کے معروف خاندانِ غزنویہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امرتسر اور لاہور میں حاصل کی۔ ۱۹۵۰ء / ۱۳۶۹ھ میں پنجاب یونیورسٹی سے عربی زبان وادبیات میں ایم۔ اے کیا اور یونیورسٹی میں اوّل آنے کی بنیاد پر سونے کے تمغہ کے مستحق قرار پائے۔ بعد میں ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگری حاصل کی۔ علوم دینیہ کی تحصیل اپنے والدِ بزرگوار مولانا سیّد داؤد غزنوی، حافظ محمد گوندلوی اور مولانا شریف اللہ سے کی۔

پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے کر کے اُسی سال اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں عربی زبان وادب کے اُستاد مقرر ہوئے۔ بعد میں شعبۂ عربی اور شعبۂ علومِ اسلامی کے سربراہ رہے۔ اُستاد کی حیثیت سے محنتی، شفیق اور نہایت خوش خلق تھے۔ پروفیسر حمید احمد خان مرحوم (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی) اُن کی علمی استعداد اور صلاحیتوں کے مداح تھے۔ اُنہوں نے اورئنٹل کالج کے شعبۂ عربی میں جزو وقتی اُستاد کی حیثیت سے سیّد ابوبکر غزنوی کی خدمات حاصل کیں۔ بعد میں اسلامیہ کالج سے انجینئرنگ یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات میں چلے گئے اور اس شعبہ نے یونیورسٹی کی فضا میں توحید و سنّت کا غلغلہ پیدا کیا۔ ستمبر ۱۹۷۵ء / ۱۳۹۴ھ میں اُنہیں اسلامی یونیورسٹی بہاولپور کا وائس چانسلر نامزد کیا گیا۔ اُنہوں نے دینی طرز کے ایک مدرسے کو جدید یونیورسٹی میں بدلنے کے لئے شب و روز کام کیا۔

اپریل ۱۹۷۶ء / ربیع الآخر ۱۳۹۶ھ میں مسلمانوں کے علوم و فنون کے تعارف کے لئے لندن میں ایک اسلامی میلہ (World of Islam Festival) منعقد کیا گیا۔ اسلامی میلے میں حکومتِ پاکستان کے ایک وفد نے شرکت کی۔ سیّد ابوبکر غزنوی اس وفد کے ایک اہم رُکن تھے۔ ۴ اپریل ۱۹۷۶ء کو لندن پہنچے۔ اُسی روز ۴ اور ۵ اپریل کی درمیانی شب

سڑک پار کرتے ہوئے کار کے حادثے میں اُن کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ اُن کا مقالہ اسلامی میلے میں اُن کے دوست ڈاکٹر شیر محمد زمان (حال وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد) نے پڑھا۔ مولانا سید ابوبکر غزنوی ویسٹ منسٹر ہسپتال لندن میں زیرِ علاج تھے کہ ۲۵ اپریل/۵ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ کو دیارِ فرنگ میں جان، جانِ آفرین کے سپرد کی۔ چار دن کے بعد اُن کی میت لاہور پہنچی اور اُسی روز اپنے والدِ ماجد مولانا داؤد غزنوی مرحوم کے پہلو میں دفنائے گئے۔ اُن کی رحلت پر شعرائے کرام نے بیسیوں تعزیتی نظمیں لکھیں۔ ملک کے معروف شاعر جناب احسان دانش نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

کہاں مقام یہ ہر ایک آدمی کے لئے
کہ موت بن گئی پیغام زندگی کے لئے

قلم اُٹھا تھا یونہی ذکرِ سرسری کے لئے
دریچے کھل گئے اسرارِ داخلی کے لئے

میں اس کے میکدۂ علم و فن سے در گزرا
کہیں خودی نہ مچل جائے بیخودی کے لئے

اندھیرے جس سے لرزتے ہوں رات کانپتی ہو
ترس رہی ہے نظر ایسی روشنی کے لئے

وہ اک چراغ تاریخِ نو کے ماتھے پر
وہ فرد ایک قبیلہ تھا زندگی کے لئے

گناہ و جرم سے محفوظ تھا ضمیر اُس کا
تھا اس کا قلب فقط علم و آگہی کے لئے

قدم قدم پہ بھی علمِ ظاہری کے چراغ
ترس کے رہ گئے تعلیمِ باطنی کے لئے

جو اس نے درس دیا اس سے جاگ اُٹھیں روحیں
وہ خضرِ راہ تھا دستورِ مذہبی کے لئے

کہاں سے ڈھونڈھ کے لائیں کہاں تلاش کریں
وہ جس آدمی میں ہو ایثار آدمی کے لئے

یہاں تو پہلے ہی قحط الرجال تھا یارو
اصول پوچھئے اب کس سے زندگی کے لئے

یہ حادثہ بھی مقدر میں تھا کہ میں دانشؔ
لکھوں گا شعر ابوبکر غزنویؒ کے لئے[1]

---

[1] ہفت روزہ "الاسلام" (لاہور) بابت ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۹

مرحوم بہت پڑھنے والے شخص تھے اور دین و ادب کے تمام ہی موضوعات اُن کے حیطۂ نظر میں تھے۔ اسلامی مصادر پر اُن کی براہِ راست نظر تھی اور غیر مسلم مستشرقین کا سرمایۂ افکار اُن کے سامنے تھا۔ اس پر مستزاد ذہانت و فطانت تھی مگر اپنی راحت پسندی کے سبب کوئی خاص تحقیقی کام نہ کر سکے۔ اُن کا قلمی سرمایہ کچھ کتابچے اور مولانا سید داؤد غزنوی کی سوانح حیات "سید داؤد غزنوی (سیدی وابی)" ہے۔ کتابچوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حقیقتِ ذکرِ الٰہی
۲۔ اسلام اور آدابِ معاشرت
۳۔ اسلام میں گردشِ دولت
۴۔ عصرِ حاضر میں اُستاد اور شاگرد
۵۔ اسلامی ریاست کے چند ناگزیر تقاضے
۶۔ خطباتِ جہاد
۷۔ واقعہ کربلا
۸۔ اس دُنیا میں اللہ کا قانونِ جزا و سزا
۹۔ قرآن مجید کے صوری اور معنوی محاسن
۱۰۔ محمدی انقلاب کے خدوخال
۱۱۔ حزبِ اعظم (وظائف)
۱۲۔ کتابتِ حدیث۔ عہدِ نبوی میں

مولانا غزنوی نے ۱۹۶۵ء/ ۸۵-۱۳۸۴ھ میں رسالہ "توحید" (امرتسر) کا احیاء لاہور سے کیا جو ڈیڑھ دو سال چھپتا رہا۔

مرحوم تحریر کی نسبت تقریر کے فن میں زیادہ شہرت رکھتے تھے۔ اُن کی تقریروں میں دل و دماغ، دونوں کی تسکین کا سامان موجود ہوتا تھا۔ علم و فضل کے

ساتھ عام آدمی کی دلچسپی کا سامان بھی ہوتا تھا۔ اگر اُن کی تقریریں ایک مجموعے کی صورت میں یکجا ہو جائیں تو خطیب اُن سے مناسب استفادہ کر سکیں گے۔ مرحوم کے خصائل پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی اہلیہ لکھتی ہیں:

"آپ نہایت خوش طبع، خوش اخلاق، خوش پوشاک، بے حد حساس اور نازک مزاج تھے۔ آپ کسی کام میں بے ترتیبی کسی صورت گوارا نہ کرتے۔ سوائے کتابوں کے جو آپ کے آس پاس بکھری رہتی تھیں۔ اس پر بہت خوش رہتے اور دل جمعی کے ساتھ مصروف مطالعہ رہتے۔ یہ کوشش فرماتے کہ اُن کی ذات سے کسی کو ایذا نہ پہنچے۔ بغیر اطلاع کسی کے ہاں جانے سے اجتناب کرتے۔ ملاقات کے لئے اوقات کا بہت خیال رکھتے تاکہ معمولات میں فرق نہ آنے پائے۔ اسی طرح دوسروں کی راحت و تکلیف کا بھی بے حد احساس رکھتے۔

آپ بے حد مہمان نواز، خوددار اور فیاض تھے۔ اپنی اور احباب کی راحت کے لئے کسی خرچ کی پرواہ نہ کرتے۔ آپ کی گفتگو میں چاشنی تھی۔ بات ٹھوس اور معقول کرتے تھے۔ کبھی ناشائستہ لفظ منہ سے نہ نکلا تھا۔ دیانت اور خلوص طبیعت کا خاصا تھا۔ صاف گوئی اُن کا شیوہ تھا۔ عزم و ہمت کا سراپا تھے۔ حق بات کہنے سے دبتے نہ تھے۔ برملا کہتے تھے۔ اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کا خوف جی میں نہیں رکھتے تھے۔ اِن کا دِل غنا کی دولت سے

مالامال تھا۔ جاہ کی طلب نہ تھی اور دُنیا سے بے نیاز تھے[1]



[1] ہفت روزہ "الاسلام" (لاہور) بابت ۸ر اکتوبر ۱۹۶۷ء ص ۱۲۴ و ۱۲۵

احسان اللہ خان تاجور نجیب آبادی

شمس العلماء مولانا احسان اللہ خان تاجور نجیب آباد ضلع بجنور کے درانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۲؍ مئی ۱۸۹۴ء[۵۱] / ۲۵؍ شوال ۱۳۱۱ھ کو نینی تال میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِ بزرگوار احمد شاہ ابدالی (م ۱۱۸۶ھ) کے ہمراہ برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی کے بہت سے ساتھی برصغیر میں آباد ہو گئے تھے۔ مولانا احسان اللہ خان کے جدِ بزرگوار نے نجیب آباد ضلع بجنور میں سکونت اختیار کی۔

مولانا احسان اللہ خان نے دار العلوم دیوبند سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ بعد میں پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات۔ مولوی فاضل اور منشی فاضل میں بیٹھے اور کامیاب ہوئے۔ مولانا موصوف نے دورانِ تعلیم میں مضمون نگاری اور شعر گوئی شروع کر دی تھی۔ دار العلوم دیوبند کے مجلہ "القاسم" میں اُن کے اکثر مضامین اشاعت پذیر ہوتے تھے۔ ۱۹۱۱ء/۱۳۲۹ھ میں رسالہ "نالۂ بلبل" (لدھیانہ) کی ادارت سنبھالی۔ ایک سال بعد رسالہ "آفتابِ اُردو" (لدھیانہ) میں منتقل ہو گئے۔ اور غالباً ۱۹۱۴ء/۳۳-۱۳۳۲ھ میں رسالہ "تاج الکلام" (نجیب آباد) کا قلمدانِ ادارت سنبھالا۔ اسی سال لاہور منتقل ہو گئے اور یہی شہر اُن کا وطنِ ثانی بن گیا۔

مولانا احسان اللہ خان کی صحافتی اور علمی زندگی کا اصل آغاز ۱۹۱۵ء/۳۴-۱۳۳۳ھ میں رسالہ "مخزن" کی ادارت سے ہوا۔ مخزن کی ادارت اُس زمانے میں بہت بڑا

۵۱؎ بوستانِ قلم ص ۴۲

علمی اعزاز تھا۔ پانچ سال بعد مخزن سے الگ ہو گئے۔ جنوری ۱۹۲۲ء/۱۳۴۰ھ میں ماہنامہ "ہمایوں" کا پہلا شمارہ منظرِ عام پر آیا۔ مولانا اس کے جائنٹ ایڈیٹر (مدیر معاون) تھے۔ انہوں نے پانچ سال "ہمایوں" کی ترتیب و تدوین کی ذمہ داریاں ادا کیں۔ اس کے بعد یادگارِ علم و فن رسالہ "ادبی دُنیا" جاری کیا۔ تو ذان کے الفاظ میں:

"رسالہ ادبی دُنیا اس سطوت و جلال کے ساتھ افقِ صحافت پر طلوع ہوا کہ آسمانِ ادب کے پرستاروں کے چراغ گل ہو گئے۔ ـــ ـــ ـــ ـــ عمائدِ ملک نے اسے صحافت کے لئے نشانِ راہ تسلیم کیا۔"[1]

مارچ ۱۹۳۲ء/۱۳۵۱ھ میں مولانا احسان اللہ خان نے "ادبی دُنیا" منصور احمد بی۔ اسے کے ہاتھ بیچ دیا اور وہ "ادبی دُنیا" سے الگ ہو گئے۔ مئی ۱۹۳۵ء/۱۳۵۴ھ میں ایک ادبی پرچہ "شاہکار" جاری کیا جو چھ سال اُن کی ادارت میں طبع ہوتا رہا۔

متذکرۃ الصدر صحافتی و ادبی خدمات کے ساتھ ۱۹۲۱ء/۴۰-۱۳۳۹ھ میں دیال سنگھ کالج لاہور میں السنہ شرقیہ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ دیال سنگھ لائبریری کے سیکرٹری اور پنجاب یونیورسٹی کے فیلو کی حیثیت سے بھی فرائض منصبی انجام دیئے۔ ۱۹۴۰ء/۱۳۵۹ھ میں حکومتِ ہند نے اُن کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اُنہیں "شمس العلماء" کا خطاب عنایت کیا۔

مولانا احسان اللہ خان زندگی کے آخری چند سالوں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ امراضِ قلب میں چار پانچ سال مبتلا رہ کر ۳۰ جنوری ۱۹۵۱ء/۲۱ ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ کو لاہور میں فوت ہوئے۔ عزیز حاصل پوری نے مندرجہ ذیل تاریخیں

---

[1] ماہنامہ "پکچر" (لاہور) تاجور نمبر ص ۲۸۲

کہیں:[1]

آہ عالم یکتا علامہ پاکستان تاجور نجیب آبادی

۱۹۵۱ء

غروب ہوگیا افسوس آفتاب ادب

۱۹۵۱ء

تاجور آہ رفت از دنیا

۱۳۷۰ھ

مولانا احسان اللہ خان نے اپنی تمام توجہ اُردو شعر و ادب پر مرکوز کر دی تھی۔ تاجور تخلص کرتے تھے۔ رسا رامپوری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔[2] اُن کی ادبی خدمات میں "اُردو مرکز" کا قیام شامل ہے۔ اس اشاعتی ادارے کے زیرِ اہتمام اُنہوں نے اُردو نظم و نثر کا ۳۶ جلدوں میں انتخاب مرتب کیا۔ ایک رسالہ ہفت روزہ "پریم" بھی جاری کیا تھا۔ ایک خط میں "اُردو مرکز" کی کارکردگی پر روشنی ڈالتے ہیں:

"اُردو مرکز زیرِ اہتمام کئی سال کی محنت سے اُردو ادب قدیم و جدید نظم و نثر کا شعبہ وار اور تاریخی ترتیب کے ساتھ انتخاب کر کے ہر شعبۂ منتخبہ کو تاریخی و تنقیدی مقدمات اور ہر عہد کے اُردو مصنفین کے حالات و تصاویر اور ان کی ادبی حیثیت و تبصرات کے ساتھ ۳۶ مجلدات میں شائع کر چکا ہوں۔ یہ مجلدات مدراس اور الٰہ آباد کی یونیورسٹیوں میں ایف۔ اے اور بی۔ اے کے نصاب میں شامل ہیں۔ ان میں سے

---

[1] ماہنامہ "مخزن" (لاہور) بابت مارچ ۱۹۵۱

[2] مکتوب بنام محمد اظہار الحسن۔ بحوالہ ماہنامہ "پکچر" (لاہور) تاجور نمبر ص ۱

ایک کتاب "روحِ نظم" لندن یونیورسٹی کے بی۔ اے آنرز کا اردو کورس ہے۔[۵۱]"

مولانا موصوف کا کلام اور مضامین مختلف رسائل و جرائد میں منتشر ہیں۔ اُن کی منظومات اور مضامین کا انتخاب ماہنامہ "پیکچر" (لاہور) کے تاجور نمبر میں شائع ہوا ہے۔[۵۲]

موصوف عربی ادب پر ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ جو اُن کی شعری مصروفیات کے پیشِ نظر مرتب نہ ہو سکی۔ ۱۹۴۰ء کے ایک مضمون میں اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مدتِ مدید سے اس فکر میں ہوں کہ قسمت موجودہ افکار لاحاصل سے رہائی بخشے تو ادب العرب کے نام سے چند مجلدات میں ادبِ عربی (نظم و نثر) پر ایک ضخیم تصنیف سرانجام دے کر اُسے زندگی کی راہ بے منزل کے لئے منزلِ راہ زندگی بنا لوں۔ دیوبند میں میرے دل پسند مضامین شروع ہی سے عربی ادب اور فلسفہ بنے رہے۔ لاہور رہا تو شمس العلماء عبداللہ ٹونکی جیسے عربی کے بے مثل ادیب اور بین الاقوامی شہرت کے فلسفی کا فیضِ رشد و ہدایت مجھے نصیب رہا۔ اُردو ادب میں میری دلچسپی تفریح کی حد تک رہتی تھی مگر حالاتِ ناساز گار نے اس تفریح کو میری زندگی بنا دیا۔[۵۳]"

۵۱؎ بوستانِ قلم ص ۴۲۔۴۳

۵۲؎ ماہنامہ "پیکچر" (لاہور) تاجور نمبر ص ۷۹۔ ۳۵۲

۵۳؎ تذکرۂ تہذیب و ادب ص ۶

مولانا احسان اللہ خان تاجور بلند پایہ شاعر تھے۔ اُن کا کلام تاحال یکجا نہیں ہو سکا۔ اُن کی ایک نظم "خدا ایک وحدت الوجودی کی نظر میں" بطور نمونہ درج کی جاتی ہے ؎

دُنیائے ہست و بود میں روحِ رواں ہے تو
شیرازہ بندِ کشورِ کون و مکاں ہے تو
ہر دل میں جس کا درد ہے وہ جانِ جاں ہے تو
ہر دو جہاں میں زینتِ ہر دو جہاں ہے تو
پتھر ہے، دل نہیں ہے اگر دل میں تو نہیں
وہ پھول کیا ہے جس میں ترا رنگ و بو نہیں

ہے وحدت الوجودیؒ و ویدانتی نژاد
خاکِ رہِ تلاش مگر پھر بھی بے مراد
اتنا ہے تیری یاد میں مخمورِ کیفِ یاد
کرتا ہے اس فریبِ تخیل سے دل کو شاد
ہستی کے پھول پھول میں تیرا ہے رنگ و بو
تحت الثریٰ سے تابہ ثریا ہے تو ہی تو

پہلوئے اہلِ غم میں دلِ خانماں خراب
فرقت میں یادِ دوست کی تصویرِ بے نقاب
سینے میں شورِ عشق، مقدر میں پیچ و تاب
آنکھوں میں اشک، لب پہ فغاں، دل میں اضطراب
آتش بیاں ہے ذکر سے تیرے زبانِ عشق!
ہنگامہ زار ہے ترے دم سے جہانِ عشق

رخسارِ جاں نواز میں شادابیٔ گلاب
روئے نظر فروز میں رعنائی شتاب!
گیسو میں پیچ نرگسِ جادو میں کیفِ خواب
صورت میں حُسن، حسنِ فروزاں میں آب و تاب

محشر خرامیٔ بتِ سروِ چمن ہے تو!
روئے حسین پہ زلفِ شکن در شکن ہے تو

وقفِ تلاشِ بُت میں ہے ہندوئے پاکباز
مسلم کے واسطے ہے تو ہی قبلۂ نماز
ہے پارسی کا آگ کے پردے میں کارساز
تو کیا ہے اے خدا؟ نہ کھُلا آج تک یہ راز

گردش میں آسمان ہے چکّر میں آفتاب
تیری تلاش میں ہیں ترے خانماں خراب

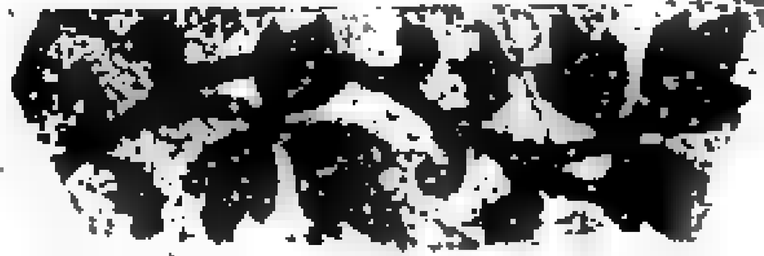
وابستہ تجھ سے عالمِ سفلی کا انتظام!
ہے تو ہی صدرِ محفلِ چرخِ کبود فام
از شرق تا بہ غرب ترا ذکر لا کلام
پُر تیری داستاں سے ہیں اوراقِ صبح و شام

معمور بزمِ کون و مکاں تیرے نور سے
ہستی کا کُل ظہور ہے تیرے ظہور سے

جب مرگِ بے کسی میں نہ ہو کوئی اُس پاس!
جب دِل کے غم کدہ پہ ہو طاری سکوتِ یاس

جب سانس اکھڑ چکا ہو، جب آئے دوا نہ راس
جب چھوڑ دی ہو جینے کی بیمارِ غم نے آس

اُٹھتا ہے اُس کے دل میں تیرا دردِ جستجو
اس حال میں بھی اس کی زبان پر ہے تو ہی تو[1]



---

[1] ماہنامہ "ہمایوں" ج ۱ ش ۱ ص ۷۵ - ۷۶

قاضی احسان احمد شجاع آبادی

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی بن قاضی محمد امین ۹ ربیع الاوّل ۱۳۲۴ھ/ ۳ مئی ۱۹۰۶ء کو شجاع آباد میں پیدا ہوئے۔ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم شجاع آباد میں حاصل کی۔ اُن کے اساتذہ میں حافظ اللہ وسایا (ساکن موضع جتی۔ تحصیل شجاع آباد) کا نام ملتا ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شاگردی اختیار کی اور مجلس احرارِ اسلام میں شامل ہوئے۔ اُنہوں نے مجلس احرارِ اسلام کی تمام تحریکوں میں سرگرمی سے حصّہ لیا۔ تحریکِ کشمیر ہو یا مسجد شہید گنج کی بازیابی کی تحریک۔ وہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ آخرالذکر تحریک میں چھ ماہ قید رہے۔ ۱۹۳۵ء کے آخری ایام (۱۳۵۴ھ) میں قادیان میں دفعہ ۱۴۴ کے ذریعے نمازِ جمعہ پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ اس شرعی حکم کو اپنے قانون کے زور سے برطانوی حکومت نے ختم کرنا چاہا تو مجلس احرارِ اسلام میدانِ عمل میں آگئی۔ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نماز جمعہ کا اہتمام کیا گیا قاضی صاحب اسی سلسلے میں ۲۰ دسمبر ۱۹۳۵ء/۲۴ رمضان ۱۳۵۴ھ کو گرفتار ہوئے اور چھ ماہ قید و بند میں گذارے۔ یہ اُن کی دوسری گرفتاری تھی اس سے پہلے مغل پورہ انجنیئرنگ کالج کے پرنسپل کے خلاف احتجاجی تحریک میں شامل ہوئے اور جہلم میں چھ ماہ نظر بند رہے تھے۔

۱۹۳۸ء/۱۳۵۷ھ میں قاضی صاحب کو مجلس احرارِ اسلام کی ورکنگ کمیٹی کا رکن چُنا گیا۔ دوسری جنگِ عظیم شروع ہوئی تو مجلس احرارِ اسلام نے ”دار کونسل“ تشکیل دی اور عوام کو فوج میں بھرتی دینے سے روکا۔ اس کونسل کے پہلے قائد قاضی صاحب تھے۔ امرتسر میں انہیں گرفتار کیا گیا۔ مقدمہ چلا اور تین سال کے لیے پسِ دیوارِ زنداں بھیج

دیئے گئے۔

تشکیلِ پاکستان کے بعد آل انڈیا مجلسِ احرارِ اسلام کو توڑ کر مجلس احرارِ اسلام پاکستان قائم کی گئی۔ مجلس کی باگ ڈور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے ہاتھ میں تھی۔ ماسٹر تاج الدین انصاری مجلس کے ناظمِ اعلیٰ چنے گئے تھے۔ دو سال بعد مجلس احرار اسلام کی سیاسی حیثیت ختم کر کے اسے تبلیغی جماعت بنا دیا گیا چنانچہ مجلس نے اپنی سرگرمیاں عقیدۂ ختم نبوّت کے تحفّظ کیلئے وقف کر دیں۔

تحریک ختم نبوّت (۱۹۵۳ء) میں قاضی احسان احمد صاحب نے جو کردار ادا کیا۔ اس کا اظہار منیر انکوائری رپورٹ کے حسبِ ذیل اقتباس سے ہوتا ہے:

"پہلا شخص جس نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم کی توجّہ قادیانی تحریک کی سنگینی کی طرف مبذول کرائی وہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی تھا۔ قادیانیت کی مخالفت اس شخص کی زندگی کا واحد مقصد معلوم ہوتا ہے اور وہ جہاں کہیں جاتا ہے۔ اپنے ساتھ ایک بڑا چوبی صندوق لے جاتا ہے جس میں احمدیوں کا اور احمدیوں کے خلاف لٹریچر بھرا ہوتا ہے۔ زیادہ اہم سیاسی واقعات کا ذکر تو درکنار، پاکستان یا کسی اور شخص کو کوئی آفت پیش آجائے۔ کوئی افسوس ناک واقعہ رونما ہو جائے۔ قائد ملّت قتل کر دیئے جائیں یا ہوائی جہاز گر پڑیں۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نزدیک وہ ہمیشہ احمدیوں ہی سازش کا نتیجہ ہوتا ہے۔"[۱]

قاضی صاحب کو ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء / ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ کو شجاع آباد

---

[۱] رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء بحوالہ سوانح حیات قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص ۲

سے گرفتار کیا گیا اور ڈسٹرکٹ جیل ملتان میں محبوس رہے۔ اسی زمانۂ اسیری میں اُنہیں اپنے والدِ ماجد قاضی محمد امین کی رحلت کا حادثۂ جانکاہ سہنا پڑا۔ حکومتِ وقت نے کوشش کے باوجود قاضی صاحب کو اپنے والد کی آخری رسوم میں شرکت کی اجازت نہ دی۔ علامہ عبدالرشید طالوت نے قاضی محمد امین مرحوم کا قطعۂ تاریخ کہتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا ہے ؎

مومنِ پاک دل امین و شجاع　　　قاضیٔ وقت، حاکمِ باطن
جس کا بیٹا خطیبِ پاکستان　　　جس کا احساں، قوم کا ضامن
اس کا جب وقتِ آخری پہنچا　　　اُس کا احساں "قید تھا اُس دن
ہاتفِ غیب نے کہی تاریخ　　　مصرعِ آخری میں دیکھو سُن

لختِ دل اس کا گو رہا نہ ہوا
قیدِ غم سے رہا ہوا مومنؒ

سنٹرل جیل ملتان میں اُنہیں زہر دیا گیا۔ انیس شاہ جیلانی صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مجھے اور حضرت لاہوری (مولانا احمد علیؒ) کو جیل میں زہر دیا گیا تھا اس کے اثرات گرمیوں میں عود کر آتے ہیں۔"[۵۲]

قاضی احسان احمد صاحب آخری بار جون ۱۹۶۰ء/۱۳۷۹ھ میں گرفتار ہوئے مگر حکومت کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور جلد ہی رہا کر دیئے گئے۔ اُنہوں نے جذبۂ آزادی کی پاداش اور فتنۂ قادیانیت کے خلاف شوقِ جہاد میں بحیثیت مجموعی

---

۵۱ سوانح حیات قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص ۲۴

۵۲ قاضی صاحب ص ۹۵

نو سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کی رحلت کے بعد "مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان" کے امیر چنے گئے۔ انہوں نے مجلس کے سٹیج سے قادیانیت کے خلاف بھرپور کام کیا۔ قادیانیت کے لٹریچر پر اُن کی گہری نظر تھی۔ اہلِ قلم اس سلسلے میں اُن سے استفادہ کرتے تھے۔ مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے "پاکستان میں مرزائیت کا مقام اور مستقبل" کے زیرِ عنوان مقالات کا سلسلہ شروع کیا تو قاضی صاحب سے رابطہ قائم کیا۔ اسی طرح جب منیر انکوائری کمیٹی نے کام شروع کیا تو مولانا داؤد غزنویؒ نے انہیں ایک خط میں لکھا:

"آپ نے اخبارات کے مطالعہ سے معلوم کیا ہوگا کہ تحقیقاتی کمیشن ہماری تحریک کے سلسلہ میں تحقیقات کر رہی ہے کہ اس میں جو فسادات ہوئے ہیں۔ اس کی ذمہ داری کس پر ہے۔

اگر اس میں ہماری طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی تو اس کے نتائج دُور رس ہوں گے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مرزائیوں کی طرف سے مسلسل اشتعال انگیزی اور منافرت پھیلانے کی کوشش رہی ہے۔ اُسے کمیشن کے سامنے لایا جائے اور اگر ہم اس وقت چوک گئے تو ہمیشہ کے لئے ہم اس غفلت اور تساہل کی تلخی محسوس کرتے رہیں گے۔

اس لئے سب دوستوں کی رائے ہے کہ آپ لاہور تشریف لائیں اور پورے ساز و سامان کے ساتھ تشریف لائیں۔"[1]

---

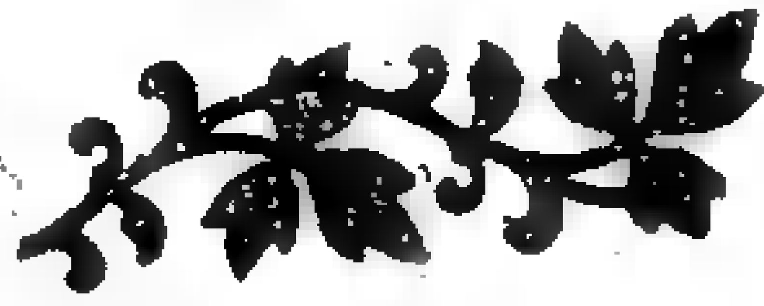
[1] سوانح حیات قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص ۵۰۶-۵۰۷

قاضی احسان احمد صاحب شجاع آباد کی شاہی مسجد کے متولی اور پیش امام تھے۔ مسجد کی ہر سال توسیع کرتے رہتے تھے۔ بے مثال خطیب تھے۔ اہلِ نظر کی رائے ہے کہ وہ اپنی سحر انگیز خطابت کی وجہ سے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کے ثانی کہلا سکتے تھے۔

قاضی صاحب نفیس الطبع اور باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ حد درجہ مہمان نواز تھے اور احباب کی خدمت میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ اپریل ۱۹۶۶ء/ ۸۶-۱۳۸۵ھ میں سرطان کے موذی مرض میں مبتلا ہوئے۔ ہر چند علاج معالجہ کیا گیا مگر صحت نہ ہوئی۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۶۶ء/ ۹ر شوال ۱۳۸۶ھ کو فوت ہوئے۔ مولانا عبداللہ درخواستی صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور شجاع آباد کے قبرستان نور شاہ میں دفنائے گئے۔ ان کی رحلت پر شعرائے کرام نے تعزیتی نظمیں کہیں۔ حافظ لدھیانوی صاحب کی تعزیتی نظم ذیل میں درج کی جاتی ہے:

اے شجاع آباد تجھ میں دفن ہے — سرزمینِ پاک کا فرزندِ دیں
ملک و ملت کا تھا لاثانی خطیب — جس کا ثانی ملک میں کوئی نہیں
جس کے ہر اک لفظ میں اک سحر تھا — جس کی ہر اک بات دلکش دل نشیں
تھا رسولِ پاک کا ادنیٰ غلام — جس کا سینہ تھا محبت کا امیں
بہرِ آزادی وہ زنداں کا اسیر — صبح آزادی وہ درخشندہ جبیں
جس کا ہے احسان ساری قوم پر — چھپ گیا ہے ہم سے تابندہ نگیں
یاد آئیں گی وہ بزم آرائیاں — ہوگی کب دل سے اُٹھے گی بالیقیں
چشم نم ہے آج اس کی یاد میں — آج ہر اک قلب ہے اندوہگیں
جا ملا ہے آج اپنے شاہ سے — ہو گئی مسرور وہ روحِ حزیں
آج اُس منزل پہ جا پہنچا ہے وہ — جس جگہ سے کوئی بھی لوٹا نہیں

مطلعِ انوار ہو، اس کی لحد
ہو خدایا اُس کی تربت عنبریں[۱]
قاضی صاحب مرحوم کی اولاد میں چار صاحبزادیاں بقیدِ حیات ہیں۔



---

[۱] سوانح حیات قاضی احسان احمد شجاع آبادی ص ۹۰

خواجہ احمد میروی

حضرت خواجہ احمد میروی بن محمد برخوردار کے دادا سکھوں کے عہدِ حکومت میں ڈیرہ غازیخان میں آ گئے۔ اس علاقہ کی ایک بلوچ خاتون سے شادی کی۔ جس کے بطن سے محمد برخوردار پیدا ہوئے۔ محمد برخوردار کی شادی بھی اپنے ننھیالی خاندان میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے۔ خواجہ احمد، خواجہ محمد یعقوب۔ اور ایک بچی عائشہ عطا کی۔ خواجہ احمد بلوچستان کے علاقے میں ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴-۳۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔

محمد برخوردار، خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ (م ۷ صفر ۱۲۶۷ھ) کے مُرید تھے اور اکثر تونسہ شریف حاضری دیتے رہتے تھے۔ آخری بار تونسہ سے واپس وطن جا رہے تھے کہ تونسہ سے دو کوس مغربی جانب منگروٹھہ کے مقام پر جان، جانِ آفرین کے حوالے کی۔ وہیں مسجد بلوچ خان کے قریب دفنائے گئے۔

خواجہ احمد میروی کے والد ماجد کے اُٹھ جانے پر اُن کے ماموں علی خان نے اُن کی پرورش کی، قرآن مجید پڑھ کر تونسہ چلے گئے۔ نو سال قیام کیا اور علوم متداولہ کی اکثر کتابیں مدرسہ خانقاہ میں پڑھیں۔ بعد میں ملتان تشریف لے گئے۔ افسوس کہ ملتان کے زمانۂ قیام اور اُن کے اساتذہ کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ دورانِ طالب علمی میں "کلور" نزد عیسٰے خیل میں مولوی مملوک علی سے بھی استفادہ کیا تھا۔

علومِ مروّجہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو اپنے والد ماجد اور ماموں علی خان کی طرح خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ڈیرہ غازیخاں سے ترکِ سکونت کر کے پنڈی گھیپ سے بارہ میل جنوب مغرب "میرا" کے مقام پر اقامت گزین ہوئے۔ اُن کی آمد سے ضلع اٹک کا یہ دور افتادہ مقام اہلِ علم و طریقت کا مرجع بن گیا۔ انہوں نے یہاں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جس میں وہ خود درس دیتے تھے۔ انہوں نے تبلیغِ دین اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے علماء

کو مقرر کیا جو دور و نزدیک ان کی ہدایات کے مطابق کام کرتے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلیفہ حضرت فاضل شاہ (م ۱۲۹۰ھ) ساکن گڑھی افغاناں ضلع راولپنڈی سے اُن کے اچھے روابط تھے۔ ایک دفعہ مولانا محمد علی کھڈی (م ۱۲۵۳ھ) کے عرس پر حضرت فاضل شاہ نے انہیں بیعت کی اجازت دی۔ اس کے بعد عقیدت مندوں کو بیعت کرنے لگے لیکن تونسہ شریف میں بپاسِ ادب کسی کو مرید نہ بناتے حتیٰ کہ خواجہ اللہ بخش تونسوی (م ۱۳۱۹ھ) نے حکماً فرمایا کہ وہ لوگوں کو اپنے فیض سے محروم نہ کریں۔

ایک روایت کے مطابق جامع مسجد حنفیہ راولپنڈی کا سنگِ بنیاد، خواجہ احمد میروی نے رکھا تھا۔[1] موصوف کی شخصیت مرجع عوام و خواص تھی۔ اُن سے بے شمار افراد نے اکتسابِ فیض کیا۔ خلفاء کی تعداد بھی کافی ہے چند اہم خلفاء کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا احمد خان المعروف حضرت ثانیؒ سجادہ نشین

۲۔ مولانا بصیر احمد (بسال ضلع اٹک)

۳۔ مولانا جلال الدین معروف بہ بھگی والے

۴۔ مولانا اکبر علی (میانوالی)

۵۔ مولانا محمد فائق چشتی (گوجرانوالہ)

۶۔ مولانا حاجی فضل کریم (چکوال)

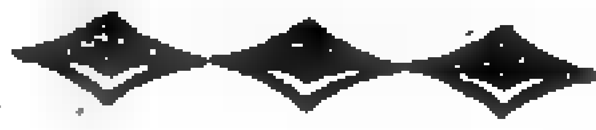
۷۔ سید محمد ایوب شاہ (شاہ پور)

---

[1] تحریر "ادیب الملک" روزنامہ جنگ (راولپنڈی) بابت ۱۶ جولائی ۱۹۷۶ء اس کے برعکس یہ روایت بھی ملتی ہے کہ "مرکزی جامع مسجد حنفیہ راولپنڈی شہر کے سنگِ بنیاد رکھنے کی سعادت سید فقیر شاہ صاحب کے حصہ میں آئی جو محلہ چوہدری گل سراج خان کی مسجد سیداں کے ایک بزرگ ضمیر الحسن صاحب سے تعلق و علاقہ رکھتے تھے" (افکار راولپنڈی ڈائریکٹری ص ۶۱)

۵ محرم ۱۳۳۰ھ / ۲۷ دسمبر ۱۹۱۱ء کو خواجہ موصوف کا وصال ہوا۔ میرا شریف میں مزار ہے۔

خواجہ میروی رح کی باکمال شخصیت کا نمایاں ترین پہلو "استغنا اور توکل علی اللہ" ہے جس زمانے میں تونسہ میں پڑھتے تھے۔ نواب بہاولپور کے وزیر احمد خان نے طلبہ کے وظائف مقرر کیے مگر انہوں نے وظیفہ لینے سے انکار کر دیا۔ سیرت کے اسی پہلو کا اظہار اُن کے وصیت نامہ کی اس شرط سے ہوتا ہے کہ "یہاں (مزار شریف) کے رہنے والے فقیروں کو چاہیئے کہ ایک جگہ بیٹھ کر خدا کو یاد کریں اور کسی دُنیادار کے دروازے پر نہ جائیں"[1]



---

[1] ایضاً

ابو محمد احمد چکوالی

مولانا ابو محمد احمد چکوالی بن غلام حسین، چکوال ضلع جہلم کے باشندے تھے۔ دار العلوم دیو بند کے فاضل، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے شاگرد اور مولانا عبید اللہ سندھی کے مخلص دوست تھے۔ مولانا سندھی کی قائم کردہ "جمعیت الانصار" کے سرگرم کارکن تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی "تحریک ریشمی رومال" میں شامل رہے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ (م ۱۳۷۷ھ) کے الفاظ میں "نہایت استقلال اور بے جگری کے ساتھ مشن کے کاروبار میں شریک رہے اور ہزاروں کو ممبر اور ہم خیال بنایا"[1] اسی سلسلے میں گرفتار ہوئے اور رہڑ ضلع انبالہ میں نظر بند رہے۔ ابتدا میں کوئی الزام ثابت نہ ہوسکا اور انہوں نے انکار کیا مگر جب حکومت کے ہاتھ میں دستاویزی ثبوت آ گئے تو انہوں نے سیاست سے کنارہ کشی کرنے کا وعدہ کیا اور رہا ہو گئے تحریک ریشمی رومال کے ایک دوسرے اہم کارکن مولانا احمد اللہ پانی پتی کے اقرارِ جرم کا سبب وہی بنے تھے۔[2]

رہائی کے بعد کشمیری بازار لاہور کی صوفی مسجد میں قیام پذیر ہوئے۔ سیاست سے مکمل طور پر دامن بچائے رہے۔ کتابوں کی تصحیح سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے تھے۔ لاہور میں ایک موٹر سے ٹکرا کر زخمی ہو گئے اور یہی زخم جان لیوا ثابت ہوئے۔

اُن کے صاحبزادے ڈاکٹر عبد القوی لقمان لاہور میں مقیم تھے۔ صاحبزادی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے عقد میں تھیں۔



---

[1] نقشِ حیات جلد دوم ص ۲۰۲ [2] ایضاً ص ۲۰۲

ابوالبرکات سید احمد قادری

ابوالبرکات سید احمد قادری بن سید دیدار علی الوری ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ میں ریاست الور میں پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کی نگرانی میں اُن کے قائم کردہ "دار العلوم قوت الاسلام" میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا عبدالکریم، مولانا ظہور اللہ، مولانا ارشاد علی الوری اور صوفی عبدالقیوم کے نام ملتے ہیں۔ درسِ نظامی کی تکمیل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کے مدرسہ اہلِ سنت و جماعت مرادآباد میں کی۔ دورۂ حدیث کے بعد سید دیدار علی الوری نے اپنے فرزند کو سندِ فضیلت عنایت کی۔ انہیں مولانا احمد رضا خان بریلوی کے زیرِ نگرانی علمی کام کرنے کا موقع ملا۔

سید دیدار علی الوری جامع مسجد آگرہ میں فرائضِ خطابت انجام دیتے تھے۔ وہ ۱۹۲۲ء میں لاہور تشریف لے آئے تو اُن کی مسندِ خطابت کو رونق بخشی۔ ۱۹۲۳ء میں سید دیدار علی نے انہیں جامع مسجد داتا گنج بخش کی خطابت کے لیے لاہور طلب کیا اور وہ آگرہ کی تمام مصروفیات ترک کر کے لاہور آ گئے۔

خطابت کے ساتھ مسجد وزیر خان میں علوم دینی کی تدریس شروع کی بعد میں وہ انجمن حزب الاحناف لاہور کے قائم کردہ دار العلوم میں مسندِ تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں اپنے استاد مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی معیت میں فریضہ حج ادا کیا۔

مولانا ابوالبرکات، حضرت علی حسین کچھوچھوی کے ارادت مند تھے اسی نسبت سے اشرفی کہلاتے تھے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق مولانا احمد رضا خان بریلوی سے سلسلۂ قادریہ میں مجازِ بیعت تھے۔

مولانا ابوالبرکات سیاسی طور پر چنداں فعال نہیں تھے مگر دینی اہمیت کے مسائل اور تحریکات میں بھرپور دلچسپی لیتے تھے۔ تحریکِ شدھی کے زمانہ میں انہوں نے اشاعتِ

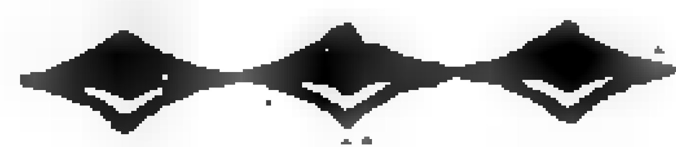
اسلام اور آریہ سماج کی تردید میں کام کیا۔ ساردا ایکٹ کے خلاف پُرزور آواز بلند کی اور تحریکِ آزادی میں "دو قومی نظریہ" کی تائید کی۔ قیامِ پاکستان کے بعد علمائے اہلِ سنت وجماعت میں اتحاد و اتفاق کے لیے کوشاں رہے۔ دارالعلوم حزب الاحناف کی مسندِ حدیث و تفسیر پر متمکن تھے کہ طویل علالت کے بعد ۲۴ ستمبر ۱۹۷۸ء/۲۱ اپریل ۱۳۹۸ھ کو وفات پائی۔ پسماندگان میں ایک بیوہ، دو صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے سوگوار چھوڑے۔ تینوں صاحبزادے سید محمود احمد رضوی، سید حبیب احمد رضوی اور سید مسعود احمد رضوی اپنی خاندانی روایات کے امین ہیں۔

مولانا ابوالبرکات کی قلمی یادگاروں میں چند تبلیغی رسائل ہیں جو انجمن حزب الاحناف کی طرف سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ ان کے علاوہ حسبِ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ فتح المبین

۲۔ مناظرہ ترنتارن

۳۔ وہابیوں کی کہانی



احمد الدین بگوی

احمد الدین بن حافظ نور حیات بن حافظ محمد شفا بن حافظ نور محمد ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے۔

اپنے بڑے بھائی غلام محی الدین بگوی کے ساتھ آٹھ سال کی عمر میں (جب کہ دسواں پارہ حفظ کر رہے تھے) حصولِ علم کے لیے دہلی کا سفر کیا۔ قرآن مجید حفظ کیا اور شرح وقایہ و مطول تک کتبِ درسی برادرِ بزرگ سے پڑھیں۔ چودہ سال دہلی میں قیام رہا۔ اُن کے تمام اساتذہ کے نام نہیں ملتے البتہ شاہ محمد اسحاق دہلوی (م ۱۲۶۲ھ) نواسہ شاہ عبدالعزیز دہلوی سے علم حدیث میں سندِ اجازت حاصل کی تھی۔

فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ لاہور اور بگہ میں قیام رہتا تھا مولانا غلام محی الدین اور ان کا دستور تھا کہ چھ ماہ ایک بھائی لاہور میں رہتا تو دوسرا گاؤں میں۔ اس طرح دونوں جگہ درس و تدریس اور افتاء و اصلاح کا کام جاری رہتا تھا۔

مولانا احمد الدین ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ با مروّت اور مشفق اُستاد تھے اگر طلبہ میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو اپنے ہاتھ سے دوا تیار کرتے اور طالبِ علم کو پلاتے تھے۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی صاحب نے رسالہ "سنان الموحدین لدفع مطاعن الملحدین" (انجمن خادم الاسلام جموں با ہتمام سلطان محمود اسسٹنٹ سیکرٹری نے لاہور سے طبع کرایا) میں مرقوم جملے "شیخ پنجاب مولانا احمد الدین مرحوم بگوی امام مسجد شاہی لاہور" سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاہی مسجد کے ۱۸۵۶ء میں واگزار ہونے پر مولوی احمد الدین اس مسجدِ شاہی کے امام مقرر ہو گئے تھے۔[۱]

---

[۱] بادشاہی مسجد لاہور ص ۴۲

مولانا احمد الدین نے جامع مسجد بھیرہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ جو آج تک "خاندانِ بگہ" کے وعظ و ارشاد کا مرکز ہے۔

پنجاب میں مولانا احمد الدین اور اُن کے برادرِ بزرگ سے اِس قدر فیض پھیلا کہ شاید ہی کوئی صاحبِ علم بلاواسطہ یا بالواسطہ ان دونوں کی شاگردی سے مستثنیٰ ہو۔ ہزارہا افراد نے صرف بہائی سے لے کر فارغ التحصیل ہونے تک اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اُن کے معروف ترین تلامذہ میں مولانا غلام رسول (م ۱۲۹۱ھ) ساکن قلعہ میہاں سنگھ، حافظ ولی اللہ لاہوری، مولوی کرم الٰہی بھیروی، مولوی غلام علی قصوری اور مولانا غلام قادر بھیروی شامل ہیں۔

۱۴ شوال ۱۲۸۶ھ/۱۶ جنوری ۱۸۷۰ء کو بھیرہ میں فوت ہوئے اور جامع مسجد بھیرہ کے متصل دفن کیے گئے۔ عجیب اتفاق ہے کہ برادرِ بزرگ مولانا غلام محی الدین بگوی سے تیرہ سال چھوٹے تھے اور تیرہ سال بعد ہی وفات پائی۔ "غفور" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

مولانا احمد الدین نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں مگر انہیں اپنی کتابوں پر نظرِ ثانی کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ مسوّدہ مکمل ہوتے ہی طلبہ اور علماء استفادہ کے لیے اُچک لیتے تھے۔ اُن کی مندرجہ ذیل کتابوں کا علم ہو سکا۔

۱۔ احمدیہ حاشیہ شرح ملّا (جامی)

۲۔ حاشیہ خیالی

۳۔ حاشیہ مطوّل

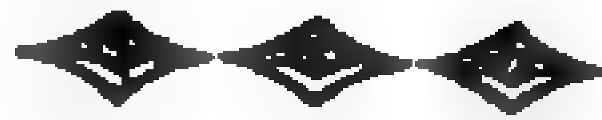
۴۔ ضیاء الصرف شرح صرف میر

۵۔ دلیل المشرکین (عربی) ۱۲۵۹ھ میں مکمل ہوئی نسخہ خطی بخطِ مؤلف عبدالحمید سواتی صاحب (ناظم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) کے پاس ہے۔ سواتی صاحب نے اصل متن مع اُردو ترجمہ "ایضاح المومنین" کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ شرک کی مختلف اقسام

بیان کی ہیں اور ان کی تردید قرآن وسنّت اور آثارِ سلف سے کی ہے۔

۶۔ مسئلہ غنا کے متعلق ایک کتاب کا ذکر "تذکرۃ الصدر" دلیل المشرکین" میں کیا ہے۔ مولانا موصوف موزوں طبع تھے۔ چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

ایا شایا لرب العرش عاصی — اتدری ما جزار ذی المعاصی!
سعیر للعصاۃ لہا ثبور — فویل یوم یوخذ بالنواصی
فان تصبر علی النیران فاعصی — والا فکن عن العصیان قاصی
و فیما قد کسبت من الخطایا — رہنت النفس فاجہد فی الخلاصی



۱؎ دلیل المشرکین ص ۲۵۹

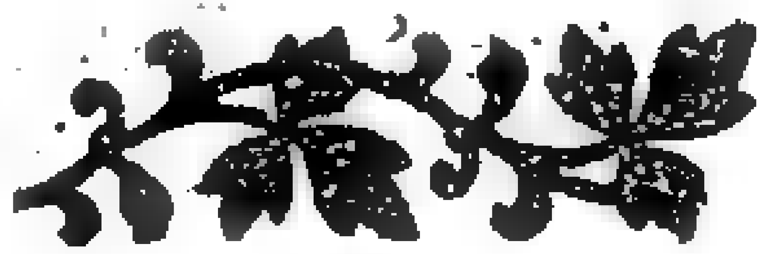
قاضی احمد الدین کرسالی

مولانا قاضی احمد الدین موضع کرسالی ضلع چکوال کے باشندے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) کے شاگردوں میں سے تھے۔ فراغتِ تعلیم کے بعد دہلی میں بیس سال تدریس کی۔ ۱۸۵۷ء/۷۴-۱۲۷۳ھ کی جنگِ آزادی میں گرفتار ہوئے اور پا بجولاں دہلی سے انبالہ لائے گئے۔ سخت اذیتوں سے گزرے۔ انبالہ جیل سے بعض دوسرے افراد کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ کچھ عرصہ روپوش رہے۔ جب حالات سازگار ہو گئے تو وطن مالوف "کرسال" آ گئے۔

مولانا قاضی احمد الدین نے کرسال میں درس شروع کیا اور آخر دم تک تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہے۔ اُن کے شاگردوں میں کئی جید عالموں کے نام ملتے ہیں۔ مولانا نور عالم ساکن کرٹی نے اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔[1]

ایک روایت کے مطابق مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) نے بھی بعض رسائلِ صرف اُن سے پڑھے تھے۔[2]

مولانا احمد الدین کی تاریخِ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔ اُن کے صاحبزادے مولانا قاضی عبدالباقی نے اُن کی علمی و دینی روایت قائم رکھی۔ مولانا عبدالباقی علمِ منطق کے ماہر تھے۔



---

[1] امیر حزب اللہ ص ۹۶ (حاشیہ)

[2] اصلاح الاخوان ص ۱۳۶

احمد الدین چکوالی

مولانا احمد الدین بن غلام حسین بن محمد احسن ۲۰ رمضان المبارک ۱۲۶۸ھ / ۸ جولائی ۱۸۵۲ء کو موضع بولہ تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "چراغِ دین" ہے اور واقعی اُن کی ذات سے دین کی روشنی پھیلی ہے۔

۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ کو اُن کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ اندرونِ ملک مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور علوم متداولہ میں درک حاصل کر لیا۔ ۱۲۹۸ھ میں بغرض حج ارضِ حجاز گئے تو مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) اور اُن کے فاضل رفقاء سے استفادہ کی غرض سے مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے۔ چند سال قیام کر کے سندِ حدیث حاصل کی۔

۱۳۰۲ھ میں واپس وطن آئے تو کراچی کے محلہ کھڈہ میں مدرسہ "مظہر العلوم" میں تدریس شروع کی۔ یہ مدرسہ اسی سال مولانا عبداللہ (والدِ ماجد مولانا محمد صادق کراچوی مرحوم) کی کوششوں سے قائم ہوا تھا۔ مدرسہ کی ترقی و بقا میں مولانا احمد الدین کے حسنِ اہتمام اور تبحرِ علمی نے بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ مدرسہ آج بھی علوم دینیہ کی اشاعت میں مصروف ہے اور بلا ریب مولینا احمد الدین کی روح اس سے خوش ہو گی۔

کچھ عرصہ کراچی میں قیام کے بعد وطن مالوف آئے تو گاؤں سے مرکزی مقام "چکوال" منتقل ہو گئے۔ جالی والی مسجد چکوال اُن کی خطابت و تدریس سے مرجع طلبہ بن گئی۔ دور دراز کے طالب علم آتے اور مولانا سے علمی استفادہ کر کے جاتے۔ بلا مبالغہ اُن کے دامنِ فیض سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا ہو گا۔ موصوف طب میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ یہی اُن کا ذریعۂ آمدنی تھا اور ایک حاذق طبیب کی حیثیت سے بھی پہچانے جاتے تھے۔

عربی، فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ تاریخ کہنے میں کمال حاصل تھا۔ ۱۳۰۸ھ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا انتقال ہوا تو مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے[1]۔

آہ زیں عینِ مصائب اقتراں — جمع اندوہ و رنج بیکراں
گشت صبر از خاطر غم دیدہ گم — ہست قولِ مثنوی شاہد براں
بشنو از نے چوں حکایت میکند — کایں نے خامہ است دل را ترجماں
وز جدائیہا شکایت می کند — با زبانِ تیز و چشم خون فشاں
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند — سخت حیرانم بدست این و آں
در فراقم مرد و زن نالیدہ اند — گریہ ام شورے دہد در حاضراں
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق — گر کنم رنجِ نہانی را عیاں
تا بگویم ذکر دردِ اشتیاق — ز انتقال قبلۂ اہلِ دلاں
حضرت مخدومنا علم الہدیٰ — فیض بخش ناکساں و ناقصاں
فخر اہل الہند فی ملک العرب — بلکہ در اسلامبول[2] از وے نشاں
در عراق و ہند و مصر و شام و روم — در فضائل گشتہ ممتاز زماں
کاشتہار الشمس فی نصف النہار — فی بسیط الارض باللطف العیاں
زیر ایں گنبد ہزار اہلِ کمال — مشتہر گشتند اما نے چناں
ماتمش یک نیست بل صد ماتم است — ظلمتے آمد عیاں اندر جہاں
فوت عالِم موت عالَم گفتہ اند — سیما آں ناکہ ناید مثل شاں
بود در دنیا چراغ دین و دل — تا کہ شیخ ملک حرمین[۱۳۰۸ھ] گشت آں
روز جمعہ بست و دوم از ماہ صوم — رفت سوئے باغ شہ یعنی جناں

---

[1] ایک مجاہد معمار ص ۱۷۔۲۰۷
[2] استانبول

غرق بادہ در سیولِ فیضِ حق — دام بالافضال فی کہف الاماں
چوں کہ الطاف جناب آمد بیاد — آں زماں بر دل رسد زخمِ گراں
زار می نالم زحالِ زار خویش — چوں ندانم چارۂ اندوہ جاں
لاجرم چوں نیست درماں غیرِ صبر — می نمایم بر دعا ختمِ بیاں
رحمۃ اللہ علےٰ اسلافہٖ — نعمۃ اللہ باد در اخلافِ شاں

گو غریب الوطن تاریخ وصال
رحمۃ اللہ لدیٰ خیر الجنان

۸ ۰ ۶ ۱۳ھ

زمانۂ تعلیم میں قرآن مجید حفظ نہ کر سکے تھے بعد میں شوق پیدا ہوا تو قلیل عرصے میں قرآن حفظ کر لیا۔ نمازِ تراویح میں خود ہی قرآن سنایا کرتے تھے۔

اُن کے والدِ ماجد خواجہ شمس العارفین سیالویؒ سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے بھی پہلے خواجہ سیالوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ۱۳۱۱ھ میں عرب و عراق کا سفر کیا۔ اس سفر میں حضرت نقیب سلیمانؒ بغدادی کے ہاتھ پر سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اُن سے خلافت حاصل کی۔

وہ ۸ رمئی ۱۹۲۹ء / ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۴۷ھ کو معمولی علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہوئے۔ چکوال میں اپنے آبائی قبرستان میں ہمیشہ کی نیند سو رہے ہیں۔[1]
مرحوم کے دو صاحبزادے تھے جو اُن کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے تھے۔



[1] تذکرہ اکابر اہلِ سنت ص ۱۲۱، ۱۲۲، ۶۴۷

قاضی احمد الدین نقشبندی

قاضی احمد الدین نقشبندی موضع عالم گڑھ متصل جلالپور جٹاں کے رہنے والے تھے۔ پابندِ شرع صوفی منش عالم دین تھے۔ اعتقاد کے اس قدر مضبوط تھے کہ فرقِ باطلہ کی کتابوں اور دوسری تحریروں کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ جلنی دیران لایعنی تحریروں پر وقت ضائع کرنا ہے۔ ذکرِ الٰہی کی حلاوت سے کیوں نہ لطف اٹھایا جائے۔

بانوے ۹۲ سال کی عمر میں ۲۰ ربیع الآخری ۱۳۵۹ھ / ۲۸ مئی ۱۹۴۰ء کو آبائی گاؤں گاؤں میں فوت ہوئے۔[1]



---

[1] پندرہ روزہ "ضیاء الاسلام" امرتسر۔ جون ۱۹۴۰ء

احمد خان میروی

مولانا احمد خان بن محمد پناہ چکڑالہ ضلع میانوالی میں ۱۲۸۷ھ/۷۱-۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ اعوان برادری کے چشم و چراغ تھے۔ بارہ سال کی عمر میں اُن کے والد کا انتقال ہوا۔ ابتدائی مکتبی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد موضع لکھوال ضلع جہلم اور پنجاب کے بعض دیہات میں مقیم رہ کر علوم مروّجہ کی تحصیل کی۔ کتب حدیث و تفسیر مولانا احمد سکندر پوری سے پڑھیں۔

خواجہ احمد میروی رح کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ انہوں نے گڑھی افغاناں (ضلع راولپنڈی) کے ایک پُر ہجوم اجتماع میں انہیں اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ ۱۳۱۴ھ سے مستقل طور پر خانقاہ میرا شریف میں مقیم ہو گئے۔ خواجہ احمد میروی نے اپنی وصیت میں لکھا تھا:

"تمام پیر بھائیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ میاں جلال الدین المعروف اُستاذ صاحب جھگی والے اوّل سے آخر تک میرے سفر و حضر میں ہمرکاب رہے لیکن اس وقت چونکہ وہ بہت کمزور ہو چکے ہیں، لنگر کے انتظام اور دیگر کاروبار کے متحمل نہیں رہے لہٰذا میں نے اپنا قائم مقام مولوی احمد خان کو کیا۔ لنگر کا تمام انتظام اُن کے ذمّے ہے۔ ادائے قرضہ و خرچہ لنگر، جنازہ گور و کفن، جو مال باقی رہے دو حصّے وارث لے لیں، تیسرے حصّے کا وارث مولوی احمد خان رہے ہے"[1]

چنانچہ میرا شریف کے سجادہ پر رونق افروز ہوئے۔ خانقاہ کے مدرسہ کو ترقی دی اور امورِ دینیہ میں مصروف ۱۲ر صفر ۱۳۵۰ھ/۸ر جون ۱۹۳۱ء کو وفات پائی۔ مولانا غلام محمد

---

[1] تحریر ادیب ملک، "روزنامہ جنگ" (راولپنڈی) بابت ۱۶ جولائی ۱۹۶۷ء

جھنڈیالوی نے ایک طویل مرثیہ لکھا جس کے آخری چند اشعار یہ ہیں:

قضائے قادرِ مطلق بہ حق کرد — وصالِ میروی با ذاتِ سبحان
دریغا رفت فیاضِ زمانہ — ہنوز از وے خلائق ماندہ عطشان
فقیر خان احمد کز کمالش — مکرم شد بہ عالم نسلِ انسان
ازیں محنت سرا رحلت گرفتہ — شدہ مجلس گزین با حور و غلمان
بہ سالِ رحلتش فکرم دعا کرد — نصیبش باد دائم "زیب غفران"

۱۳۵۰ھ

غلاما! جانِ خود برو فدا کن — کہ بود او مقتدای اہلِ عرفان

مولانا احمد خان لاولد فوت ہوئے تھے۔ ان کے جانشین مولوی عبداللہ (بھتیجے) ہوئے۔



ابوالسعد احمد خان

مولانا ابوالسعد احمد خان بن مستی خان بن ملک غلام محمد راجپوت تلوکر قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۹۵ھ / ۷۹-۱۸۷۸ء میں بکھڑا ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد ملک مستی خان زراعت پیشہ تھے مگر اپنے بیٹے کو عالم دین دیکھنے کے شائق تھے چنانچہ مولانا غلام محمد بکھڑوی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ موضع سیوان میں مولانا عطا محمد قریشی سے اور موضع بندیال (میانوالی) میں مولانا نامی سے استفادہ کیا۔ بندیال میں متوسطات تک کتابیں پڑھ کر مدرسہ شاہی مراد آباد چلے گئے۔ وہاں سے کانپور گئے۔ مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا عبیداللہ بکھڑلوی سے تکمیل تعلیم کی۔ ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ میں وطن مالوف واپس آ گئے۔

جس زمانے میں بندیال میں پڑھتے تھے۔ پیر سید لعل شاہ خلیفہ مجاز خواجہ محمد عثمان رح کے ہاتھ پر سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی۔ پیر سید لعل شاہ کی رحلت پر خواجہ محمد عثمان سے تجدید بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے پہلے تکمیل تعلیم کا مشورہ دیا۔ جب فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت خواجہ محمد عثمان دنیا سے اُٹھ چکے تھے چنانچہ تجدید بیعت خواجہ سراج الدین (موسیٰ زئی شریف) سے کی۔ خواجہ سراج الدین اُن پر ہمیشہ کرم نوازی فرماتے تھے۔ ایک بار انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "من پیری و مریدی برائے تو می کنم"[1] یعنی یہ سلسلۂ مشیخت تمہارے لیے جاری کیے ہوئے ہوں۔ بعد میں مولانا احمد خان اُن کے خلیفہ مجاز ہوئے۔

مولانا احمد خان کا آبائی گاؤں "بکھڑا" دریائے سندھ کے پانی کی زد میں تھا۔ جب کبھی دریا میں طغیانی ہوتی رہتا مالی نقصان ہوتا۔ اس لیے بکھڑا سے نقل مکانی کر کے موضع "کھوار" میں سکونت اختیار کی مگر یہ گاؤں بھی سیلاب کی زد میں تھا۔ آخر ایک

---

[1] تحفہ سعدیہ ص ۸۸

نئی بستی بسانے کا خیال پیدا ہوا اور یہ تخیل "خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں" کی شکل میں متشکل ہوا۔

خانقاہ سراجیہ مجددیہ کی تعمیر ۱۳۳۸ھ میں شروع کی گئی اور دو سال میں ضروری عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ بیس سال یہیں بیٹھ کر علمی و دینی اور اصلاحی خدمات انجام دیں۔ آخر عمر میں متعدد جسمانی عوارض لاحق ہو گئے تھے جن میں "ضیق النفس" سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ ارادت مندوں میں سے کئی حکیموں نے علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر اپریل ۱۹۴۰ء میں حکیم عبدالوہاب نابینا سے علاج کے لیے دہلی گئے۔ حکیم نابینا کے علاج سے بھی مرض کا ازالہ نہ ہو سکا۔ اس کے بعد متعدد ڈاکٹروں اور اطبا کا علاج جاری رہا۔ بالآخر کانپور کے احباب کی استدعا پر ۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو بغرض علاج وہاں تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر عبدالصمد کانپوری کے علاج سے افاقہ ہوا۔ کافی صحت یاب ہو گئے اور کلکتہ جانے کا پروگرام بنایا مگر روانگی سے ایک دن پہلے ۱۲ صفر ۱۳۶۰ھ / ۱۴ مارچ ۱۹۴۱ء کو سحری کے وقت بیدار ہوئے۔ بحالت مراقبہ تکیہ پر سر رکھا اور اسی حالت میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ میت خانقاہ کندیاں لائی گئی اور ۱۴ صفر ۱۳۶۰ھ کو تدفین عمل میں آئی۔ مولانا حکیم غلام رسول نے اردو، پنجابی، فارسی اور عربی میں قطعات تاریخ کہے۔ ایک فارسی قطعۂ تاریخ یہ ہے۔

حضرتِ ما بحکم خالقِ خود — چوں ز دُنیائے دارِ محنت رفت
قبلہ بو سعد احمدِ اکمل — قربِ حق یافتہ بہ مکنت رفت

عبدؔ تاریخ فوت باغمِ دل
گفت ہادی بدر جنت رفت[1]

۱۳۶۰ھ

---

[1] تحفۂ سعدیہ ص ۱۲۹

مولانا احمد خان کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا۔ تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، تاریخ و سیر اور تصوّف پر بیش بہا ذخیرہ کتب جمع کیا۔ کتب خانہ خانقاہ سراجیہ میں بعض نادر و نایاب کتابیں بھی موجود ہیں۔ ایک بار مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ، مولانا حسین علیؒ کی دعوت پر میانوالی تشریف لائے تو اُن کی "کتاب دوستی" اُنہیں خانقاہ سراجیہ لے آئی۔ مولانا کاشمیری نادر کتابوں کا یہ ذخیرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اُنہوں نے جو وقت کتب خانے میں گزارا۔ اسے مغتنمات زندگی میں شمار کیا۔

مولانا احمد خان نے کتابیں جمع ہی نہیں کی تھیں بلکہ ان کا بغور مطالعہ بھی کیا۔ اکثر کتابوں پر ان کی یادداشتیں اور حواشی موجود ہیں۔ اُن کی کتاب دوستی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ کتاب کا عمدہ ایڈیشن خریدتے، اعلیٰ درجہ کی مطلّا و منقّش جلد بنواتے اور کتاب کی حفاظت کا پورا اہتمام کرتے تھے۔

مولانا احمد خان مرحوم سے کوئی تصنیف یادگار نہیں۔ البتہ اُن کی صحبت میں بیٹھنے والوں نے ملفوظات قلمبند کئے ہیں۔ جو ان کے مطالعہ و تحقیق کا نچوڑ ہیں۔ "تحفۂ سعدیہ" میں اُن کے تدبّر و تفکّر کے بعض نمونے نقل کئے گئے ہیں۔

مولانا احمد خان کے ہاتھ پر ہزاروں افراد بیعت ہوئے۔ اُن کے خلفاء میں حسب ذیل نام بہت نمایاں ہیں۔

۱۔ مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی فاضل دیوبند (جانشین اعلیٰ)
۲۔ مولانا قاضی صدرالدینؒ (مجاز) بانی خانقاہ نقشبندیہ نزد ریلوے سٹیشن ہری پور۔
۳۔ مولانا مفتی عبدالغنی (مجاز) ساکن ریاست مالیر کوٹلہ۔
۴۔ مفتی محمد شفیع (مجاز) بانی مدرسہ سراج العلوم سرگودھا۔
۵۔ مولانا نذیر احمد عرشی (م ۱۳۶۶ھ) مؤلف "مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم"
۶۔ مفتی عمیم الاحسان (مجاز) ساکن ڈھاکہ۔

۷۔ مولانا سید مغیث الدین شاہ (مجاز) فاضل دیوبند ساکن چاند پور ضلع بجنور۔

۸۔ مولانا حکیم عبدالرسول (مجاز) ساکن بکھر بار ضلع شاہ پور۔

اُن کی نرینہ اولاد میں تین صاحبزادے تھے۔

۱۔ مولانا محمد معصوم۔

۲۔ مولانا محمد صادق۔ بزمانہ طالب علمی وفات پا گئے تھے۔

۳۔ مولانا محمد سعید۔



احمد دین گکھڑوی

مولانا احمد دین بن حاجی اللہ دتہ اپنے ننھیال موضع "رجھاں والا" تحصیل وزیر آباد میں ۱۹۰۰ء/۱۸-۱۳۱۷ھ میں متولّد ہوئے۔ اُنہوں نے آبائی پیشہ آہنگری میں مہارت حاصل کی مگر تعلیم کا شوق پورا کرتے رہے۔ ابتدائی فارسی کتب مولانا حکم دین گکھڑوی سے پڑھیں۔ صرف و نحو سید محمد حسین اور منطق، فقہ و حدیث کی تعلیم مولانا سلطان احمد ساکن ننت کلاں (شاگرد حافظ عبدالمنّان محدّث وزیر آبادی) سے حاصل کی۔ مولانا علاء الدین (ساکن گوجرانوالہ)، حافظ عبداللہ روپڑی اور مولانا شریف اللہ خان سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔

مولانا احمد دین اپنے ذوق کے اعتبار سے بلند پایہ مقرّر اور مناظر تھے۔ اُنہوں نے اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر دیوبندی اور بریلوی حضرات سے مناظرے بھی کئے ہیں لیکن اُن کا اصل ہدف قادیانی اور عیسائی مناظر تھے۔

مولانا احمد دین سادگی پسند اور درویش صفت آدمی تھے۔ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ/ ۱۴ر جون ۱۹۷۳ء کو گکھڑ منڈی میں فوت ہوئے اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

اُن کی حسبِ ذیل قلمی یادگاریں ہیں۔

۱۔ سیرت سیّد العالمین
۲۔ برہان الحق بجواب میزان الحق (تالیف پادری فانڈر)
۳۔ نجات الاسلام
۴۔ تقدیس سیّد الابرار

۵۔ قدامت اہل سنّت والجماعت یعنی اہل حدیث۔

۶۔ ضربات المسلمین علی راس الطاعن فی شان امہات المومنین (غیر مطبوعہ)۔ پادری ٹھاکر داس کی تالیف "امہات المومنین" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔



۱۴

سید احمد شاہ بخاری

سید احمد شاہ بخاری بن سید غلام علی شاہ بخاری ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں اجنالہ ضلع سرگودہا میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد زراعت پیشہ دیندار شخص تھے۔ دین سے محبت کا جذبہ تھا کہ اپنے بیٹے کو حفظِ قرآن کے لیے میاں سلطان احمد قریشی ساکن جلالپور ننگیانہ کے حوالے کیا۔ انہوں نے حفظِ قرآن کے بعد ابتدائی درسیات مولانا نور حسین نوشاہی اور مولانا فضل کریم بندیالوی سے پڑھیں۔ مولانا عبدالعزیز گل کوٹی مرحوم اور مولانا عطا محمد ساکن کوٹ اللہ یار سے صرف ونحو کی تحصیل کی۔ ازاں بعد انہی ضلع گجرات تشریف لے گئے۔ جہاں مولانا غلام رسولؒ اور مولانا ولی اللہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ چار سال انہی میں قیام رہا۔

۱۳۵۱ھ میں مولانا غلام رسولؒ کا انتقال ہوا تو دیوبند کے لیے رختِ سفر باندھا۔ ۱۷ شوال ۱۳۵۱ھ کو دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۲۳ رجب ۱۳۵۴ھ کو دستارِ علم اور سندِ فضیلت لے کر وطن لوٹے۔ اپنی لیاقت و ذہانت کی بنیاد پر مولانا حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ) کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو جامعہ محمدی جھنگ میں صدر مدرس مقرر ہو گئے۔ چار سال یہاں فرائضِ تدریس ادا کیے۔ اس کے بعد مدرسہ "آفتاب العلوم" (چنیوٹ) اور "ریاض الاسلام" (دگھیانہ) میں کام کیا۔

۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء میں "مدرسہ عربیہ دارالہدیٰ" چوکیرہ کی بنیاد رکھی جو ان کے انتظام و انصرام اور صدارتِ تدریس میں دینی خدمات انجام دیتا رہا۔ چوکیرہ سے پندرہ روزہ رسالہ "الفاروق" جاری کیا جو نومبر ۱۹۵۶ء/ربیع الاخریٰ ۱۳۷۶ھ سے جولائی ۱۹۵۹ء/محرم ۱۳۷۹ھ تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ "الفاروق" پنجاب کا النجم (مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ کا رسالہ) تھا۔

۱۳۸۶ھ میں چوکیرہ سے ترکِ سکونت کر کے سرگودھا آگئے۔ سیٹلائٹ ٹاؤن میں جامع مسجد فاروقِ اعظم اور "دارالعلوم فاروقِ اعظم" کی بنیاد رکھی۔ مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں ہمہ تن منہمک تھے کہ ۵ محرم ۱۳۸۹ھ/۲۴ مارچ ۱۹۶۹ء کو مختصر سی علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔[1]

مولانا سید احمد شاہ نے مولانا غلام حسن نقشبندی سجادہ نشین کہروڑ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور مولانا غلام حسن نے انہیں اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔ اُن کی وفات کے بعد شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور سلسلۂ قادریہ میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا سید احمد شاہ بخاری مرحوم سے کئی مضامین اور مندرجہ ذیل دو کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ تحقیقِ فدک۔ یہ کتاب مرحوم نے تحریک ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) کے زمانۂ اسارت میں تالیف کی تھی۔ اِس کا جواب ماسٹر منظور حسین اجنالوی نے "توثیقِ فدک بجواب تحقیقِ فدک" کے نام سے لکھا۔ مولانا بخاری مرحوم نے اپنی کتاب کی تیسری طباعت میں بطور جواب الجواب ایک ضمیمہ کا اضافہ کر دیا۔

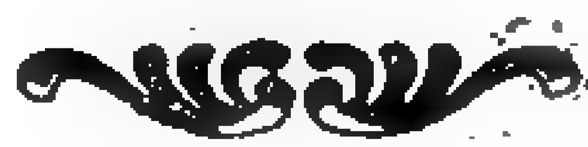
۲۔ دفع الوسواس بشرح حدیث قرطاس

مولانا مرحوم کے تین صاحبزادے ہیں جو ان کے مشن کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد قاسم شاہ صاحب

۲۔ غلام علی شاہ صاحب

۳۔ شبیر احمد شاہ صاحب



---

[1] پیش لفظ "تحقیقِ فدک" ص ۳

حافظ سید احمد علی شاہ بٹالوی

حافظ سید احمد علی شاہ بٹالوی کی ابتدائی زندگی کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ موضع کالا افغاناں ضلع بٹالہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۲۹۹ھ/۸۲-۱۸۸۱ء میں لاہور آئے۔ اُن دنوں مشن سکول لاہور کے مدرس پادری پورن چند مسیحیت کی تبلیغ میں بہت پُرجوش اور جارح تھے۔ حافظ سید احمد علی شاہ نے انہیں مناظرہ میں لاجواب کر دیا۔ مسلمانانِ لاہور نے حافظ صاحب کی تبلیغی مساعی میں دلچسپی لینا شروع کی اور وہ زبان و قلم سے پادریوں کا تعاقب کرنے لگے۔ عموماً بیرون لوہاری دروازہ اُن کا وعظ ہوتا تھا جس میں اسلام کی حقانیت اور مسیحیت کے عقائد و نظریات پر کڑی تنقید ہوتی تھی۔ انہوں نے تبلیغی رسائل کا ایک سلسلہ "دعوت الحق" شروع کیا اور پنجاب کے مختلف شہروں میں تبلیغی دورے کیے۔

اُن کی تبلیغی کوششوں اور تبحرِ علمی کے پیشِ نظر انجمن حمایتِ اسلام لاہور نے ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں انہیں اسلامیہ کالج میں لے لیا۔ "کتاب الشفا" کے ترجمہ پر اُن کا نام ان الفاظ میں درج ہے:

"جناب مولانا مولوی حافظ احمد علی شاہ بٹالوی حنفی نقشبندی چشتی نظامی پروفیسر دینیات و عربی اسلامیہ کالج لاہور"

۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں مولانا محمد شفیق بگوی شاہی مسجد لاہور کی امامت سے الگ ہو گئے تو انجمن اسلامیہ لاہور نے حافظ صاحب کو خطیب مقرر کیا۔ وہ جمعہ کے روز خطبہ دیتے تھے۔[1] پیر عبدالغفار شاہ کے قائم کردہ مدرسہ غوثیہ (تکیہ سادھواں) کے

---

[1] بادشاہی مسجد ص ۲۷

شیخ الحدیث تھے۔

حنفی مسلک کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم رہے ہیں۔ ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں جمعیت الاحناف امرتسر بنائی گئی تو اس کی مجلس انتظامیہ میں شریک ہوئے۔ ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں لاہور میں وفات پائی۔ سید دیدار علی شاہ الوری نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبرستان میانی میں سپرد خاک کیے گئے۔ ان کے ایک صاحبزادے حافظ بختیار علی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں فوت ہوئے۔

حافظ صاحب بلند پایہ حنفی عالم تھے۔ اُن کی تالیف "نصر المقلدین" پر مولانا عبد العلی آسی مدراسی نے منظوم تقریظ لکھی ہے اور ان کے علم و نظر کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ چند اشعار یہ ہیں۔

علامۂ علومِ کتاب و حدیث و فقہ — فہامۂ فہومِ اصول و فروعِ دین
نطقش پر خوش مذاق و خوش الحان و خوش بیان — ذہنش چہ بذلہ سنج و سخن فہم نکتہ بین
بر آسمانِ حکمت و طب شمسِ بازغہ — بر اوجِ علم عقلی و نقلی مہ جبیں [۱]

حافظ صاحب عربی و فارسی سے ترجمہ کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ اُن سے حسب ذیل تراجم و تصانیف یادگار ہیں۔

تراجم:

۱۔ نفحات الانس — فارسی (مولانا عبد الرحمان جامی)
۲۔ تحفۃ القلوب و ہدایۃ الارواح — " (شیخ عثمان جالندھری)
۳۔ مشکوٰۃ الانوار — عربی (امام غزالی)
۴۔ بہجۃ الاسرار — " (شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف)
۵۔ رسالہ حق نما — فارسی (دارا شکوہ)

---

[۱] نصر المقلدین

۶۔ الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ عربی (قاضی عیاض)

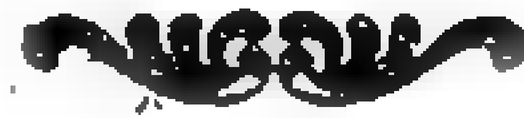
تصنیفات

۱۔ سرور الخاطر القاتر فی ہدایا شیخ عبدالقادر

۲۔ نصر المقلدین۔ اہل حدیث عالم مولانا محی الدین لکھوی (م) کی تالیف "در النافر المبین" کا جواب ہے۔

۳۔ نور الشمع فی ظہر الجمعہ

۴۔ تکملہ "ضابطہ در تحصیل رابطہ" (تالیف حافظ مشتاق احمد انبیٹھوی) مسئلہ تصور شیخ پر گفتگو کی گئی ہے۔



احمد علی لاہوری

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری بن شیخ حبیب اللہ قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ کے ایک نو مسلم خاندان میں ۲ رمضان ۱۳۰۴ھ/ ۲۵ مئی ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والدِ ماجد شیخ حبیب اللہ اپنا آبائی مذہب (ہندو مت) ترک کر کے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اُن کے قبولِ اسلام سے خاندان نے مخالفت کی تو قصبہ جلال کی سکونت ترک کر کے موضع باہو چک میں رہائش اختیار کر لی۔

مولانا احمد علی نے قرآن مجید والدہ ماجدہ سے پڑھا۔ کوٹ سعد اللہ کے پرائمری سکول میں داخل ہوئے۔ بعد میں خاندان کے موضع باہو چک آنے پر "تلونڈی کھجوروالی" کے پرائمری سکول میں پڑھنے لگے۔ ابھی نو سال کے تھے کہ اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔

مولانا عبید اللہ سندھی کی مولانا احمد علی کے خاندان سے عزیزداری تھی۔ حضرت مولانا غلام محمد دین پوری نے شیخ حبیب اللہ مرحوم کی وفات کے بعد بچّوں کی نگہداشت کے خیال سے مولانا احمد علی کی والدہ کا نکاح ثانی مولانا عبید اللہ سندھی سے کر دیا۔ یوں مولانا احمد علی مولانا سندھی کے ربیب ہونے کے ناطے اُن کے زیرِ تربیت رہے۔

مولانا سندھی نے اُنہیں امروٹ شریف کے دورانِ قیام میں ابتدائی درسی کتابیں پڑھائیں۔ وہاں سے مولانا سندھی گوٹھ پیر جھنڈا (نواب شاہ) منتقل ہوئے اور ۱۳۱۹ھ میں مدرسہ دارالارشاد کی بنیاد رکھی۔ "مدرسہ دارالارشاد" کی سب سے پہلی فارغ التحصیل جماعت میں پانچ طلبہ تھے۔ اُن میں سے ایک مولانا احمد علی تھے۔ ۱۳۲۶ھ میں اُن کی دستار بندی ہوئی۔

مولانا سندھی دارالعلوم دیوبند اور بعد میں دہلی میں مقیم رہے۔ اُن کی عدم موجودگی میں

"دارالارشاد" کا انتظام مولانا احمد علی کے ہاتھ میں رہا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا احمد علی نواب شاہ منتقل ہو گئے اور ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ یہاں ان کے ساتھیوں میں مولانا سندھی کے دو شاگرد مولانا عبداللہ لغاری اور مولانا محمد صالح تھے۔

مولانا سندھی دہلی میں "نظارت المعارف القرآنیہ" کے ذریعے قرآن کی تعلیم عام کر رہے تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کے ایما پر مولانا احمد علی کو نواب شاہ سے دہلی بلالیا۔ نواب شاہ کا دینی مدرسہ جو ابتدائی حالت میں تھا مناسب نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے دم توڑ گیا۔

نظارت المعارف القرآنیہ کی طرف سے مولانا احمد علی نے آگرہ کا تبلیغی دورہ کیا۔ پہلی عالمگیر جنگ کے زمانے میں حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں شریک ہوئے۔ اسی سلسلے میں دہلی سے گرفتار کیے گئے۔ راہوں ضلع جالندھر میں نظر بند کر دیئے گئے۔ وقتاً فوقتاً راہوں سے دہلی، شملہ، لاہور اور جالندھر کی حوالات میں منتقل ہوتے رہے۔ آخر ۱۹۱۷ء میں لاہور آ گئے اور مسجد لائن سبحان خان میں درسِ قرآن شروع کیا۔ مولانا مرحوم کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ لاہور کے ابتدائی زمانۂ قیام میں کئی کئی دن فاقہ رہتا تھا۔[لہ]

اُن کے ذریعۂ معاش کے سلسلے میں قاضی محمد عدیل صاحب کا یہ بیان قابلِ ذکر ہے کہ:

"حضرت (مولانا احمد علی) ہفتے میں ڈیڑھ دن اپنی معاش کا بندوبست کرتے تھے۔ کبھی صابن بناتے اور کبھی عربی کتابوں کی کتابت کی تصحیح فرماتے تھے۔ میں نے انہیں صابن بناتے دیکھا نہیں اس کا اہتمام شاید گھر کے اندر رہتا ہو۔ لیکن کتابت کی اصلاح میں مشغول دیکھا ہے۔ یہ کام آپ مسجد کے

لہ مردِ مومن ص ۴۶

حجرہ میں کرتے تھے۔ اس ڈیڑھ دن میں جتنی آمدنی ہوتی تھی اُسے ہفتہ بھر کھاتے تھے۔ یہ آمدنی کتنی ہوتی تھی یہ میں قطعی طور پر نہیں بتا سکتا لیکن ظاہر ہے کہ وہ بہت قلیل ہوتی ہوگی میں نے سُنا ہے کہ بعض دن پورے گھر نے صرف چنے چبا کر گزارہ کیا۔ لیکن بایں ہمہ یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کی شانِ خودداری اور فقر و استغناء کی آن میں کوئی فرق آسکے"۔[1]

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے زمانہ تلمذ (۲۴-۱۹۲۳ء) کے مشاہدات و تجربات کے پیشِ نظر لکھا کہ رمضان مبارک میں غریب مسلمانوں کے ہاں بھی کچھ نہ کچھ افطاری کے لیے اہتمام کیا جاتا ہے۔ لیکن مولانا احمد علی کے یہاں یہ اہتمام بھی نہیں ہوتا تھا۔[2]

مولانا احمد علی سیاسی تحریکوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں "تحریکِ ہجرت افغانستان" کا آغاز ہوا تو لاہور میں وہ اِس تحریک کے نگرانوں میں سے تھے۔ انہوں نے اہل و عیال سمیت افغانستان ہجرت کی۔ تحریک میں کوئی منصوبہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے مقاصد حاصل نہ ہوئے اور مہاجرین تباہ حال واپس آگئے۔ مولانا بھی واپس لاہور آگئے۔ ۱۳۴۰ھ/۲۲-۱۹۲۱ء میں انجمن خدام الدین لاہور کی بنیاد رکھی جو قرآن و سنّت کی اشاعت کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔

مولانا احمد علی نے مولانا سندھی کے طرزِ تفسیر کو پنجاب میں عام کیا۔ قرآن مجید سے اُنہیں والہانہ تعلق تھا۔ اُن کو قرآن مجید کے درس و اشاعت کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ اور ان کی روح کی غذا اور درد کی دوا بن گیا تھا۔ اُن کے نزدیک اس درس میں ناغہ کرنا گویا گناہ کبیرہ اور سخت کوتاہی تھی۔[3]

---

[1] مردِ مومن ص ۴۷

[2] پرانے چراغ ص ۱۵۶

[3] " " ص ۱۵۱

مولانا صبح کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے تھے جس میں عام لوگ شریک ہوتے تھے اور اُن کی فہم و فراست کے مطابق تعلیماتِ قرآنی پیش کرتے تھے۔ دوسرا درسِ قرآن بعد از نمازِ مغرب ہوتا تھا۔ جس میں فارغ التحصیل عالم اور جدید تعلیم یافتہ لوگ شامل ہوتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی تالیف "حجۃ اللہ البالغہ" بھی بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے۔

مولانا احمد علی کے زیرِ نگرانی "انجمن خدّام الدین" دینی و تبلیغی کاموں میں مصروف تھی سلہ اس کے علاوہ دوسری دینی اور اصلاحی انجمنوں کے کام میں تعاون کرتے رہتے تھے۔ مثال کے طور پر انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے رُکن تھے۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۲ء کو بحیثیت عالمِ دین انجمن کی جنرل کونسل میں لئے گئے۔ اس کے بعد انجمن کے کاموں میں گہری دلچسپی لیتے رہے حتیٰ کہ ۱۷ نومبر ۱۹۵۰ء کو انجمن کے نائب صدر چُنے گئے۔ اور آخر دم تک اس منصب پر فائز رہے۔ اُن کی وفات پر انجمن کے سیکرٹری نے لکھا:

> "مولانا مرحوم و مغفور ضعیف العمری اور ناتوانی کے باوجود انجمن کے اجلاسوں میں شرکت فرما کر اپنے قیمتی مشوروں سے انجمن کو مستفید فرماتے تھے۔ بالخصوص اُن مشاورتوں میں جو ردِ عیسائیت کے سلسلے میں منعقد ہوئیں مرحوم نہایت ہی انہماک کے ساتھ دیگر علمائے کرام کے ساتھ صلاح مشوروں میں حصہ لیتے۔ آپ انجمن کے سالانہ جلسوں میں بھی تشریف لاتے اور اپنے مواعظِ حسنہ سے سامعین کو فیض یاب کرتے تھے" سلہ

قیامِ پاکستان کے بعد یہاں اُٹھنے والی ہر دینی تحریک میں پیش پیش رہے۔ ۸-۹ اکتوبر

سلہ انجمن کی خدمات کے لیے ایک الگ تصنیف کی ضرورت ہے۔

سلہ مردِ مومن ص ۹۹

۱۹۵۶ء کو پاکستان بھر کے ۱۷۷ علماء کی مجلسِ مشاورت ہوئی اور انہیں بالاتفاق مرکزی جمعیت علمائے اسلام مغربی پاکستان کا صدر چنا گیا۔

مولانا احمد علی سلسلۂ قادریہ میں منسلک تھے۔ لڑکپن میں مولانا غلام محمد دین پوری سے بیعت ہوئے تھے۔ اس کے بعد مولانا تاج محمود امروٹی (م ۱۳۴۸ھ) سے استفادہ کیا۔ مولانا دین پوری کے ممتاز ترین خلیفہ تھے۔ مولانا احمد علی سے ہزاروں بندگانِ خدا نے تعلقِ ارادت قائم کیا۔ اُن کے خلفاء کی تعداد بیس سے زائد ہے[1]۔ چند نام یہ ہیں:

۱۔ حافظ محمد حبیب اللہ مرحوم (خلف اکبر)

۲۔ مولانا عبدالعزیز جالندھری مرحوم

۳۔ مولانا سیّد احمد بخاری مرحوم

۴۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی

۵۔ مولانا بشیر احمد پسروری مرحوم

۶۔ مولانا قاضی زاہد الحسینی

۷۔ مولانا عبیداللہ انور (جانشین)

۲۲ فروری ۱۹۶۲ء/۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ کو لاہور میں فوت ہوئے اور قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے۔ بوقتِ وفات تین صاحبزادے بقیدِ حیات تھے۔

۱۔ مولانا حبیب اللہ مرحوم

۲۔ مولانا عبیداللہ انور

۳۔ مولانا حمید اللہ

مولانا مرحوم کی وفات پر علماء و فضلاء نے بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا۔ شعراء نے

---

[1] دیکھئے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور ان کے خلفاء (قاری فیوض الرحمان)

بکثرت تعزیتی نظمیں اور قطعاتِ تاریخ کہے۔ مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب، کا ایک مادہ تاریخ یہ ہے۔

وصف کی صورت ہے تاریخ وصال

رہبرِ راہِ خدا احمد علیؒ

۱۳۸۱ھ

"انجمن خدام الدین"، کی طرف سے مولانا احمد علی مرحوم کی حسبِ ذیل قلمی یادگاریں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

۱۔ چونتیس رسائل۔ تبلیغی مقاصد کے لیے مختلف اوقات میں یہ رسائل لکھے جاتے رہے جو لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کئے گئے ہیں۔

۲۔ خلاصۃ المشکوٰۃ

۳۔ ترجمہ وحاشیہ قرآن مجید (قرآنِ عزیز)

۴۔ خطباتِ جمعہ (۸ جلدیں)

۵۔ مجلس ذکر کے مواعظ (۸ جلدیں)

۶۔ حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب۔

۱۹۵۵ء میں اُن کی نگرانی میں ہفت روزہ "خدام الدین"، جاری ہوا تھا جو تا حال اصلاحی و تبلیغی کام کر رہا ہے۔



مرزا احمد علی امرتسری

مولانا مرزا احمد علی امرتسری ۱۳۰۰ھ/۸۳-۱۸۸۲ء کے لگ بھگ امرتسر میں پیدا ہوئے انہوں نے ایف۔اے کا امتحان پاس کیا اور فوج کی ملازمت اختیار کر لی۔ ترقی کر کے اکاؤنٹنٹ جنرل کے عہدے پر پہنچے۔ علوم دینیہ کی تحصیل مولانا ابوالقاسم حائری سے کی تھی۔

مرزا صاحب کو بدو شعور سے دینی علوم سے دلچسپی تھی۔ فرائض منصبی سے جو وقت بچتا مطالعہ و تحقیق میں صرف کرتے تھے۔ امرتسر میں انہوں نے آریہ سماجیوں سکھوں اور عیسائیوں سے بیسیوں مناظرے کئے۔ علمائے اہل سنت سے بھی اُن کی مناظرانہ نوک جھونک جاری رہتی تھی۔ ۲۸ مارچ ۱۹۲۳ء/۱۰ شعبان ۱۳۴۱ھ کو بنگلہ شاہ جمال (ضلع گوجرانوالہ) میں مشہور اہل سنت مناظر مولانا عبدالشکور فاروقی (م ۱۳۸۱ھ) سے اُن کا مناظرہ ہوا تھا۔[1]

مرزا صاحب بلند پایہ خطیب اور مبلغ تھے۔ انہوں نے کشمیر سے دکن تک تبلیغی دورے کئے۔ لکھنؤ، نجف اور قم کے شیعہ علماء نے اُن کی قدر افزائی کرتے ہوئے اجازت نامے مرحمت کئے۔ موصوف مطالعہ و تحقیق کے رسیا تھے اور علوم اسلامیہ کے علاوہ عیسائیت، ہندومت اور بہائیت پر عمدہ ذخیرۂ کتب اکٹھا کیا تھا۔

۲ جون ۱۹۷۰ء/۲۶ ربیع الآخر ۱۳۹۰ھ کو نوّے برس سے زائد عمر پاکر لاہور میں فوت ہوئے اور حسینیہ ہال موچی دروازہ میں دفنائے گئے۔ مرحوم کی اولاد میں جناب

---

[1] ماہنامہ "النجم" (لکھنؤ) بابت شعبان ۱۳۴۱ھ ص ۳

ڈاکٹر محمد عسکری اور عابد علی مرزا صاحب کے نام ملتے ہیں۔

مولانا احمد علی صاحب چالیس پچاس کتابوں کے مصنف تھے[1] چند اہم کتابیں یہ ہیں:

۱۔ ترجمہ و حواشی قرآن مجید (اردو)

۲۔ دستور العمل اسلام

۳۔ پروازِ قیاس

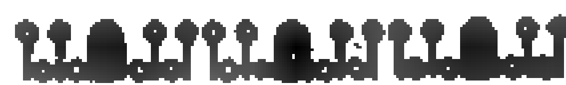
۴۔ شیعہ پاکٹ بک

۵۔ معارفِ اقبال

۶۔ تعارفِ بہائیت

۷۔ الانصاف فی الاستخلاف

مرحوم کی کوششوں سے اخبار "شیعہ" (لاہور) جاری ہوا تھا۔ اس میں بھی ان کے مضامین طبع ہوتے تھے۔



---

[1] مطلع انوار ص ۹۳

مفتی احمد یار خان نعیمی

مفتی احمد یار خان بن محمد یار خان یوسف زئی پٹھان تھے۔ اُن کے دادا منور خان اوجھیانی (بدایون) کی میونسپلٹی کے رکن تھے اور معاشرے میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مفتی صاحب کے والد ماجد دینی مزاج رکھتے تھے اور "ملّا جی" کے عُرف سے پہچانے جاتے تھے۔ انہوں نے اوجھیانی کی جامع مسجد میں برسوں خطابت کے فرائض انجام دیئے خاندان میں معاشرتی اور دینی وقار دونوں موجود تھے۔

مفتی صاحب، شوال ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ئہ میں پیدا ہوئے۔ "منظور حسین" تاریخی نام ہے اُنھوں نے والد بزرگوار کے زیرِ نگرانی قرآن مجید حفظ کیا۔ اور ابتدائی فارسی کتابیں پڑھیں۔ گیارہ برس کی عمر میں حصولِ تعلیم کے شدِ رحال کیا۔ مدرسہ شمس العلوم بدایون میں علامہ قدیر بخش بدایونی سے استفادہ کیا۔ مدرسہ کے ایک منتہی طالب علم مفتی عزیز احمد بدایونی سے بھی صرف و نحو کے چند اسباق پڑھے تھے۔ بدایون سے مینڈھو گئے جہاں کا دارالعلوم نظم و نسق اور اچھے تعلیمی ماحول کی وجہ سے مشہور تھا۔ یہاں تقریباً چار سال رہے۔ چونکہ یہ مدرسہ دیوبندی مکتبِ فکر کا تھا اس لیے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخل ہوئے۔ اسی عرصے میں علامہ مشتاق احمد کانپوری، کانپور سے جامعہ نعیمیہ میں بطور مدرّس تشریف لائے تھے۔ علامہ کانپوری معقولات کے امام تصوّر کیے جاتے تھے۔ ایک سال جامعہ نعیمیہ میں رہ کر وہ اگلے سال میرٹھ چلے گئے۔ مفتی صاحب بھی استادِ محترم کے ساتھ میرٹھ چلے گئے۔ تاہم جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں مولانا سید نعیم الدین سے سندِ حدیث حاصل کی۔

بیس سال کی عمر میں ۱۳۴۴ھ میں درسِ نظامی کی تکمیل کر کے جامعہ نعیمیہ میں مدرّس ہو

سلہ حیاتِ سالک ص ۹۹

گئے۔ جامعہ میں تدریس کے ساتھ افتاء کی ذمہ داریاں بھی ادا کرتے رہے۔ اسی زمانے میں "مفتی" کا سابقہ اُن کے نام کا جزو بنا۔ جامعہ نعیمیہ میں خدمات دینی ادا کر رہے تھے کہ دھوراجی کاٹھیاواڑ کے مدرسہ مسکینیہ کے منتظمین کے اصرار پر مولانا سید نعیم الدین نے انہیں دھوراجی بھیج دیا۔ نو برس وہاں قیام رہا۔ وہاں سے مراد آباد آئے اور ایک سال کے بعد مدرسہ خانقاہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف میں بطور مفتی و مدرس تشریف لے گئے۔

کچھوچھہ سے بھکی (ضلع گجرات) آئے اور انجمن خدام الصوفیہ گجرات کے دارالعلوم میں کام شروع کیا۔ بارہ تیرہ سال اس انجمن کے ساتھ دینی خدمات انجام دیں۔ بعد میں دوسری تنظیم "انجمن خدام الرسول" کی نگرانی میں تدریس و تبلیغ کی۔ دس سال بعد اپنے مکان پر تدریس و افتاء کا کام کرنے لگے تھے۔ ۳ رمضان ۱۳۹۱ھ/۲۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو فوت ہوئے۔ ابوالبرکات سید احمد مرحوم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور گجرات میں دفنائے گئے۔

مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی نے حسب ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے؎

آفتابِ شرع ، احمد یار خان — ذاکرِ اسمِ خدا شام و پگاہ
حاجی حرمین ہم مفتی دین ! — فاضل تفسیرِ قرآن ہم چو ماہ !
در حدیث و فقہ کس مثلش نبود — صوفیانِ اہل حق را بود شاہ
آں حکیمِ اُمتِ فخرِ رسل — یافت سوئے جنت الفردوس راہ

از شرافت سالِ ترحیلش شنو !
مخزنِ انوار ، شد مستور آہ

—————۱۹۷۱ء—————

مفتی صاحب دو قومی نظریہ کے قائل تھے اس لیے آل انڈیا مسلم لیگ کے ہمنوا تھے

سلہ حیات سالک ص ۱۴۸

خوش اخلاق، پابندِ وقت اور خندہ رو انسان تھے۔ پانچ بار فریضہ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ انہوں نے زندگی بھر مسندِ درس بچھائے رکھی۔ بلامبالغہ ہزاروں طالبانِ علم نے استفادہ کیا تھا۔ چند اہم شاگردوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مفتی محمد حسین نعیمی مہتمم جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور
۲۔ پیر سید ولایت شاہ
۳۔ مولانا غلام علی اوکاڑوی
۴۔ سید محمود شاہ گجراتی
۵۔ قاضی عبدالنبی کوکب

مفتی صاحب کی اولاد میں دو صاحبزادے مفتی مختار احمد اور مفتی اقتدار احمد ہیں۔ مفتی صاحب کے شاگرد اور سوانح نگار قاضی عبدالنبی کوکب مرحوم نے اُن کی حسبِ ذیل تالیفات کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ علم المیراث۔ مفتی صاحب کی پہلی تالیف ہے ۱۳۵۲ھ میں لکھی گئی تھی۔ اُردو کے علاوہ گجراتی میں طبع ہوئی ہے۔
۲۔ تفسیر نعیمی یہ "اشرف التفاسیر" تاریخی نام ہے جس سے ۱۳۶۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ مفتی صاحب گیارھویں پارے کے آخری ربع تک لکھ چکے تھے کہ پیغامِ اجل آگیا۔
۳۔ جاء الحق وزہق الباطل (دو حصے) ۴۔ شانِ حبیب الرحمان
۵۔ اسلامی زندگی ۶۔ سلطنتِ مصطفٰے
۷۔ دیوانِ سالک ۸۔ علم القرآن
۹۔ اسرار الاحکام ۱۰۔ رسالۂ نور
۱۱۔ رحمتِ خدا بوسیلۂ اولیاء ۱۲۔ مرآۃ اردو شرح مشکوٰۃ
۱۳۔ نعیم الباری فی انشراح البخاری (عربی غیر مطبوعہ)

۱۴۔ نورالعرفان فی حاشیۃ القرآن مع فہرس القرآن

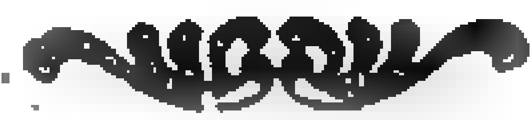
۱۵۔ مواعظِ نعیمیہ ۱۶۔ نئی تقریریں

۱۷۔ سفرنامہ ایران، عراق، حجاز و شام وغیرہ

۱۸۔ سفرنامۂ حجاز ۱۹۔ حضرت امیر معاویہ رضؓ پر ایک نظر

۲۰۔ الکلام المقبول فی طہارت نسب الرسول ۲۱۔ فتاوٰی نعیمیہ

متذکرۃ الصدر کتب کے علاوہ درسی کتابوں پر حواشی بھی یادگار ہیں۔



اسد الرحمان قدسی

سیّد ناصر الدین محمد اسد الرحمان قدسی بن مولانا حبیب الرحمان بن شاہ نجف علی ۱۲ رجب ۱۳۱۰ھ/۱۹ جنوری ۱۸۹۳ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے[۱]۔ ان کا سلسلۂ نسب شاہ ابو المکارم سبزواری کے واسطے سے حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔ شاہ ابو المکارم، شیخ عبد القدوس گنگوہی (م ۹۴۵ھ) کے خاندان میں متاہل ہوئے تھے۔ اُن کی اولاد "سادات سبزواری" کہلاتی ہے۔

سیّد ناصر الدین محمد اسد الرحمان قدسی کے دادا شاہ نجف علی، شاہ رفیع الدین محدث (م ۱۲۳۳ھ) کے خلیفہ تھے۔ اُن کی اہلیہ محترمہ، مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) کی حقیقی بہن تھیں۔ قدسی صاحب کے والد ماجد مولانا حبیب الرحمان نے اپنے ماموں مولانا گنگوہی سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ جوانی میں وسط ہند کی مشہور ریاست "بھوپال" چلے گئے اور مولوی جمال الدین مدار المہام کے خاندان میں متاہل ہو گئے۔ وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی[۲]۔

مولانا حبیب الرحمان صوفی منش بزرگ تھے اور حضرت وارث شاہ (ساکن دیوہ شریف) کے خلیفۂ مجاز تھے۔

قدسی صاحب نے اپنی والدہ مکرّمہ سے قرآن مجید پڑھا۔ سات سال کی عمر میں مروّجہ تعلیم شروع کی۔ حصولِ تعلیم کی غرض سے تقریباً سات سال لاہور میں مقیم رہے۔

۱؎ فیضانِ قدسی ص ۳۴

۲؎ نغمات، ص ۱۱

فارغ التحصیل ہوئے ہی تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ/۲ دسمبر ۱۹۱۲ء کو انتقال ہو گیا۔ والد ماجد کی مسندِ ارشاد پر متمکّن ہوئے۔ قدسی صاحب کا زیادہ وقت ریاضت و عبادت اور وعظ و ارشاد میں گزرنے لگا۔ بھوپال کی مشہور ٹیکری "منوا بھانڈ" پر چلّہ کشی کی۔ اس کے بعد "ریٹ گھاٹ" اور مسجد منشی حسین خان میں فروکش رہے۔ زہد و تقویٰ کی وجہ سے مرجع خلائق تھے۔ نواب بھوپال کے خاندان کے کئی افراد نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ حلقۂ تصوّف کے وسیع ہو جانے پر بھوپال کی بلند ترین پہاڑی پر واقع شملہ کوٹھی کے نیچے آستانہ بنایا۔ ارادت مندوں کے قیام کے لئے عمارات تعمیر کرائیں اور ایک خوبصورت مسجد بنوائی۔ قیام پاکستان کے دو سال بعد یہ سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔

قدسی صاحب آغاز میں بولان ہوٹل کراچی میں ٹھہرے۔ وہاں سے حیدر آباد کالونی (کراچی) میں منتقل ہوئے۔ ڈیڑھ سال بعد کراچی سے لاہور آ گئے۔ چار سال لاہور میں رہ کر بہاول پور گئے۔ کچھ عرصہ کوٹری میں مقیم رہے۔ آخر کار چکوال شہر سے آٹھ میل کے فاصلے پر بھون نامی قصبہ میں ڈیرے ڈالے۔ وہیں دینی و علمی کام کرتے ہوئے ۲۴ نومبر ۱۹۷۷ء/۱۲ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ کو جان، جانِ آفرین کے حوالے کی۔

قدسی صاحب کو مختلف سلاسلِ طریقت میں اجازتِ بیعت حاصل تھی۔ ابتداء میں انہوں نے اپنے والدِ ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ بعد میں شاہ محمد سلیمان پھلواروی (م ۱۳۵۴ھ) سے سلاسلِ اربعہ میں خلافت حاصل کی۔ اسی طرح اُنہیں مصر و ممالکِ مغربیہ کے شیخ المشائخ سید مصطفیٰ مرحوم سے مغربی سلاسلِ طریقت (بکتاشیہ، مولویہ، رفاعیہ و شاذلیہ وغیرہ) میں اجازتِ بیعت حاصل تھی۔ ۱۹۴۰ء/ ۱۳۵۹ھ کے سفرِ حج میں سیّدہ حمزہ رفاعی شیخ المدینہ سے بھی اُنہوں نے استفادہ کیا تھا۔

برصغیر کے اہلِ علم سے قدسی صاحب کے مخلصانہ روابط تھے۔ مولانا اشرف علی

تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) اُنہیں "ولی الاشرف" کہا کرتے تھے۔ اسی طرح شاہ محمد سلیمان پھلواروی نے اُنہیں "حبیب الاولیاء" کا لقب دیا تھا۔[1] علامہ اقبال بھوپال گئے تو اُن کے آستانہ "ثمرستانِ عبید" حاضر ہوئے تھے اور حسبِ ذیل قطعہ کہا تھا۔

چشمۂ فیض تشنہ لب کے لئے
مرکزِ رُشد بہرِ اہلِ صفا
کوئی سمجھے تو ہے مقامِ قدس
آستانہ جنابِ قدسی کا

ایک روایت کے مطابق علامہ اقبال نے "شکوہ" لکھنے کے بعد "جوابِ شکوہ" قدسی صاحب کی تحریک اور اُن کی خواہش کے احترام میں لکھا تھا۔[2]

قدسی مرحوم بلند پایہ صوفی، صاحبِ مطالعہ عالم اور قادر الکلام شاعر تھے۔ اُن سے کم و بیش تیس[30] کتابیں یادگار ہیں۔ اُن میں سے کچھ یہ ہیں؛

۱۔ علم بیان (تصوّف)
۲۔ صراطِ مستقیم
۳۔ علم و عرفان
۴۔ اطمینانِ قلب
۵۔ الحبیب
۶۔ نامۂ قدسی
۷۔ کشکولِ قلندری
۸۔ نقوشِ ماضی
۹۔ منہاج المبین
۱۰۔ جہاں نما
۱۱۔ لطائف سبحانی
۱۲۔ نعمتِ عظمیٰ

---

[1] فیضانِ قدسی ص ۳۴

[2] اقبال اور بھوپال ص ۱۶

۱۳۔ شرعۃ المتین (صحیح ترین احادیث شریفہ کا عام فہم سلیس ترجمہ)

۱۴۔ نغمات (مجموعہ کلام) ۱۵۔ رباعیاتِ قدسی (مجموعہ کلام)

قدسی مرحوم کے کلام میں تغزّل اور زبان و بیان کی پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں زیادہ تر مضامینِ تصوّف ہی بیان کئے ہیں "نغمات" کے چند شعر یہ ہیں:

اِس عالمِ ہستی میں قدسی مجبور بھی ہے مختار بھی ہے
یوں جانیے جیسے اک قیدی آزاد ہو حدِ زنداں میں

برقِ جمال کی چمک دردِ جگر میں آگئی!
کون یہ مسکرا دیا قصۂ جانگداز پر

جلووں کی فراوانی آنکھوں میں سمائی ہے!
آخر میں چھپاؤں گا اندازِ جنوں کب تک۔



اصغر علی روحی

مولانا اصغر علی روحیؔ بن مولانا قاضی شمس الدین بن میاں پیر بخش بن رکن الدین ۱۲۸۴ھ/ ۶۸-۱۸۶۷ء میں موضع کٹھالہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ مولانا قاضی شمس الدین اپنے علاقے کے نمایاں علماء میں سے تھے۔ مولانا روحیؔ کا بچپن تھا کہ اُن کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا۔

مولانا روحیؔ ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور آ گئے۔ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کیے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ) مولانا عبداللہ ٹونکی (م ۱۳۳۸ھ) اور قاضی ظفر الدین جیسے فضلائے وقت شامل ہیں۔ اورینٹل کالج سے ایم۔ او۔ ایل کی سند بھی حاصل کی تھی۔

۱۰-۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے شعبۂ عربی و علوم اسلامیہ میں بطور لیکچرار کام شروع کیا اور زندگی کا بہترین حصہ کالج میں گزارا۔ ۱۹۴۱ء میں سبکدوش ہوئے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور (جو کالج کا انتظام چلا رہی تھی) نے مولانا روحیؔ کی علمی و تدریسی خدمات کے پیش نظر چار سو روپیہ ماہانہ مشاہرہ تاحیات مقرر کر دیا۔ مولانا روحیؔ علمی و دینی سرگرمیوں میں مصروف ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء میں فوت ہوئے۔ اُن کی آخری آرام گاہ کٹھالہ میں مسجد سے ملحق اور سڑک کے کنارے واقع ہے۔ مرحوم کے فرزند ڈاکٹر صوفی ضیاء الحق جیّد عالم اور صاحب نظر اُستاد ہیں۔

مولانا روحیؔ نے مندرجہ ذیل کتب لکھی ہیں:

۱۔ رسالہ سیطرۃ الاسلام علی النصاریٰ اللئام	(مطبوعہ - ۱۳۲۰ھ)
۲۔ امیر الکلام من کلام الامام	(" - ۱۳۲۲ھ)
۳۔ شرح قصیدہ بُردہ	(" - ۱۳۲۶ھ)
۴۔ ترجمہ نصیحت التلمیذ (امام غزالی)	(" - ۱۳۲۷ھ)

۵۔ الآیۃ الکبریٰ فی شرح الاسماء الحسنیٰ (مطبوعہ - ۱۳۲۹ھ)

۶۔ الجفاء الوفاء - حافظ ابن قیم جوزیہ حنبلی دمشقی کی تالیف "الجواب الکافی لمن سئل عن الدواء الشافی معروف بہ الداء والدوا کا اُردو ترجمہ (مطبوعہ - ۱۳۳۱ھ)

۷۔ مانی الاسلام (دو جلد) (" - ۱۳۵۰ھ)

۸۔ دبیر عجم در فنِ بلاغت - فارسی (" - ۱۳۵۵ھ)

۹۔ العروض والقوافی (" - ۱۳۵۵ھ)

۱۰۔ ارمغانِ احباب - فارسی قصیدہ (" - ۱۳۹۵ھ)

۱۱۔ تفسیر روحی - سورۂ یٰسین کی تفسیر (" - ۱۳۹۶ھ)

۱۲۔ حکمتِ بالغہ - امام غزالی کے ایک مکتوب بنام سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی کا اُردو ترجمہ (مطبوعہ - س - ن)

۱۳۔ تجلیات - شرح اشارات بو علی سینا

مندرجہ ذیل کتب منتظرِ اشاعت ہیں:

۱۴۔ تفسیر پارہ تبارک الذی و عم

۱۵۔ خطبات (عربی)

۱۶۔ دیوانِ فارسی

۱۷۔ دیوانِ عربی

مولانا روحی نے ۱۹۰۲ء میں ایک وقیع دینی ماہنامہ "الہدیٰ" جاری کیا تھا جو تقریباً دو سال اُن کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ اس میں اُن کے کئی مضامین طبع ہوئے جو یکجا نہیں ہوئے۔ مولانا روحی عربی اور فارسی کے اچھے شاعر بھی تھے۔

افتخار احمد بگوی

مولانا افتخار احمد بگوی بن مولانا نصیر الدین بگوی خانوادۂ بگویہ کے چشم و چراغ تھے۔ ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ / ۵ ستمبر ۱۹۱۹ء کو محلہ پراچگان بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے ددھیال کی علمی و دینی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ ننھیال میں اُن کے نانا مولانا غلام رسول چاوی بلند پایہ فقیہ تھے۔

مولانا افتخار احمد ابھی دو سال کے تھے کہ ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ ذرا بڑے ہوئے تو مولانا نصیر الدین انہیں سمندری ضلع فیصل آباد لے گئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی دینی تعلیم کے لیے مدرسہ عزیزیہ بھیرہ میں داخل ہوئے۔ دار العلوم خانقاہ سراجیہ کندیاں اور جامعہ عباسیہ بہاول پور میں بھی چند سے قیام رہا۔ جامعہ عباسیہ میں مولانا غلام محمد گھوٹوی سے اکتساب فیض کیا تھا۔ ۱۹۳۸ء کے لگ بھگ جامعہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا اور دو سال بعد سندِ فضیلت حاصل کی۔

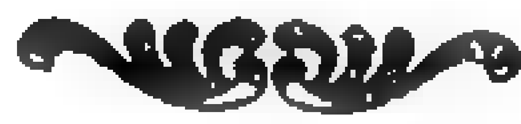
فارغ التحصیل ہو کر وطن آئے اور مدرسہ عزیزیہ بھیرہ میں تدریس شروع کی ۱۹۴۲ء میں "مرکزی حزب الانصار بھیرہ" کے کارکنوں نے وار برٹن ضلع شیخوپورہ میں "حزب الانصار" کی شاخ قائم کی اور ایک دینی مدرسے کی داغ بیل ڈالی۔ مدرسہ کے اہتمام و انصرام اور تدریس کے لیے وار برٹن تشریف لے گئے۔ ۱۹۴۵ء میں مولانا ظہور احمد بگوی کی وفات پر باتفاق رائے اُن کے جانشین اور مرکزی حزب الانصار کے امیر مقرر ہوئے۔

مولانا افتخار احمد نے تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ دین اور مسلمانوں کی خدمت اُن کی زندگی کا مقصد تھا۔ بھیرہ کے عوام کی عمومی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں انہوں نے فعّال کردار ادا کیا اور چھ ماہ پسِ دیوارِ زنداں رہے۔

انہوں نے مسجد شیر شاہی بھیرہ کی مرمت کرائی اور اس میں قابلِ قدر اضافے کیے۔ مدرسہ عزیزیہ کے ساتھ جدید تعلیم کا انتظام کیا۔ ۱۹۶۰ء میں اسلامیہ ہائی سکول کی بنیاد رکھی، جو بفضلِ خدا علم کی روشنی پھیلا رہا ہے۔

مولانا افتخار احمد، مولانا ابوالسعد احمد خان مرحوم سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے مسلکِ اعتدال و اصلاح پر کاربند رہے تاہم فرقِ باطلہ کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ تین بار فریضۂ حج ادا کیا۔

تقریباً تیس سال ماہنامہ "شمس الاسلام" اُن کی نگرانی میں شائع ہوتا رہا۔ سینکڑوں علمی و اصلاحی مضامین اُن کے رشحاتِ قلم میں سے ہیں جو ترتیب و تدوین کے منتظر ہیں۔ اٹھاون سال کی عمر میں ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ / ۱۳ دسمبر ۱۹۷۵ء کو بعارضۂ قلب لاہور میں فوت ہوئے۔ دوسرے روز بعد از نماز عید اضحیٰ خانقاہ بگویہ میں دفنائے گئے۔ اُن کی اولاد میں پانچ صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے ہیں۔ صاحبزادہ ابرار احمد بگوی اُن کے جانشین ہیں۔



خواجہ اللہ بخش تونسوی

خواجہ اللہ بخش بن خواجہ گل محمد بن خواجہ محمد سلیمان تونسوی ماہ ذی الحجہ ۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۶ء میں تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے "زہے بیدار بخت" سے سالِ ولادت برآمد ہوتا ہے۔

خواجہ اللہ بخش نے مولوی محمد امین سے علوم متداولہ کی تحصیل کی تصوّف کی بعض کتب اپنے جدامجد خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے پڑھیں تکمیلِ علوم کے ساتھ ساتھ اپنے جدامجد کے ہاتھ پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کی۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی رحلت پر اُن کے جانشین ہوئے۔

خواجہ اللہ بخش نے سلسلۂ چشتیہ کے احیاء و ترویج میں بہت کام کیا۔ ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ اس سفر میں اُنہوں نے حرمین شریفین کے علماء و مشائخ سے رابطہ قائم کیا۔

خواجہ صاحب کو تعمیرات کا بہت شوق تھا اُنہوں نے تونسہ میں زائرین اور طلبہ و فقراء کے آرام و آسائش کے لئے متعدد عمارتیں تعمیر کرائیں۔ تونسہ کی عالیشان مسجد مہمان سرائے، مسافر خانے اور حوض وغیرہ اُن کی نگرانی میں تعمیر ہوئے تھے۔

خواجہ صاحب نے فتنۂ قادیانیت کا محاسبہ کیا اور پنجاب میں اس فتنے کو برگ و بار پھیلانے سے روکنے کے لئے کوشاں رہے۔ مذہبی و اصلاحی خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ/ ۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء کو جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ مصرعہ تاریخی ہے:

چراغِ جہاں بجھ گیا ہے!

۱۳۱۹ھ

خواجہ اللہ بخش کے تین فرزند تھے:

۱۔ خواجہ حافظ محمد موسیٰ (جانشین) ۲۔ حافظ احمد

۳۔ حافظ محمود

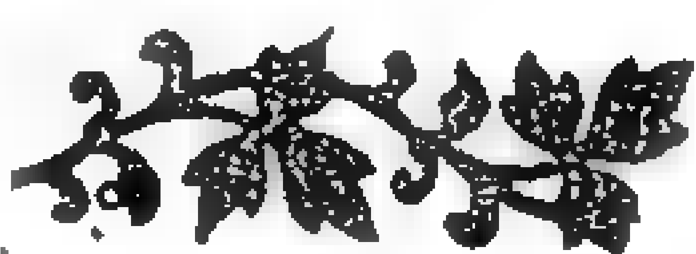
خواجہ اللہ بخش تونسویؒ سے ہزاروں افراد نے اکتسابِ فیض کیا۔ اُن کے خلفائے مجازین سے حسبِ ذیل نام بہت اہم ہیں:

۱۔ خواجہ احمد میروی ۲۔ مولانا غلام محی الدین مکھڈی

۳۔ خواجہ محمد الدین سیالوی ۴۔ خواجہ امیر احمد بسالوی

۵۔ خواجہ حافظ محمد موسیٰ (فرزند و جانشین)

۶۔ خواجہ حافظ محمود (" ")



اللہ بخش بہاول نگری

مولانا اللہ بخش ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء؁ میں بمقام لکو بودلہ ضلع بہاول نگر میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباؤ اجداد قصبہ منچریاں (ضلع ساہیوال) سے ترکِ سکونت کر کے ضلع بہاول نگر گئے تھے۔

مولانا اللہ بخش نے ابتدائی تعلیم مولانا کرم الدین سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لئے دہلی گئے۔ تکمیل کے بعد جوہری بازار (دریبہ کلاں) کی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے۔

۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰-۱۸۹۹ء میں مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) کے خلیفہ مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری (م ۱۳۳۷ھ) سے بیعت ہوئے۔ حضرت رائے پوری کے بلند مرتبہ خلفاء میں سے تھے۔

مولانا اللہ بخش کے مزاج میں اتباعِ سنّت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ علاقہ بہاول نگر میں اصلاحِ رسوم اور اشاعتِ تعلیم میں عمر گزاری۔ ۱۳۳۵ھ/۱۷-۱۹۱۶ء میں چاہ جنڈ والہ (بہاول نگر کے شمال مغربی جانب پون میل کے فاصلہ پر ایک بستی) میں "مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ انوار الہدایت" کی بنیاد رکھی جو رجب ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء تک چل رہا تھا۔[۵۲]

---

[۵۱] صاحب "ذکر کرام" (تالیف ۱۳۵۶ھ) نے لکھا ہے کہ "ساٹھ برس کے قریب عمر میں وفات پائی" (ص ۲۲)

[۵۲] ایضاً ص ۲۲

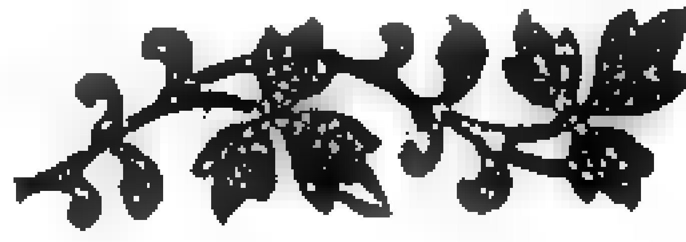
مولانا اللہ بخش ۱۰ رجب ۱۳۵۲ھ/ ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو فوت ہوئے اور دین پور میں دفنائے گئے۔ اُن کے خلفاء یہ ہیں:[۱]

۱۔ مولانا عبدالرحمان (فرزند و جانشین) ۲۔ غلام محی الدین شاہ ہمدانی

۳۔ حافظ نظام الدین ۴۔ چوہدری عالم خان

۵۔ مولانا خدا بخش فدائی ۶۔ مولانا عبدالحکیم

۷۔ حافظ محمد رمضان



---

[۱] احوال العارفین ص ۱۷۱

ابوالفتح اللہ بخش

مولانا اللہ بخش بن مولانا فضل احمد بن سید رسول ۲۸ محرم ۱۳۴۸ھ/۱۲ جون ۱۹۲۹ء کو موضع شادیہ ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کی نگرانی میں قرآن مجید حفظ کیا اور مقامی سکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ درسِ نظامی کی ابتدائی درسیات بوتحیل (میانوالی) میں مولانا حافظ محمد احمد مرحوم سے پڑھیں۔ بعد میں دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں حافظ عطا محمد چشتی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ درسِ نظامی کی آخری چند کتب اور دورۂ حدیث مولانا سردار احمد فیصل آبادی سے پڑھا اور ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء میں سندِ فراغ حاصل کی۔

تکمیلِ علوم کے بعد ایک سال مدرسہ احسن المدارس راولپنڈی اور ایک سال جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں مدرس رہے۔ ۱۹۵۹ء/۱۳۷۸ھ میں واں بچھراں گئے اور جامع مظفریہ میں بطور خطیب و مدرّس کام شروع کیا۔ وہیں ۲۲ ستمبر ۱۹۷۴ء/۵ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ کو دل کا دورہ پڑنے سے فوت ہوئے۔

خواجہ نظام الدین تونسوی سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے اور اپنے گروہی مسلک پر سختی سے کاربند تھے۔ مسئلہ علمِ غیب اور بعض دوسرے فروعی مسائل میں دیوبندی علماء سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔ ایسے ہی ایک مناظرے میں مولانا سردار احمد فیصل آبادی نے انہیں "ابوالفتح" قرار دیا تھا۔



حافظ سید الٰہی بخش نوشاہی

حافظ سید الٰہی بخش بن حافظ سید نور اللہ شاہ نوشاہی ۱۱۸۲ھ/۶۹-۱۷۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدِ ماجد رسول نگر کے منصبِ افتاء پر فائز تھے۔ حافظ سید الٰہی بخش نے علومِ متداولہ کی تحصیل والدِ ماجد اور دوسرے اساتذہ سے کی۔ فنِ طب میں مہارت رکھتے تھے۔

سید حافظ نور اللہ نوشاہی سے سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ میں بیعت تھے۔ اُن کی وفات پر اُن کے جانشین ہوئے۔ سید فتح الدین (م ۱۲۲۷ھ) بن سید محمد عظیم نوشاہی سے بھی فیضِ صحبت حاصل کیا تھا۔

۷ رمضان ۱۲۵۳ھ/۵ دسمبر ۱۸۳۷ء کو فوت ہوئے "مظہرِ حق" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔ مزار ساہن پال ضلع گجرات میں ہے۔

حافظ سید الٰہی بخش سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ روضۃ الزکیہ فی حقائق العلیہ۔ صاحبزادہ سید شرافت نوشاہی صاحب نے اُن کی بیاض اِس نام سے مرتب کی ہے جو مختلف علوم و فنون پر اُن کا حاصلِ مطالعہ ہے۔

۲۔ مفتاح العلاج

حافظ سید الٰہی بخش کی اولاد میں تین صاحبزادے تھے:

۱۔ حافظ سید تقی احمد نوشاہِ ثانی (م ۱۲۸۶ھ)

۲۔ سید غلام احمد المعروف بوٹے شاہ (م ۱۳۱۸ھ)

۳۔ سید فیض احمد المعروف ککّن شاہ (م ۱۳۳۴ھ)



امام الدین رائے پوری

مولانا امام الدین بن مولانا کرم الٰہی چک عادل ضلع سیالکوٹ کے مقام پر ۶۷-۱۸۶۶ء/ ۸۴-۱۲۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی اور تکمیلِ علوم مولانا محمد شریف کوٹلوی سے کی۔ فارغ التحصیل ہوئے تو "رائے پور اعواناں" (ضلع سیالکوٹ) میں مقیم ہو کر دینی و تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں پیر جماعت علی شاہ علی پوری کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہوں نے خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔ مولانا امام الدین نے پیر صاحب کے ہمراہ برصغیر کے مختلف علاقوں میں تبلیغی دورے کیے۔ فتنۂ ارتداد کے زمانے میں راجپوتانہ اور یو۔پی کے اکثر اہم مقامات پر وعظ و تبلیغ کے لیے جاتے رہے۔

مولانا امام الدین بلند پایہ خطیب اور کامیاب مناظر تھے۔ سیالکوٹ کے زمانۂ قیام میں جامع مسجد متصل گھنٹہ گھر میں خطبۂ جمعہ و عیدین دیتے تھے اور ماہنامہ "انوار الصوفیہ" (سیالکوٹ) مرتب کرتے تھے۔ انہوں نے فرقِ باطلہ، قادیانیوں اور آریہ سماجیوں سے بکثرت مناظرے کیے۔

تین بار فریضۂ حج ادا کیا۔ پابندِ شرع، اتباعِ سنت میں مستعد اور تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ۸ رشعبان ۱۳۷۳ھ / ۱۲ اپریل ۱۹۵۴ء کو فوت ہوئے۔ سید حافظ محمد حسین علی پوری نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور رائے پور اعواناں کی مسجد کے صحن میں دفنائے گئے۔



امام الدین کوٹلوی

مولانا ابوالیاس امام الدین قادری بن مولانا عبدالرحمان کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ کے ایک صاحبِ علم خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے اپنے برادرانِ بزرگ سے علمی استفادہ کیا تاہم اُن کے زمانۂ تعلیم کے بارے میں تفصیلات نہیں ملتیں۔

اُن کے دونوں بڑے بھائی مولانا عبداللہ کوٹلوی اور مولانا محمد شریف کوٹلوی کو مولانا احمد رضا خان بریلوی سے خلافت حاصل تھی۔ انہیں بھی شوال ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خان نے اجازتِ حدیث اور سلسلہ قادریہ میں سند عطا کی۔

مولانا امام الدین، پنجابی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور علمی مضامین کو خوبی سے نظم میں ادا کر دیتے تھے۔ انہوں نے نزاعی اور فروعی مسائل پر زورِ قلم صرف کیا ہے۔

۱۹ ربیع الآخر ۱۳۸۱ھ/ ۳۰ ستمبر ۱۹۶۱ء کو فوت ہوئے اور وطن مالوف میں دفنائے گئے۔ مرحوم کے قلمی آثار میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ نصرۃ الحق (منظوم پنجابی۔ تالیف ۱۳۲۸ھ)

۲۔ اغتباط النظر

۳۔ ہدایۃ الشیعہ (اُردو۔ دو حصے)

۴۔ الذکر المحمود فی بیان المولد المسعود[1]

---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۸۳۔۸۶

قاضی امام بخش شیروی

قاضی امام بخش بن پیر بخش بن قاضی احمد یار بن نور محمد خان بن محمد اسماعیل خان افغانوں کے علیلے زئی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے جدِ اعلیٰ محمد اسماعیل خان (م ۱۱۷۳ھ) فرغانہ سے ہجرت کر کے جام پور آئے۔ بعد میں موضع "شیرو[1]" ضلع ڈیرہ غازی خان میں مقیم ہو گئے۔

قاضی امام بخش کے خاندان میں بہ کثرت علماء پیدا ہوئے۔ محمد اسماعیل خان جیّد عالم تھے۔ اُن کے فرزند مولانا نور محمد خان بھی علمی روایات کے امین تھے۔ قاضی احمد علاقے کے عہدۂ قضا پر فائز تھے۔ اُنکے اکلوتے فرزند پیر بخش تھے جو کھیتی باڑی کرتے تھے اور یکم رمضان ۱۳۱۵ھ / ۲۴ جنوری ۱۸۹۸ء کو فوت ہوئے تھے۔

قاضی امام بخش اندازاً ۵۸-۱۸۵۷ء / ۱۲۷۴ھ میں پیدا ہوئے[2] اُنہوں نے ڈیرہ اسماعیل خان میں مولوی فقیر محمد کے سامنے زانوئے تلمّذ کیا اور فارغ التحصیل ہوئے علومِ دینیہ کے ساتھ فنِ طب میں مہارت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس کا شغل اپنایا۔ فارغ اوقات میں مطب کرتے تھے۔ اُن کے مطب میں لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ غرباء اور مساکین کا علاج مفت کرتے تھے۔ بعد میں اپنی فہم و بصیرت اور علم و نظر کے پیشِ نظر علاقے کے گرد و نواح

---

[1] "شیرو" کا پرانا قصبہ دریائے سندھ کی طغیانی کی وجہ سے ۱۹۵۳ء میں تباہ ہو گیا تھا۔ اب اسی نام کی بستی دریائے سندھ سے دو میل جانبِ مغرب آباد ہے۔

[2] مقدمہ باغ و بہار ص ۲۱

قاضی اور سیشن جج کی عدالت پر اسیسر بنائے گئے۔

قاضی امام بخش نے ابتدائی زندگی فارغ البالی میں گزاری مگر بعد میں تنگ دستی اور مفلوک الحالی کا زمانہ رہا اور اسی آخری زمانے میں تصنیف و تالیف کی طرف راغب ہوئے۔ موصوف خلوت پسند، درویش منش اور نام و نمود سے گریزاں تھے۔ جب وہ قاضی بنائے گئے اور لوگوں نے اس نسبت سے پکارنا شروع کیا تو انہیں شرم محسوس ہوتی تھی۔[۱]

قاضی صاحب قادری سلسلے میں ایک بزرگ شیخ خدا بخش بن شیخ محمد اشرف مانک پوری (مظفر گڑھی) سے بیعت تھے۔ اُن کے بارے میں ایک نظم میں کہتے ہیں:

زاہد و عابد، مجاہد روز و شب — در قوانین شریعت پُر ادب
مردِ حق، کامل، مکمل، متقی — بود اندر بندگیٔ ایزد قوی
عادتش قرآن خوانی بے شمار — عاجز و مسکین را خدمت گزار
روز و شب در یادِ حق خاطر قوی — شوقِ وافر، ذوقِ خواندن مثنوی
گمرہاں را راہِ حق بنمود آں — رونقِ اسلام را افزود آں[۲]

قاضی صاحب ۸ رمضان ۱۳۴۵ھ/ ۱۳ مارچ ۱۹۲۷ء کو فوت ہوئے۔ اُن سے فارسی، اُردو اور پنجابی میں کتابیں یادگار ہیں۔ عمدہ شعری ذوق رکھتے تھے اور "امام" تخلص کرتے تھے۔ اُن کی حسبِ ذیل کتابیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار (فارسی، مطبوعہ)

صوفیائے کرام کا تذکرہ ہے اور دس چمنوں میں منقسم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام

---

[۱] حدیقۃ الاسرار ص ۳۱

[۲] " ص ۲-۳

سے لے کر قاضی صاحب کے صاحبزادوں تک تیرہ سو سے زائد افراد کا تذکرہ ہے۔

۲۔ قصہ مرزا صاحباں (پنجابی منظوم۔ غیر مطبوعہ[۵۱])

۳۔ قصہ باغ و بہار (پنجابی منظوم۔ مطبوعہ)

میر امن دہلوی کی تالیف "باغ و بہار" (اردو) کا منظوم پنجابی ترجمہ ہے۔ پہلی بار مطبع الٰہی آگرہ سے ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں طبع ہوا۔ دوسری بار جناب اقبال صلاح الدین نے تحقیق و تحشیہ کے ساتھ مرتب کیا اور ۱۹۷۳ء/۱۳۹۳ھ میں لاہور سے طبع ہوا۔

اُن کی حسب ذیل کتابوں کا کوئی نسخہ محفوظ نہیں رہ سکا۔

۴۔ شاہنامہ (فارسی منظوم)

۵۔ قصہ سوہنی مہینوال (پنجابی منظوم)

۶۔ امام اللغات (فارسی۔ پنجابی)

قاضی امام بخش مرحوم نے تین شادیاں کیں۔ پہلی اہلیہ سے قاضی غلام قادر اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ دوسری اہلیہ سے دو بیٹے عبدالخالق، عبدالواحد اور ایک بیٹی ہوئی۔ تیسری اہلیہ سے کوئی اولاد نہیں تھی۔

عبدالخالق، عبدالواحد اور اُن کی حقیقی بہن اپنے والد کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔

قاضی غلام قادر سے سلسلۂ اولاد چلا[۵۲]



---

۵۱ کتب خانہ قاضی محمد اکرام ساکن شیرہ میں محفوظ ہے۔

۵۲ مقدمہ باغ و بہار ص ۲۵-۲۹ (ملخص)

ابو یحییٰ امام خان نوشہروی

ابو یحییٰ امام خان نوشہروی[1] سوہدرہ کی ککے زئی برادری کے چشم و چراغ تھے۔ ابھی بچے تھے کہ اُن کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا۔ اُن کا ننھیال تقریباً تمام مسلکِ اہلِ حدیث پر عامل تھا اس لیے اُنہوں نے حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے مدرسہ میں مولانا عمر الدین سے تعلیم حاصل کی۔ بعد میں مدرسہ غزنویہ امرتسر میں قیام کیا اور امرتسر کے معروف اساتذہ سے استفادہ کیا۔ اُسی زمانے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ١٣٦٧ھ) کے حلقۂ احباب میں شامل ہوئے۔

عملی زندگی کا آغاز کپڑے کے کاروبار سے کیا۔ اپنے عزیزوں کے ساتھ برصغیر کے مختلف شہروں میں گھوم پھر کر کام کرتے تھے۔ سنہ ١٩٢١ء میں بعض مجبوریوں کے پیشِ نظر کاروبار ترک کر دیا اور گوجرانوالہ میں سکونت اختیار کر لی اور سردار ٹھاکر سنگھ کے اخبار "سیوک" میں کام کرنے لگے۔ رسائل و جرائد سے دلچسپی اور اخبار سیوک کے عملی تجربے کے بعد نومبر سنہ ١٩٢٤ء کو رسالہ سہ ماہی "ککے زئی" سوہدرہ سے جاری کیا۔ ٢٣ اگست سنہ ١٩٢٥ء کو سیالکوٹ میں ککے زئی برادری کا ایک نمایندہ اجلاس ہوا جس میں "آل انڈیا ککے زئی کانفرنس" کی بنیاد رکھی گئی۔ مولانا امام خان نوشہروی نے کانفرنس کے قیام میں بھرپور حصہ لیا۔ سہ ماہی ککے زئی "ماہنامہ" کر دیا جو اکتوبر سنہ ١٩٢٥ء سے جون سنہ ١٩٢٦ء تک چھپتا رہا۔

ماہنامہ "ککے زئی" کے بند ہو جانے پر مولانا ابو یحییٰ علی گڑھ چلے گئے وہاں سے دوبارہ جولائی سنہ ١٩٢٧ء سے "افغان ککے زئی" کے نام سے سہ ماہی مجلہ جاری کیا جو بعد میں ماہنامہ ہو گیا۔ آخر میں مالی مشکلات کے پیشِ نظر اگست سنہ ١٩٢٩ء میں بند کر دیا گیا۔

---

[1] اصل نام عبدالغنی تھا (تاریخ ککے زئی۔ حاشیہ ص ٢٤٧)

اس کے بعد علمی و ادبی کاموں میں مصروف رہے۔ قیام پاکستان کے بعد مختلف علمی اداروں کے لیے تصنیفی کام کیا۔ ۱۶ر جنوری ۱۹۶۶ء/ ۲۴ر رمضان ۱۳۸۵ھ کو اپنے آبائی گاؤں سوہدرہ میں وفات پائی۔

مولانا امام خان شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ خود بھی شعر کہتے تھے اور رضا علی وحشت کلکتوی سے بذریعہ مراسلت اصلاح لیتے تھے۔ امام تخلص تھا۔[1]

مولانا ابو یحییٰ سے حسب ذیل تراجم و تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ تراجم علمائے حدیث ہند

۲۔ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات۔ (یہ مقالہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی پچاس سالہ تقریب پر ۲۹ر مارچ ۱۹۳۷ء کو پڑھا گیا تھا۔ بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا)

۳۔ اہل حدیث کے دس مسئلے

۴۔ نقوش ابوالوفا (سوانح حیات مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ) آخری ایام زندگی میں یہ کتاب زیر تالیف تھی کہ پیام اجل آگیا۔ صرف پہلا حصہ حافظ احسان الٰہی ظہیر صاحب (مدیر "ترجمان الحدیث" لاہور) کی ترتیب و تہذیب کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

۵۔ فقہ عمرؓ (ترجمہ)

۶۔ نزہت الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر۔ سید عبدالحیٔ رائے بریلوی کی بلند پایہ تالیف کے پہلے تین حصوں کو اردو کا جامہ پہنایا۔

۷۔ حیات محمد (ترجمہ) تالیف محمد حسین ہیکل

۸۔ حضرت عمر کے سیاسی فیصلے

۹۔ مکالمات نبوی

---

[1] ماہنامہ "کتاب"، لاہور (بابت اگست ۱۹۶۷ء)

۱۰۔ زندگی کے نمونے

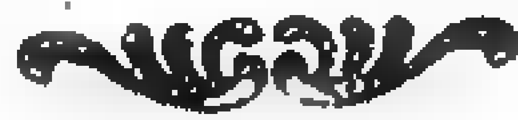
۱۱۔ قرآنی دستورِ حیات

۱۲۔ حرفِ آخر

۱۳۔ فتنہ خلق قرآن (ترجمہ) تالیف امام عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی

۱۴۔ دستور المجاہدین

۱۵۔ سیاسی وثیقہ جات (ترجمہ)



امان اللہ گجراتی

مولانا امان اللہ خان بن مولانا صدرالدین چک عمر ضلع گجرات کے معروف علمی خانوادے کے فرد فرید تھے۔ مولانا عبداللہ اُن کے ذی علم بھائی تھے۔ مولانا امان اللہ نے اپنے والد ماجد اور عم محترم مولانا مخدوم عالم سے تعلیم پائی تھی۔ کچھ عرصہ موضع کرسال ضلع جہلم میں بھی مقیم رہے تھے۔ ۲۹ر صفر ۱۳۱۲ھ / ۳۱ر اگست ۱۸۹۴ء کو فوت ہوئے۔

مولانا امان اللہ عربی اور فارسی زبانوں پر ماہرانہ دستگاہ رکھتے تھے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ اُنہوں نے بزبانِ عربی دیہات میں نمازِ جمعہ کے جواز پر ایک رسالہ لکھا تھا جس کا خطی نسخہ پروفیسر احمد حسین احمد قلعداری کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

مولانا امان اللہ کے صاحبِ علم صاحبزادے مولانا سلام اللہ شائق تھے۔ جن سے فارسی کا دیوان یادگار ہے۔ ۱۳ر ستمبر ۱۹۴۵ء / ۵ر شوال ۱۳۶۴ھ کو فوت ہوئے۔ شائق مرحوم کا دیوان ہنوز زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا[1]



---

[1] تذکرہ شعرائے پنجاب ص ۱۹۵

سیّد امداد حسین کاظمی

مولانا سیّد امداد حسین کاظمی بن سیّد عباس علی بن سیّد رمضان علی نومبر ۱۹۰۱ء/ ۱۳۱۹ھ میں گجرات میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِ بزرگوار سیّد رمضان علی بلند پایہ ذاکر اور عالم تھے۔ برصغیر کے اہل تشیع کے مراکز لکھنؤ اور امروہہ میں بہت مقبول ذاکر تھے اور "سلطان الذاکرین" کے لقب سے معروف تھے۔ والئ پونچھ راجہ جگت دیو سنگھ نے انہیں "ابو الفضل ثانی" کا خطاب دیا تھا۔

مولانا سیّد امداد حسین کی تعلیم وزیر آباد، گوجرانوالہ اور لاہور میں ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی سے السنہ شرقیہ میں منشی فاضل، ادیب فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ بعد میں بی۔ اے کی سند بھی حاصل کی۔ اس کے ساتھ ہی طبعی ذوق و شوق سے گورمکھی زبان سیکھ کر "گیانی" کی سند حاصل کی۔

مولانا موصوف محکمہ ڈاک سے وابستہ تھے اور ایک اچھے عہدے سے سبکدوش ہوئے تھے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ علمی و دینی اور تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ۲۲ر ستمبر ۱۹۷۵ء/ ۱۴ر رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ کو فوت ہوئے اور حسبِ وصیت گجرات میں دفنائے گئے۔

مولانا کاظمی کو لکھنے پڑھنے کا اچھا ذوق تھا۔ کچھ عرصہ ماہنامہ "صوفی" (منڈی بہاؤالدین) کی ادارت سے منسلک رہے۔ کثرت سے دینی موضوعات پر مضامین لکھے جو اہل تشیع کے مذہبی پرچوں میں طبع ہوئے۔ اُن کی حسبِ ذیل مستقل تصانیف ہیں۔

۱۔ تفسیر المتقین۔ اُردو ترجمہ و تفسیر قرآن مجید

۲۔ فتنہ تفسیر بالرائے

۳۔ تحقیقِ مہدی

۴۔ الفاطمہ

۵۔ برکاتِ محرم بجواب بدعاتِ محرم

۶۔ تطبیق الشہادت

۷۔ اعمالِ واجبیہ

۸۔ معلّم الاسلام

۹۔ اخلاق المعصومین[1]



---

[1] مطلع الانوار ص ۱۰۸ — ۱۰۹

محمد انوار الحسن شیر کوٹی

مولانا محمد انوار الحسن بن احمد حسن بن محمد داؤد ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں شیر کوٹ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور سات سال دار العلوم میں رہ کر ۱۳۴۷ھ کو سندِ فضیلت حاصل کی۔

۱۳۴۷-۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء میں اورینٹل کالج لاہور سے "مولوی فاضل" کا امتحان پاس کیا۔ اگلے سال سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے "او۔ ٹی" کی پیشہ ورانہ سند حاصل کی۔ ملازمت کا آغاز عربی زبان وادبیات کے اُستاد کی حیثیت سے ستمبر ۱۹۳۰ء میں مشن ہائی سکول جالندھر سے کیا۔

۲ر اپریل ۱۹۳۱ء کو مشن ہائی سکول سے اسلامیہ ہائی سکول جالندھر منتقل ہو گئے۔ مارچ ۱۹۳۵ء میں رندھیر کالج کپور تھلہ کے پروفیسر محمود علی کے سبکدوش ہونے پر وہاں تقرر ہوا۔ ستمبر ۱۹۴۷ء تک فرائض تدریس ادا کیے۔

مولانا انوار الحسن نہایت محنتی اور مطالعہ کے شوقین تھے۔ دورانِ ملازمت میں انہوں نے بی۔ اے کیا۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اور دو سال میں ایم اے (اُردو) کی سند حاصل کی۔

فیصل آباد میں سکونت اختیار کی تو ۲۲ر ستمبر ۱۹۵۳ء کو اسلامیہ کالج میں عربی وفارسی کے اُستاد ہو گئے۔ ۴ر مئی ۱۹۶۶ء کو ملازمت ترک کر کے ہمہ تن تصنیف وتالیف میں لگ گئے۔ ۵ر اکتوبر ۱۹۷۶ء/ ۱۱ر شوال ۱۳۹۶ھ کو فیصل آباد میں واصل بحق ہوئے۔

مولانا محمد انوار الحسن جامعہ عثمانیہ ر ڈی بلاک فیصل آباد میں خطیب بھی تھے۔ ان سے حسب ذیل سوانحی ودینی کتب یادگار ہیں۔

۱۔ انوار الشہادت (ترجمہ "نور العین فی مشہد الحسین" تالیف امام ابو اسحاق اسفرائنی)

۲۔ سیرتِ پیغمبرِ اعظمؐ

۳۔ تجلیاتِ عثمانی (علامہ شبیر احمد عثمانی کی سوانح حیات)

۴۔ خطباتِ عثمانی (علامہ عثمانی کے خطبات)

۵۔ انوارِ عثمانی (علامہ شبیر احمد عثمانی کے خطوط)

۶۔ حیاتِ امداد (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی سوانح حیات)

۷۔ انوارِ قاسمی (مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سوانح حیات)

۸۔ روحِ رمضان

۹۔ سیرتِ یعقوب و مملوک (دار العلوم دیوبند کے مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور اُن کے والدِ ماجد مولانا مملوک علی کے حالاتِ زندگی)

متذکرۂ الصدر تصانیف کے علاوہ اُردو اور اسلامیات کی نصابی کتب اور بیسیوں مضامین ہیں جو رسائل و جرائد میں منتشر ہیں۔

مولانا محمد انوار الحسن شعر کہتے تھے۔ اُن کا مجموعۂ کلام شائع نہیں ہوا۔ ایک نظم میں علامہ اقبالؒ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

زندگی کے ساز کی اقبالؔ تو آواز ہے — کس بلندی پر تخیل کی ترے پرواز ہے

تیرے نالوں نے دیا ہم کو سراغِ زندگی — تیری آہوں نے کیا روشن چراغِ زندگی

تیرے نغموں نے کیا شاداب باغِ زندگی — تو نے پہنچایا بلندی پر دماغِ زندگی

تو نے گرمایا فغاں سے مردِ مومن کا لہو
تیرے نغموں نے کیا پیدا جہانِ رنگ و بو[1]

---

[1] حیاتِ امداد ص ۷۷

بشیر احمد پسروری

مولانا بشیر احمد پسروری بن مولانا فتح محمد کے آبا و اجداد صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے۔ انگریزی عہد میں ترک سکونت کر کے موضع "دہوا" ضلع ڈیرہ غازی خان میں اقامت پذیر یہیں مولانا فتح محمد کے گھر میں ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں وہ بچہ پیدا ہوا جسے دنیا مولانا بشیر احمد پسروری کے نام سے جانتی ہے۔

مولانا فتح محمد خود بلند پایہ عالم دین تھے اور خواجہ سراج الدین سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ موسیٰ زئی شریف سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے صاحبزادے کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مولانا بشیر احمد نے ناظرہ قرآن مجید کے بعد ابتدائی فارسی عربی درسیات والد بزرگوار سے پڑھیں۔ ان کے ساتھ ساتھ مولوی محمد مٹھا صاحب (فاضل دیوبند) سے بھی استفادہ کیا۔

تیرہ سال کی عمر میں انہوں نے مدرسہ محمودیہ تونسہ شریف میں داخلہ لیا۔ تین سال یہاں رہے اور متوسطات کی تحصیل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا گوہر علی قیسرانی، مولانا محمد اشرف، مولانا فقیر محمد، مولانا محمد عظیم پائغستانی اور مولانا عبد السلام سکندرپوری ہزاروی شامل تھے۔ مدرسہ محمودیہ سے مدرسہ نعمانیہ ملتان منتقل ہوگئے۔ مدرسہ نعمانیہ کے صدر مدرس مولانا محمد دین بدھوی سے توضیح تلویح، میر زاہد اور بیضاوی کا درس لیا۔ شیخ الحدیث مولانا غلام محمد شاگرد مولانا سیف الرحمان کابلیؒ سے ۱۳۴۴ھ/۲۶-۱۹۲۵ء میں دورۂ حدیث پڑھا۔

دورۂ حدیث کے بعد مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دورۂ قرآن میں شامل ہوگئے۔

شوال ۱۳۴۴ھ میں تفسیر کا امتحان دیا اور پچاس طلبہ میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔

یہ وہ دَور تھا کہ آریہ سماجی مبلغوں کی خلافِ اسلام سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ اور علمائے کرام تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے میدان میں آچکے تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری

کے حکم پر پسرور میں سکونت اختیار کی اور "انجمن تبلیغ الاسلام" قائم کر کے دینی و تبلیغی سرگرمیوں کو منظم کیا۔ انجمن کی طرف سے انہیں ۲۵/- روپے ماہانہ مشاہرہ ملتا تھا۔ ۱۹۲۸ء تک یہ مشاہرہ لیتے رہے اس کے بعد بلا معاوضہ خدمات انجام دیں۔ "مدرسہ حنفیہ قادریہ تعلیم القرآن" کے ذریعے تعلیم قرآن عام کی۔

مولانا بشیر احمد سیاسی طور پر مجلس احرار اسلام سے وابستہ تھے۔ ۱۹۳۰ء کی تحریک کشمیر میں عملی حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور ایک سال قید با مشقت اور پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا ہوئی۔ جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں چار ماہ مزید قید کاٹنا تھی۔ سیالکوٹ، انبالہ اور ملتان کے قید خانوں میں ایک سال چار ماہ گزارے۔

تنظیم اہل سنت و جماعت کے بانی سردار احمد خان پتافی نے پنجاب میں مسلک اہلسنت کے تحفظ کے لیے بہت کام کیا ہے۔ انہوں نے ۱۹۴۶ء میں گیارہ مستند علماء کو مولانا عبدالشکور لکھنوی (م ۱۳۸۱ھ) سے تربیت حاصل کرنے کے لیے دارالمبلغین لکھنؤ بھیجا۔ اس پہلے قافلے میں مولانا بشیر احمد پسروری شامل تھے۔ اس طرح انہیں مولانا عبدالشکور لکھنوی سے استفادہ کا موقع ملا۔ تنظیم اہل سنت و جماعت کے پلیٹ فارم سے مسلک اہل سنت کی تبلیغ و تلقین کرتے رہے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں گرفتار ہوئے اور دس ماہ پس دیوار زنداں رہے۔

جمعیت علمائے اسلام بنی تو اس سے وابستہ ہو گئے۔ لاہور ڈویژن کے امیر رہے اور آخر دم تک اس وابستگی میں کمی نہ آئی۔

مولانا بشیر احمد سلسلہ قادریہ میں مولانا احمد علی سے بیعت تھے اور ان کے خلیفہ مجاز بھی۔ انہوں نے اپنے علاقے میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت کی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں علمی و دینی خدمات انجام دیتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔

مرحوم سے حسب ذیل تبلیغی و اصلاحی رسائل اور کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ سوانح حیات حضرت امام حسین رض

۲۔ رسالہ تحقیق متعہ۔ قیام لکھنؤ کے زمانے میں یہ رسالہ لکھا تھا۔ مولانا عبدالشکور لکھنوی نے اپنی تقریظ میں لکھا ہے۔

"اس مبحث میں معلومات کا ایک ذخیرہ انہوں نے جمع کر دیا ہے کتب شیعہ کے جس قدر حوالے اس کتاب میں ہیں۔ سب صحیح ہیں [۵۴]"

۳۔ انوارِ صحابہ
۴۔ انوارِ صحابیات
۵۔ داماد علی رداماد نبی
۶۔ فضائل السلام علیکم
۷۔ مسائل قربانی
۸۔ فضائل اصحاب ثلاثہ
۹۔ فضائل خدمت خلق
۱۰۔ بدعات محرّم
۱۱۔ السر المکتوم
۱۲۔ قوّت حیدری
۱۳۔ ارشادات خاتم الانبیاء
۱۴۔ سوانح امام حسن رض
۱۵۔ تحقیق مسئلہ رجعت
۱۶۔ فرمان امام باقر رح
۱۷۔ خلفائے ثلاثہ اور اہل بیت کی آپس میں رشتہ داریاں۔
۱۸۔ آفتاب ولایت



---

[۵۴] رسالہ مذکور

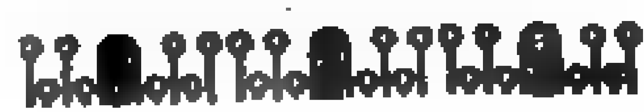
بہادر علی شاہ

قاری سیّد بہادر علی شاہ جلال پور جٹاں کے سیّد خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے وطن مالوف میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور دہلی چلے گئے اور وہاں جناب جعفر علی جارچوی سے ضروری کتابیں پڑھ کر خطابت شروع کی۔ موصوف خوش الحان قاری، مناظر اور مبلّغ تھے۔ انہوں نے پنجاب میں شیعہ مذہب کی خوب تبلیغ کی۔ ۲۶ محرم ۱۳۳۵ھ/۲۲ نومبر ۱۹۱۶ء کو گجرات میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔

قاری سیّد بہادر علی شاہ کتاب دوست عالم تھے۔ اُن کا قیمتی اور نادر کتابوں کا ذخیرہ تباہ ہو گیا ہے۔ اُن کی حسب ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ تفسیر سورۂ یوسف
۲۔ دلیل الوصل فی جواب قوامع الفصل
۳۔ واقعات مناظرہ نگینہ
۴۔ دلائل الصادقین (تاریخ محمدی)

سیّد بہادر علی شاہ مرحوم کے دو صاحبزادے سیّد غلام علی اور سیّد سیف علی تھے۔[۱]



---

[۱] مطلع انوار ص ۱۳۱-۱۳۲

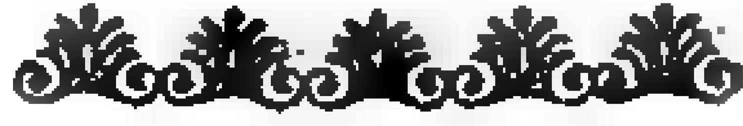
[illegible]

[illegible] مولانا [illegible]

[illegible] تقویٰ شعار

[illegible] مولانا تاج الدین ۲۵ شعبان ۱۳۴۷ھ / ۶ فروری ۱۹۲۹ء کو فوت ہوئے۔

نمازِ جنازہ سیّد دیدار علی الوری نے پڑھائی اور اپنی آباد کردہ مسجد کے پہلو میں دفنائے گئے۔ مرحوم نے مجرّد زندگی گزاری تھی۔ جہاں اُن کی اولاد نہیں وہیں کوئی تحریری یادگار بھی نہیں ہے۔



جان محمد لاہوری

مولانا جان محمد بن محمد غوث بن ولی اللہ ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اُن کے ابتدائی حالاتِ زندگی پردۂ خفاء میں ہیں۔ سیالکوٹ سے نقلِ مکانی کر کے لاہور آ گئے تھے مسجد نور محمد ایمان والا (کشمیری بازار) میں خطابت وتدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اُن کے مواعظ نہایت پُر تاثیر ہوتے تھے۔ ہزاروں افراد نے بے عملی کی زندگی ترک کی اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوئے اُن کے معاصر مورخِ لاہور رائے بہادر کنہیا لال نے لکھا ہے:

"واعظ شیریں بیان مولانا جان محمد لاہوری اپنے وعظ کی سحر بیانی سے قلوب واذہان کو مسحور کر لیا کرتے تھے۔ آپ سکھ عہد میں کشمیری بازار کی مسجد کے خطیب مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں یہ ایک وسیع مسجد تھی جس میں ہزاروں لوگ جمعہ کا خطبہ سننے آتے تھے۔ ایک دفعہ جمعہ کا وعظ سننے کے لیے متوتی مسجد نور محمد ایمان والا بھی آیا۔ وعظ سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنی دستار اور قیمتی کوٹ اتار کر مولوی صاحب کو پیش کر دیا اور نماز سے فارغ ہو کر آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی عظیم الشان حویلی میں لے گیا اور اپنے اہل وعیال کو دوسرے مکان میں منتقل کر کے ساری حویلی معہ سامان آپ کے حوالے کر دی۔ مولوی جان محمد صاحب تا حینِ حیات اسی حویلی میں قیام پذیر رہے بعد میں آپ کی اولاد کے نام منتقل ہو گئی[1]"

مولانا جان محمد سے ہزاروں افراد نے اکتسابِ فیض کیا۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ پنجاب کا

---

[1] تاریخ لاہور

کوئی ضلع ایسا نہیں جو اُن کے فیوض و برکات سے محروم رہا ہو۔ اُن کے معروف ترین تلامذہ میں مولانا محمد عالم کھوڑوی، مولانا کرامت اللہ، مولانا غلام محمد ملتانی اور مولانا فخر الدین کے نام قابلِ ذکر ہیں[۱]۔ مولانا جان محمد ۱۰ محرم ۱۲۶۸ھ / ۵ نومبر ۱۸۵۱ء کو فوت ہوئے۔ "چراغِ دین" سے سالِ رحلت برآمد ہوتا ہے۔

مولانا جان محمد نے تبلیغ و تدریس کے ساتھ ساتھ "قلم و قرطاس" سے بھی رشتہ استوار رکھا۔ انھوں نے متعدد کتابیں لکھیں۔ حسبِ ذیل کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے:

۱۔ زبدۃ التفاسیر
۲۔ شرح قصیدہ بُردہ
۳۔ شرح بدر الامالی
۴۔ رسالہ فی المعراج
۵۔ رسالہ فی اثبات الخلافت المعاویہ رض
۶۔ رسالہ فی العقائد
۷۔ رسالہ فی حرمت التنن[۲] (حرمتِ تمباکو)
۸۔ قواعد الاحکام فی شعائر الاسلام (عربی) ـــــ اس کتاب کا ذکر بعض تذکرہ نگاروں نے "رسالہ عدم فرضیت جمعہ" کے نام سے کیا ہے، جس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ مولانا جان محمد لاہوری، دورِ غلامی میں نماز جمعہ کی عدم فرضیت کے قائل تھے۔ حالانکہ مؤلف موصوف نے مستند فقہی ماخذ سے استشہاد کرتے ہوئے بتایا کہ مسلمانوں کو نمازِ جمعہ قائم کرنی چاہیئے کیونکہ اسی طرح اسلامی شعائر قائم رہ سکتے ہیں۔

---

[۱] حدائق الحنفیہ ص ۴۷۵ [۲] مؤلف "تذکرہ علماء اہل سنّت و جماعت لاہور" نے اس کا نام "بیان فی قباحت الدخان" لکھا ہے اور اس کے ایک قلمی نسخے سے استفادہ کیا ہے۔

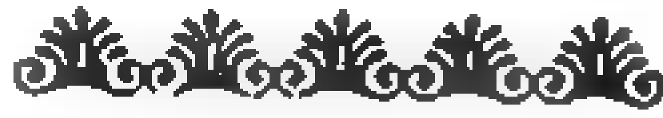
اِس کتاب کا ایک خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔[۱]

۹۔ نور الابصار فی مناقب اصحاب الکبار المعروف بہ رد الروافض (فارسی)
یہ کتاب خلفائے راشدین کے حالات میں محنت سے لکھی گئی ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۲۴۱ھ کتب خانہ ذاکر حسین دہلی میں محفوظ ہے۔[۲] دوسرا نسخہ (بلا سن کتابت) دار العلوم دیو بند کے کتب خانہ کی زینت ہے۔[۳]

رائے بہادر کنہیالال نے مولانا جان محمد کے دو صاحبزادوں کا ذکر کیا ہے:[۴]

۱۔ مولانا فیض محمد:۔ علوم دینیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مولانا جان محمد کی زندگی میں وفات پائی۔

۲۔ مولانا محمد فضل:۔ والد ماجد کے علمی جانشین تھے۔ علم طب میں دستگاہ رکھتے تھے۔



---

[۱] فہرست مفصل جلد اوّل ص ۲۳۶ – ۲۳۸

[۲] ماہنامہ "وحید" (تہران) بابت نومبر ۱۹۷۳ء، ص ۸۱۶

[۳] تعارف مخطوطات دار العلوم دیو بند جلد ۲، ص ۱۰۴

[۴] تاریخ لاہور ص ۴۷

سیّد جماعت علی شاہ ثانی لاثانی

مولانا سیّد جماعت علی شاہ ثانی لاثانی بن سیّد علی شاہ ۱۲۷۶ھ/۷۷-۱۸۶۰ء میں علی پور سیداں[1] میں پیدا ہوئے۔ نسباً حسینی سادات تھے۔ آٹھ نو برس کی عمر میں مولانا عبدالرشید علی پوری کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔ قرآنِ مجید پڑھ کر حدیث و تفسیر اور تصوّف کی چیدہ چیدہ کتابیں پڑھیں۔

موصوف صوفی منش اور کم گو تھے۔ صوفیائے کرام کے احوال و ملفوظات کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ خواجہ فقیر محمد چوراہیؒ المعروف بہ باباجی صاحب سے بیعت ہوئے اور انہوں نے خرقۂ خلافت سے نوازا۔

علی پور میں دو معاصر ہم نام بزرگ تھے اور دونوں کو ایک ہی آستانے سے خلافت ملی تھی۔ دونوں کے درمیان امتیاز کی خاطر خواجہ فقیر محمدؒ نے انہیں "ثانی صاحب" کا لقب دیا بعدازاں ثانی کا لقب "ثانی لاثانی" بن گیا۔ مولانا ثانی لاثانی ۱۶ شعبان ۱۳۵۸ھ/یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء کو فوت ہوئے۔ علی پور سیداں میں مدفون ہیں۔ مولوی عبدالرسول ساکن بکھر بار نے حسب ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے :

دریغا کہ ذاتِ حمیدہ صفات — منوّر کنِ عالم شش جہات

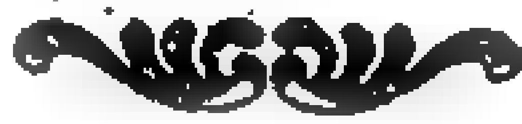
جماعت علی شاہ ثانی ولی — رسیدہ بقربِ خدا در حیات

رسیدش بفرمانِ حق کل نفس — اجل چونکہ چشید ذوقِ ممات

---

[1] سیالکوٹ سے چوبیس میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔ حضرت ثانی لاثانی کے اجداد میں سے محمد سعید یہاں آباد ہوئے اور بستی کا نام "سعید پور" رکھا گیا۔ اُن کی پانچویں پشت میں ایک بزرگ سید علی اکبر شاہ نے اسے "علی پور" کا نام دیا۔ ماہنامہ "سلسبیل" (لاہور) تذکرۃ الاولیاء جدید ص ۱۷

زفقدش تمامی جہاں تیرہ شد — زغم ماتمش گشت درکائنات
بدرگاہِ او بہرِ طلب خدا — ہجوم خلائق الوف و مآت
شنید این خبر عبدؔ تاریخ جست — بگفتش بحسرت دلِ بے ثبات



ل‍ه پندرہ روزہ "شمس الاسلام" (بھیرہ) بابت یکم فروری ۱۹۴۰ء ص ۶

پیر جماعت علی شاہ علی پوری

پیر سید جماعت علی شاہ بن سید کریم شاہ بن سید منوّر علی بن سید محمد حنیف انیسویں صدی عیسوی کے چوتھے عشرے میں علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ نسباً سادات شیراز سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے جدِ اعلیٰ سید محمد نوروز شاہ عہدِ مغلیہ میں ہندوستان آئے اور موضع علی پور سیداں میں مقیم ہوئے۔

قاری شہاب الدین کاشمیری سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مولانا عبدالرشید علی پوری سے اُردو اور فارسی کی مکتبی تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبدالوہاب امرتسری سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد لاہور میں مولانا غلام قادر بھیروی، مفتی عبداللہ ٹونکی (م ۱۳۳۸ھ) اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ لاہور سے سہارنپور گئے اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا محمد مظہر سے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا ارشاد حسین رامپوری اور بعض دوسرے فضلائے عصر سے فیضان حاصل کیا جن کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

گنج مراد آباد کا سفر کیا اور مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (م ۱۳۱۳ھ) سے عرفان و سلوک کی منازل طے کیں۔ بعد میں سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا فقیر محمد چوروئیؒ سے بیعت ہوئے۔ انہوں نے اجازتِ بیعت سے نوازا۔

پیر سید جماعت علی شاہ نے حدیث کی اسناد مولانا عبدالحق الٰہ آبادی مہاجر مکی، مولانا عبدالعلی محدث پانی پتی اور محمد عمر ضیاء الدین سے بھی حاصل کیں۔

پیر صاحب نے منتظم طور پر تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے ۱۹۰۱ء/۱۹-۱۸۱۳ھ میں "انجمن خدام الصوفیہ" قائم کی۔ اس انجمن کے مقاصد حسبِ ذیل تھے:

۱۔ اتحادِ جمیع سلاسلِ تصوف،

۲۔ اشاعتِ اسلام و تصوف۔

۳۔ تردید الزامات خلافِ اسلام و تصوف۔

۴۔ تردید مذاہبِ باطلہ

انجمن کے ابتدائی تین سالانہ جلسے بادشاہی مسجد لاہور میں منعقد ہوئے۔ ۱۹۰۴ء سے سالانہ جلسہ علی پور سیداں میں باقاعدگی سے ہو رہا ہے۔ اسی سال انجمن کے زیرِ اہتمام رسالہ "خدام الصوفیہ" (لاہور) جاری کیا گیا۔ یہ رسالہ تا حال عرفان و طریقت اور دینِ اسلام کی خدمت کر رہا ہے۔ پیر صاحب کی نگرانی میں برصغیر کے مختلف شہروں میں انجمن کی شاخیں قائم کی گئیں۔ جنہوں نے مقامی طور پر دینی مدارس کے قیام، اشاعتِ دین و تصوف اور سیاسی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

پیر صاحب نے فرقِ باطلہ کی تردید میں قابلِ قدر کام کیا۔ قادیانیت کے تعاقب میں فعال کردار ادا کیا۔ مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اُن کے جلسوں کے اہم مقرر ہوتے تھے جو اس فتنے کے لٹریچر پر گہری نظر رکھتے تھے۔ فتنۂ ارتداد کے زمانے میں انہوں نے راجپوتانہ کے کئی دورے کیے۔ مبلغ بھیجے اور مسلمانوں کو شدھی کے فتنے سے بچانے میں ہمہ تن منہمک رہے۔

پیر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دینی دولت کے ساتھ مالی ثروت سے بھی نوازا تھا۔ انہوں نے انجمن حزب الاحناف (لاہور)، انجمن حمایت اسلام (لاہور) اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی بارہا مالی امداد کی۔ ندوۃ العلماء کے ایک سالانہ جلسہ کی صدارت بھی کی۔

پیر صاحب نے پنجاب میں تحریکِ خلافت کے لیے اہم کام کیا۔ ۲۱ مارچ ۱۹۲۱ء / ۱۱، ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۸ھ کو اُن کی صدارت میں خلافت کانفرنس لائل پور منعقد ہوئی۔ خطبہ صدارت میں اپنی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"میں سب سے پہلے اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے حیدرآباد دکن

راولپنڈی، نوشہرہ، پشاور، بنگلور، گوجرہ اور کئی مقامات میں خلافت کے اجلاس کی صدارت کا شرف حاصل کیا ہے[1]........................

......خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے پنجاب کی فوج میں ایک متنفّس کو بھی بھرتی نہیں کرایا۔ ڈوائر صاحب لیفٹیننٹ گورنر کو ایک محضر نامہ پیش کیا گیا۔ اس پر اکثر پیرانِ عظام کے دستخط موجود ہیں لیکن میرے دستخط ہرگز ہرگز موجود نہیں ہیں لاٹ صاحب کے پاس تک نہیں گیا۔ خدا مجھے محفوظ رکھے۔[2]"

تحریک خلافت کے بعد جس دوسری تحریک میں اُنہوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔ وہ مسجد شہید گنج کی بازیابی کی تحریک تھی۔ یکم ستمبر ۱۹۳۵ء کو مولانا محمد اسحاق مانسہرویؒ نے راولپنڈی میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ جس میں صوبہ سرحد اور صوبہ پنجاب کے علاوہ یو۔پی کے بعض زعماء نے بھی شرکت کی۔ اس کانفرنس میں پیر صاحب کو اتفاقِ رائے سے "امیرِ ملّت" چُنا گیا۔ مسجد کی بازیابی کے لیے "مجلس اتحادِ ملّت" بنی جس کی شاخیں جگہ جگہ قائم کی گئیں۔ پیر صاحب نے اس تحریک میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تاہم نتائج خاطر خواہ برآمد نہ ہوئے۔

پیر صاحب تحریکِ خلافت اور مسجد شہید گنج کی تحریک کے راستے پاکستان کی جدوجہد میں شامل ہوئے۔ اُنہوں نے آل انڈیا سُنّی کانفرنسوں کی صدارت کی اور دو قومی نظریہ کی حمایت کی۔ قراردادِ پاکستان کے بعد کھُل کر پاکستان کے لیے کام کیا۔

پیر صاحب نے برصغیر کے طول و عرض میں تبلیغی دورے کیے۔ کئی بار فریضۂ حج ادا کیا۔ شاہ افغانستان نادر شاہ مرحوم کی دعوت پر افغانستان کا بھی سفر کیا۔

---

[1] خطبہ صدارت، ص ۳

[2] ایضاً ص ۸

پیر صاحب علمی و دینی خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۷۰ھ / ۳۰ اگست ۱۹۵۱ء کو علی پور سیداں میں فوت ہوئے۔ دوسرے دن دفنائے گئے "درویش ذی علم" اور "شیخ حق آشنا" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

پیر صاحب مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں:

۱۔ حافظ پیر سید محمد حسین شاہ (جانشین)

۲۔ حافظ پیر سید خادم حسین شاہ

۳۔ حافظ مولانا پیر سید نور حسین شاہ

پیر صاحب کے ہاتھ پر ہزاروں افراد نے بیعت کی اور اپنی زندگیاں خدا کے رنگ میں رنگیں۔ مؤلف "سیرت امیر ملت" نے اُن کے ۶۴ خلفاء کے نام درج کیے ہیں۔

صاحبزادوں کے علاوہ چند خلفاء کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ مولانا محمد حسین قصوری

۲۔ مولانا محبوب ا[illegible]ر ملقب بہ خیر شاہ امرتسری

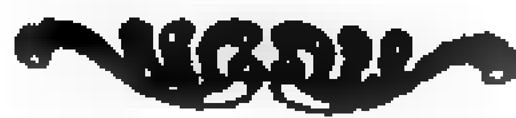
۳۔ مولانا غلام احمد اخگر امرتسری

۴۔ پیر محمد حیات سیالکوٹی

۵۔ مولانا امام الدین رائے پوری

۶۔ مولانا حامد حسن قادری مؤلف "داستان تاریخ ادب اردو"

۷۔ مولانا عابد حسن فریدی۔



حاکم علی لاہوری

مولانا حاکم علی لاہوری ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ دین کی تڑپ اور لگن نے انہیں علوم اسلامی کے مطالعہ میں ایسا منہمک کیا کہ علماء کے زمرے میں شمار ہونے لگے۔

اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے اُستاد تھے ۱۹۱۷ء میں وائس پرنسپل بھی تھے۔ تحریک ترکِ موالات کے زمانے میں اسلامیہ کالج کے طلبہ اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے۔ انجمن حمایتِ اسلام کے سامنے یہ اہم مسئلہ تھا کہ اسلامیہ کالج کا الحاق یونیورسٹی سے توڑ دیا جائے یا تحریک کے مطالبات کے برعکس الحاق قائم رکھا جائے اور بدستور گرانٹ حاصل کی جاتی رہے۔ ۵ نومبر ۱۹۲۰ء کو نواب ذوالفقار علی خان صدر انجمن حمایت اسلام کی کوٹھی پر جنرل کونسل کا ایک اجلاس طلب کیا گیا۔ جس میں بقول مولانا ظفر علی خان:

"بڑے بڑے جغادری، خان بہادر، آنریبل اور سر جمع ہوئے تھے"[۵۱]

کونسل نے یونیورسٹی سے الحاق برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا۔

مولانا حاکم علی نے اس موقع پر ترکِ موالات کی مخالفت میں فتویٰ شائع کیا۔ یہ وہ دور تھا کہ علامہ اقبال انجمن کے سیکرٹری چُنے گئے تھے۔ انہوں نے جنرل کونسل کا اجلاس بلایا جس میں چند اہم فیصلے ہوئے۔

"اسی اجلاس میں پروفیسر ہنری مارٹن پرنسپل اسلامیہ کالج معزول کیے گئے اور پروفیسر حاکم علی موقوف کیے گئے کیونکہ انہوں نے بعض بیہودہ تحریریں اور فتویٰ شائع کر کے انجمن کے قواعد کی خلاف ورزی کی تھی"[۵۲]

۵۱۔ اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام ص ۹۶

۵۲۔ روزنامہ "زمیندار" (لاہور) بابت ۸ دسمبر ۱۹۲۰ء بحوالہ اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام ص ۹۶

چنانچہ کالج بند رکھنے کا فیصلہ ہوا تا وقتیکہ انجمن کی جنرل کونسل کسی حتمی نتیجہ پر نہ پہنچے۔ ترکِ موالات کی تحریک دم توڑ گئی اور مولانا حاکم علی واپس کالج میں آ گئے۔ ۱۹۲۵ء کے بعد کالج سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا حاکم علی کو حضرت خواجہ سید خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاں (م ۱۰۵۲ھ) سے والہانہ عقیدت تھی۔ کالج کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر حضرت ایشاں کے مزار پر وقت گزارنے لگے۔ اور عملاً حضرت ایشاں کے سجادہ نشین بن گئے۔ ۱۹۴۴ء/۱۳۶۳ھ میں وفات پائی۔ اور حضرت ایشاں کے مزار کے قدموں میں دفن ہوئے۔

مولانا حاکم علی، مولانا احمد رضا خان بریلوی کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ ترکِ موالات کی مخالفت میں انہوں نے جو فتویٰ دیا تھا اس کی تائید میں انہوں نے مولانا بریلوی سے بھی ایک فتویٰ حاصل کیا تھا۔ اپنے عقاید و نظریات میں انتہا پسند تھے۔ ۱۳۲۵ھ میں انہوں نے انجمن نعمانیہ ہند لاہور کے ۲۹ ویں سالانہ جلسہ میں ایک مضمون "قوانینِ قدرت" پڑھا خطبہ مسنونہ کے بعد رقمطراز ہیں۔

"السلام علیکم اے معشر حنفیاں یعنی اے نعمانیاں یعنی جناب میر مجلس و حاضرین سامعین بشرطیکہ آپ اہل سنت و جماعت ہیں۔"[1]

۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں انہوں نے لاہور سے ایک رسالہ "قاطع المرتدین و الفجار" کے نام سے جاری کیا جس میں اُن کے نقطۂ نظر سے اختلاف رکھنے والوں کے خلاف تند و تیز مضامین شائع ہوتے تھے۔ رسالہ کی پیشانی پر حسبِ ذیل اشعار چھاپتے تھے۔

چرا خود را اسیرِ غم ز فکرِ بیش و کم داری ۔۔۔ کہ نگذارد ترا محتاج ایزد تا کرم داری

مشو بے دست و پا از مفلسی و بیکسی ہرگز ۔۔۔ مگر نشنیدۂ بیدل خدا داری چہ غم داری

مگر نشنیدۂ حاکم خدا داری چہ غم داری!

---

[1] قوانینِ قدرت ص ۱

محمد مصطفیٰ داری تو صدیق صفا داری! عمر عثمان ہم داری علی المرتضیٰ داری!
تو غوثِ اعظم و شاہِ بلا گردان ما داری مجدد الف ثانی و مجدد حاضرہ داری
مگر نشنیدۂ حاکم خدا داری چہ غم داری![1]

مولانا حاکم علی کی قلمی یادگاروں میں رسالہ "قوانینِ قدرت" اور متفرق تحریریں ملتی ہیں۔

[1] تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور ص ۲۸۶-۲۸۷

حبیب اللہ نعمانی

مولانا حبیب اللہ نعمانی بن نظام دین کمبوہ برادری کے چشم و چراغ تھے۔ ۱۲۸۸ھ/۷۲-۱۸۷۱ء میں ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ مڈل کا امتحان پاس کیا اور اپنے شوق سے علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ جن کی تفصیل دستیاب نہیں ہے۔

عملی زندگی کا آغاز پولیس کانسٹیبل کی حیثیت سے کیا اور ترقی پاتے پاتے تھانیدار ہو گئے از خود محکمہ پولیس ترک کر دیا۔ اور امرتسر میں دکان کھول لی۔ قیام پاکستان کے بعد چک ۵/۸۶ آر ہارون آباد میں سکونت اختیار کی۔[1]

پنجابی زبان کے قادر الکلام شاعر اور وسیع المطالعہ صاحب قلم تھے۔ اُن سے حسب ذیل کتب یادگار ہیں:[2]

۱۔ حبیب التفاسیر المعروف بہ تفسیر نعمانی
۲۔ گلزارِ موسیٰ
۳۔ گلزارِ عیسیٰ
۴۔ گلزارِ آدم
۵۔ گلزارِ یوسف
۶۔ مجموعہ خطبات
۷۔ مجموعہ خطب اسلامیہ
۸۔ تفسیر سورۂ والضحیٰ

۱؎ ملخص از انسائیکلو پیڈیا (فیروز سنز لاہور)

۲؎ تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۱۳۴

۹۔ اکرام المصطفٰی

۱۰۔ تفسیر سورۂ یٰسین

۱۱۔ جنگِ حبیب

۱۲۔ تفسیر ہفت سورہ

۱۳۔ حالات حضرت نوشہ رح

۱۴۔ توضیح مرام (نثر)

۱۵۔ قصۂ جابر

۱۶۔ رسالہ تقلید

۱۷۔ باغ بہشت المعروف بہ پنج گنج

۱۸۔ اخبار الغیب (ترجمہ و شرح قصیدہ شاہ نعمت اللہ ولی) غیر مطبوعہ

۱۹۔ تفسیر سورۃ فاتحہ۔ غیر مطبوعہ

۱۶ رجب ۱۳۷۳ھ / ۲۲ مارچ ۱۹۵۴ء کو وفات پائی۔ حکیم محمد صادق اُن کے فرزند ہیں۔



حافظ حبیب اللہ لاہوری

حافظ حبیب اللہ بن مولانا احمد علی ۱۹۱۶ء/۱۳۳۴-۳۵ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ دروازہ لاہور میں حاصل کی۔ حافظ مہتاب الدین (دہلی دروازہ) سے قرآن مجید حفظ کیا اور ساتھ ہی مڈل تک جدید تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۹۳۷ء/۱۳۵۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فارغ التحصیل ہوکر مولانا محمد صادق (م ۱۳۷۲ھ) کی خواہش پر مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ میں کچھ عرصہ مدرّس رہے۔

اپنے والد ماجد شیخ التفسیر مولانا احمد علی سے بیعت تھے اور اُن کے خلیفہ مجاز بھی۔ ان کے علاوہ مولانا تاج محمود امروٹی اور مولانا غلام محمد دین پوری کی مجالس میں بھی بیٹھے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ کیا۔ ہر سال والدین سے قیام مدینہ منورّہ کی اجازت طلب فرماتے تھے۔ اُن کے شوق کو دیکھتے ہوئے والدین نے مستقل قیام کی اجازت دے دی۔

سال کے نو ماہ مدینہ طیبّہ اور تین ماہ مکہ معظمہ میں گزارتے تھے۔ مسجد نبوی اور بیت اللہ میں وعظ و تذکیر کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ ان کا وعظ اس قدر مؤثر اور دلنشین ہوتا تھا کہ سامعین کی ایک بڑی تعداد اکتسابِ فیض کرتی تھی۔

انھوں نے عمر بھر شادی نہ کی۔ ڈاکٹر عبد القوی لقمان صاحب کے الفاظ میں:

"اُنھوں نے اپنے زُہد و ورع کا جو نقشہ تیار کیا اسی پر اُنہیں غلو رہا۔ انتہا پسندی اُن کے مزاج کا جزو تھی، اور اس نقشہ میں تاہل کی کہیں گنجائش نہیں تھی"[1]

---

[1] ہفت روزہ "خدام الدین" (لاہور)

کم گو، تنہائی پسند اور زاہد و عابد بزرگ تھے۔ ۹ر جمادی الاخری ۱۳۹۲ھ/ ۲۰ر جولائی ۱۹۷۲ء کو بعارضۂ قلب مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ بوقت رحلت قرآنِ مجید کی مختلف آیات تلاوت کر رہے تھے۔ آخر میں فرمایا "میرا کام بن گیا" اور اسی عالم میں ابدی نیند سو گئے۔ دارالعلوم صولتیہ مکہ معظمہ کے تاریخی اور مبارک احاطہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) اور مولانا امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) کے پہلو میں دفنائے گئے۔



حسین علی واں بچھرانوی

مولانا حسین علی بن محمد بن عبداللہ ۱۲۸۳ھ/۶۷-۱۸۶۶ء میں واں بھچراں ضلع میانوالی کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے قریب موضع شادیا میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ تھہریاں (تھل میں ایک گاؤں ہے) میں مقیم رہے۔ بعض کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ ۱۳۰۲ھ میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور اُن سے سندِ حدیث حاصل کی۔ کچھ عرصہ مولانا محمد مظہر نانوتوی رح (م ۱۳۰۲ھ) سے تفسیرِ قرآن کا درس لیا۔ ۱۳۰۴ھ میں مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) سے منطق و فلسفہ کی تکمیل کر کے وطن لوٹے۔

مولانا حسین علی نے جس علاقے میں آنکھ کھولی تھی۔ ناخواندگی اور اسلامی تعلیمات سے عدم واقفیت کے سبب شرک و بدعت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ انہوں نے اس بدعت زدہ ماحول میں برس ہا برس محنتِ شاقہ سے توحید کی شمع روشن کی۔ اِس راہ میں اُس مردِ درویش نے ثابت قدمی سے مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا۔ اُنہوں نے قرآن کی تعلیم کو عام کرنا شروع کیا۔ طلبہ دُور دُور سے اُن سے استفادہ کے لیے آتے۔ خود کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اور طلبہ کے جملہ اخراجات اپنی جیب سے ادا کرتے تھے۔ کبھی کسی سے چندہ نہ لیتے۔ اور اپنی تمام آمدنی طلبہ پر خرچ کر دیتے تھے۔

علم حدیث، تفسیر و فقہ، تصوف و سلوک اور منطق و فلسفہ پر گہری نظر تھی۔ توحید کی اشاعت ان کا مقصدِ اوّلین تھا۔ شرک و بدعت کے خلاف نہ صرف وعظ کیے بلکہ مناظرے، مباحثے اور علمی گفتگوئیں بھی کیں۔

خواجہ محمد عثمان دامانی (م ۱۳۱۴ھ) سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت دامانی کے اصحابِ خاص میں سے تھے۔ اُن کی وفات پر خواجہ سراج الدین (م ۱۳۶۰ھ) کی

طرف رجوع کیا اور اُن ہی سے خلافت حاصل کی۔

رجب ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۳ء میں فوت ہوئے۔ مولانا حسین علیؒ کی علمی یادگاروں میں سے حسب ذیل معلوم ہو سکی ہیں۔

تفسیر و اصولِ تفسیر

۱۔ بلغۃ الحیران فی ربط الآیاتِ القرآن (اُردو) قرآن مجید کی آیات و سور کے باہمی ربط، تفسیری نکات اور بعض مقامات کی تشریح و تفسیر پر مشتمل ہے۔ مولانا غلام اللہ خان اور مولانا محمد نذر شاہ نے یہ امالی قلمبند کی تھیں البتہ مولانا حسین علی نے ایک نظر ڈالی تھی۔

۲۔ تبیان فی تفسیر القرآن (اُردو) قرآن مجید کی تمام سورتوں کا الگ الگ خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

حدیث

۳۔ تلخیص الطحاوی (عربی) شرح معانی الآثار کا خلاصہ ہے۔ مولانا محمد اسلم دیوبندی کے مختصر حواشی کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

۴۔ تحریراتِ حدیث (عربی)

۵۔ تقریر الجنجوہی علی صحیح البخاری (عربی)۔ صحیح بخاری کے بعض مقامات کی شرح اور تراجم کا بیان ہے۔ مولانا گنگوہیؒ کے درسی افادات میں سے ہے۔

۶۔ تقریر الجنجوہی علی صحیح المسلم (عربی) از افادات مولانا گنگوہی

۷۔ رسالہ جریدتین۔ اس میں حدیث جریدتین علی القبر کی تحقیق کی گئی ہے۔

فقہ

۸۔ برہان التسلیم یا فسخ الحج بالعمرہ

۹۔ رسالہ خمس اوسق

۱۰۔ رسالہ رفع سبابہ

۱۱۔ رسالہ ذبح فوق العقدہ

۱۲۔ خلاصہ فتح القدیر

عقاید

۱۳۔ رسالہ مسئلہ علم غیب

تصوّف و سلوک

۱۴۔ تحفہ ابراہیمیہ

مولانا حسین علی، خواجہ محمد سراج الدین (م ۱۳۳۳ھ) کے صاحبزادوں کے استاد تھے۔ خواجہ محمد سراج الدین کے جانشین صاحبزادہ محمد ابراہیم قرار دیے گئے۔ مولانا حسین علی نے اُن کی روحانی تربیت کے لیے اُن ہی کے نام پر "تحفہ ابراہیمیہ" تالیف کیا۔

۱۵۔ حواشی "فوائدِ عثمانی"

خواجہ محمد عثمان دامانی کے ملفوظات، مکتوبات اور معمولات کا مجموعہ سید محمد اکبر علی شاہ دہلوی نے مرتّب کیا۔ اس کی تصحیح مولانا حسین علی نے کی اور اسے حواشی سے مزیّن کیا۔

مولانا حسین علی کی اولاد میں تین صاحبزادے مولوی صدر الدین، مولوی عبدالرحمان اور مولوی عبدالرزاق ہیں۔ اُن کے تلامذہ کی فہرست خاصی طویل ہے۔ چند معروف ترین نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا عصام الدینؒ (ساکن بہبودی ضلع اٹک)

۲۔ مولانا غلام رسول معروف بہ انہی والا بابا۔

۳۔ مولانا عبدالعزیز مؤلف "نبراس الساری علی اطراف البخاری"

۴۔ مولانا نصیر الدین غور غشتوی رح

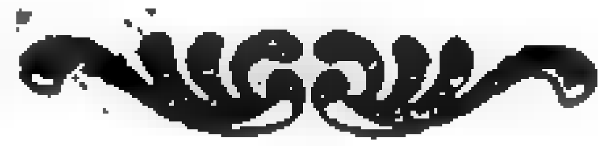
۵۔ مولانا غلام اللہ خان مہتمم دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی

۶۔ مولانا قاضی شمس الدین (گوجرانوالہ)

۷۔ مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری (گجرات)

۸۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدر مؤلف کتب کثیرہ

۹۔ مولانا محمد طاہر (ساکن پنج پیر تحصیل صوابی)



سیّد حشمت علی سیالکوٹی

مولانا سیّد حشمت علی بن سیّد جماعت علی شاہ ۱۸۵۸ء/۷۵-۱۲۷۴ھ میں موضع خیر پور ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدامجد سیّد سعید نوروز شیراز کے رہنے والے تھے اور مغل بادشاہ ہمایوں (م ۹۶۳ھ) کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے تھے۔

مولانا سیّد حشمت علی نے ابتدائی تعلیم علی پور سیداں کے ایک حنفی المسلک عالم مولوی عبدالرشید سے حاصل کی۔ اس کے بعد لاہور منتقل ہوئے اور نواب نوازش علی خان قزلباش کے قائم کردہ مدرسہ شیعیاں میں داخل ہوئے۔ یہاں سید ابوالقاسم قمی سے استفادہ کیا۔ لاہور کے زمانۂ قیام میں اورنٹیل کالج (پنجاب یونیورسٹی) کے طالب علم رہے۔ اور مولوی فاضل کا نصاب وہیں پڑھا۔

لاہور سے لکھنؤ گئے۔ کچھ عرصہ بعد دارالعلوم دیو بند کی شہرت انہیں دیو بند لے گئی۔ دورۂ حدیث میں شریک ہوئے اور فاتحہ فراغ پڑھا۔ اندرون ملک تکمیل علم کے بعد عراق روانہ ہوئے۔ سامرہ میں مرزا محمد حسن شیرازی مجتہد اعظم سیّد محمد حسین شہرستانی جیسے افاضل کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ چھ سال عراق میں رہ کر واپس آ گئے۔ وطن میں ایک سال گزار کر دوبارہ مرزا محمد حسن شیرازی کے حضور پہنچ گئے۔ دوبارہ چھ سال عراق میں قیام کیا۔ اس عرصے میں عراق کے مجتہدین سے بھرپور استفادہ کیا۔ اجازۂ اجتہاد حاصل کر کے واپس آئے۔

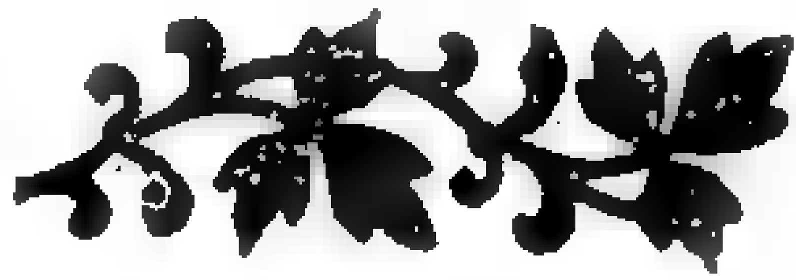
مولانا سیّد حشمت علی ایک مناظر اور کامیاب واعظ تھے۔ انہوں نے مسلک تشیع کی نشر و اشاعت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے

اجلاسوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے۔ شیعہ کالج لکھنؤ کے قیام میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس کالج کیلئے خود چندے دیئے اور اپنے حلقۂ اثر میں کام کیا۔ مولانا سیّد حشمت علی بعارضہ بواسیر ۵ر شوال ۱۳۵۴ھ / ۲ر جنوری ۱۹۳۵ء کو فوت ہو گئے۔ ان کی علمی یادگاریں حسبِ ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ رسالہ عرشیہ۔

۲۔ رسالہ معراجیہ۔ معراجِ جسمانی کے ثبوت میں لکھا گیا ہے۔

۳۔ رسالہ ضرورت الامام۔



محمد حفیظ الرحمٰن بہاولپوری

مولانا محمد حفیظ الرحمٰن بن محمد عزیز الرحمٰن عزیز ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ/ ۲۷ ستمبر ۱۸۹۶ء کو بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ جدید تعلیم کے ساتھ گھر پر عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی (م ۱۳۴۵ھ) سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔

۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء میں فریضۂ حج ادا کیا اور سفرِ حجاز کے حالات قلمبند کیے ہیں۔

اُن کی حسب ذیل کتابیں معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ الحبیب (سوانح حیات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۔ مختصر تاریخ تاجدارانِ ریاست بہاولپور

۳۔ تاریخ اوچ

۴۔ سفرنامہ حجاز

۵۔ تمدّنِ بہاولپور

۶۔ ذکرِ خیر در حالات حضرت صاحب السیر (احوال خواجہ محکم الدین اویسی)

۷۔ شعاع نور (سوانح حیات خواجہ نور محمد مہارویؒ)

۸۔ احکامِ نکاح

۹۔ ذکر عید میلاد

۱۰۔ ذکرِ کرام۔ یہ کتاب سابق ریاست بہاولپور کے حدود میں مزاروں، خانقاہوں اور قبرستانوں کے بارے میں تاریخی معلومات پر مشتمل ہے۔ ڈیڑھ سو سے زائد مزاروں اور پچاس سے زائد بزرگوں کے حالات یکجا کیے گئے ہیں۔

۱۱۔ ترتیب و تصحیح دوہڑہ جات فریدی (غیر مطبوعہ)

نسخہ بخطِ مؤلف مولانا سید نور محمد قادری صاحب کے کتب خانے میں محفوظ ہے[۵]۔
اِن کے علاوہ اُن کے بیسیوں مقالات "العزیز" (بہاولپور) اور دوسرے رسائل میں منتشر ہیں۔



[۵] ماہنامہ "کتاب" (لاہور) بابت اکتوبر ۱۹۷۸ء، ص ۳۰

حافظ حماد حاصل پوری

مولانا حافظ حمادؒ بن مولانا حسام الدین چیلا داہن (حاصل پور) کے بلند پایہ علمی و دینی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ قرآن کے حافظ اور اجل عالم تھے۔ اُنہوں نے تدریس و تعلیم میں زندگی بسر کی۔ فنِ مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اور اپنے مقابل کو لاجواب کر دینے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اس لئے "حماد بحاث" کے عُرف سے مشہور تھے۔ ۹ ذی قعدہ ۱۲۴۰ھ/ ۲۵ جون ۱۸۲۴ء کو انتقال کیا۔

مولانا حافظ حمادؒ نے فارسی زبان و ادب کی درسی کتابوں (کریما تا سکندر نامہ) کی شرحیں لکھی تھیں۔ علمائے عصر نے ان شرحوں کو دیکھ کر اُن کے تبحرِ علم کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا محمد گہلویؒ[ل] نے جب اُن کی شرحیں دیکھیں تو فرمایا "مجھے ان شروح کا علم نہ ہو سکا ورنہ میں وقت ضائع نہ کرتا"

مولانا حافظ حمادؒ کی تالیفات گردشِ زمانہ کے سبب ناپید ہو گئی ہیں۔ صرف "بوستان" کی شرح اُن کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔

[ل] مٹھٹھہ گہلوان تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان کے رہنے والے تھے۔ شیخ نور محمد ثانی نارووالہ چشتی م ۱۲۰۴ھ کے خلیفہ مجاز تھے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ شرح تحفۃ النصائح (فارسی)۔ ۲۔ شرح سکندر نامہ (فارسی)۔

۳۔ شرح پندنامہ (//)۔ ۴۔ شرح گلستان (//)۔

۵۔ شرح یوسف زلیخا موسوم بہ شرح محمدیہ (فارسی)۔

۶۔ خیر الاذکار (ملفوظات خواجہ نور محمد ثانی نارووالہ چشتیؒ)

خادم علی خان

مولانا خادم علی خان بستی شادو خان ضلع مظفرگڑھ کے معروف شیعہ عالم تھے۔ وہ اندازاً ۱۸۹۰ء/۰۸-۱۳۰۷ھ سے پہلے پیدا ہوئے۔ مولانا سید شرف حسین (ساکن بھکر) کے نامور شاگرد تھے۔ وطن مالوف میں تدریس و تعلیم میں مصروف رہے۔ اُن کے عمدہ کتب خانے کا کچھ حصّہ بستی شادو خان میں شاد محمد خان بن واجد علی خان بلوچ کے پاس محفوظ ہے۔ موصوف فقہ و کلام پر کامل عبور رکھتے تھے۔ تاریخ و حدیث پر گہری نظر تھی۔ اپنے علاقے میں شیعہ نقطۂ نظر کی تبلیغ میں خوب حصہ لیا۔

مولانا خادم علی تقریباً اسّی سال کی عمر پا کر ۱۹۷۰ء/۱۳۹۰ھ سے قبل فوت ہوئے۔



خان محمد مرجانی

مولانا خان محمد بن میاں دولا اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مرجان ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ اُن کے مورثِ اعلیٰ امرزا خان موضع دکھوٹ ضلع بنوں سے ترکِ سکونت کر کے مرجان آئے تھے۔

اس خاندان میں دینی تعلیم کی روایت زیادہ پرانی نہیں۔ مولانا خان محمد کے والد میاں دولا مرحوم قرآن مجید ناظرہ پڑھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے دینی لگاؤ کے پیشِ نظر اپنے فرزند کو قرآن مجید حفظ کرایا۔ مکھڈ اور چکی شیخ جی میں انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

ابھی زیرِ تعلیم تھے کہ والد کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے۔ اہلِ خاندان نے اُن کی شادی کا سامان شروع کر دیا تاکہ وہ گھر میں رہیں مگر اُنہوں نے تعلیم اُدھوری چھوڑ دینا پسند نہ کیا۔ خاموشی سے حیدر آباد دکن چلے گئے۔ تقریباً نو۹ سال تک اُن کے بارے میں کسی کو علم نہ تھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہیں؟ حیدر آباد میں مولانا محمد زمان (م ۱۲۹۲ھ) سے اکتسابِ فیض کیا۔ یہ بزرگ تاجدارِ دکن میر محبوب علی خان کے اُستاد تھے۔

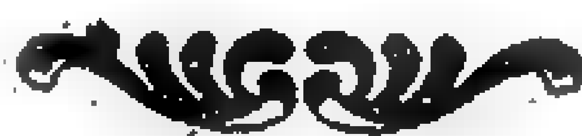
حیدر آباد سے زیارتِ حرمین کے لیے روانہ ہوئے۔ حرمین شریفین کی سکونت کے دوران میں تین بار فریضہ حج ادا کیا۔ زیادہ تر طائف میں مقیم رہے جہاں نواب فیض اللہ خان مرحوم رئیس دتاولی ضلع علی گڑھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ نواب صاحب کا وہیں انتقال ہوا تو مولانا خان محمد واپس وطن آ گئے۔

وطن میں تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ ریاست دتاولی سے دعوت موصول ہوئی سابق تعلقات کو دیکھتے ہوئے مولانا خان محمد، نواب فیض اللہ خان مرحوم کے صاحبزادوں کے اتالیق ہو کر دتاولی چلے گئے۔ دتاولی، علی گڑھ سے بارہ کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور صاحبزادے علی گڑھ میں رہتے تھے۔ اُن کے ساتھ مولانا خان محمد بھی علی گڑھ میں رہے۔

علی گڑھ میں اُن دنوں دو اہم دینی درس گاہیں تھیں۔ مدرسہ لطفیہ جامع مسجد علوم عقلیہ کے لیے معروف تھا اور مولانا لطف اللہ (م ۱۳۳۴ھ) مدرسہ کے روح رواں تھے۔ مدرسۃ الحدیث موتی مسجد میں مولانا اسماعیل محدث کوئلی (شاگرد مولانا محمد قاسم نانوتوی) نے مسندِ حدیث بچھا رکھی تھی۔ مولینا خان محمد نے دونوں مرجع انام ہستیوں سے اکتساب کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ علاقہ دینی تعلیم کے اعتبار سے بنجر اور ویرانہ تھا۔ بعض مساجد میں فقہ کی چند کتابیں پڑھائی جاتی تھیں لیکن حدیث کی تعلیم و تدریس کا کوئی سامان نہیں تھا۔ اُنھوں نے اللہ کے بھروسے پر درسِ حدیث کا آغاز کیا۔ شرک و بدعت کے خلاف آواز اُٹھائی اور تبلیغ حق میں مصروف ہو گئے۔ بدعت زدہ علاقے میں اُن کی مخالفت بھی ہوئی مگر وہ اپنی دُھن کے پکے تھے۔

۲۸ / ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ / ۲۱ / جنوری ۱۹۰۹ء کو مرجان میں فوت ہوئے۔ نماز جنازہ مولانا عبدالباقی کرسالی نے پڑھائی اور قبرستانِ مرجان میں دفن کیے گئے۔ مولانا کی اولاد میں دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے مولانا غلام مصطفیٰ مرحوم تھے۔



خواجہ خدا بخش ملتانی ثم خیر پوری

خواجہ خدا بخش بن قاضی جان محمد ۱۱۵۰ھ/ ۳۸-۱۷۳۷ء میں موضع تلنبہ میں پیدا ہوئے اُن کا پدری سلسلۂ نسب حضرت مصعبؓ بن عمیر سے ملتا ہے[1]۔ والدہ کی طرف سے راجپوت، مہاس برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ خاندانی روایات کے مطابق اس خاندان کے افراد محمد بن قاسم کے ہمراہ برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ سندھ میں مقیم رہ کر ملتان آ گئے۔ جب سلطان محمود غزنوی نے قرامطہ کی سرکوبی کے لیے حملہ کیا تو یہ خاندان ملتان میں آباد تھا۔ اور اس نے سلطان محمود غزنوی کا ساتھ دیا تھا۔

یہ خاندان ہر دور میں علم و فضل اور وجاہت کی بنا پر ممتاز رہا۔ شیر شاہ سوری نے اس خاندان کے افراد کو اہم مناصب دیئے۔ مغل عہد میں جہانگیر نے تلنبہ کا قلعہ اس خاندان کے ایک فرد قاضی علاء الدین کے سپرد کیا تھا اور اُسے دس ہزاری منصب دیا تھا۔ مولوی عنایت اللہ اس سلسلے کے آخری منصب دار تھے جو ۱۱۹۱ھ/ ۱۷۷۷ء میں اس منصب سے دستکش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔

مولانا خدا بخش نے اپنے والد بزرگوار قاضی جان محمد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی گئے اور مدرسہ رحیمیہ دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) سے استفادہ کیا۔ حصولِ تعلیم کے بعد وطنِ مالوف آ گئے اور اپنے والدِ بزرگوار کی حیات تک یہیں رہے۔ اس کے بعد ترکِ سکونت کر کے ملتان آ گئے۔

---

[1] جناب شہاب دہلوی نے مولانا عبدالمجید خیر پوری سجادہ نشین خانقاہ خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ کے حوالے سے یہ روایت لکھی ہے۔ "ذکرِ کرام" کے مؤلف نے انہیں ملن ہانس قوم کا فرد قرار دیا ہے۔ (ص ۴۶) غالباً "ملن ہانس" مہاس کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

چالیس سال دہلی دروازہ (ملتان) کے اندر ایک مسجد میں بیٹھ کر تدریسی خدمات انجام دیں۔ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور مدرس تھے۔

حافظ محمد جمال ملتانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ حافظ صاحب ایک روز اُن کے درس میں آئے اور اُنہیں اپنے ساتھ خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ پر لے گئے اور وہاں بیعت سے مشرف فرمایا۔[1] انہوں نے چشتیہ نظامیہ سلسلے کی توسیع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ صدہا افراد نے اُن سے فیض حاصل کیا۔[2] محمد برخوردار نے اُن کے بارے میں لکھا ہے:

"کشف و کراماتِ ایشاں از حدِ بیان و احصاء بیرون است"[3]

ملتان پر سکھوں کے حملوں سے علمی ماحول غارت ہو گیا تھا اور وہ دل برداشتہ ہو کر ملتان سے خیرپور (ضلع بہاول پور) منتقل ہو گئے تھے۔ آخری عمر میں استغراق کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ محرم ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء میں فوت ہوئے۔[4] خیرپور میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

اُن کے تلامذہ اور مریدوں کا حلقہ بہت وسیع ہے لیکن صلبی یادگار نہ رہی۔ صرف ایک فرزند تھا جو عہدِ طفلی میں فوت ہو گیا تھا۔ مرحوم کے چند خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ قاضی محمد عبید اللہ ملتانی

۲۔ مولوی محمد حسین پنوار

---

[1] خاتمہ گلزارِ جمالیہ ص ۳۱

[2] مناقب المحبوبین ص ۱۴۳

[3] گلزارِ جمالیہ ص ۳۰

[4] ایضاً ص ۳۲، اولیائے بہاولپور میں بحوالہ "گلشنِ ابرار" اُن کی تاریخ وفات ماہ صفر ۱۲۵۰ھ لکھی گئی ہے۔

۳۔ قاضی محمد عیسٰے خانپوری

۴۔ مولوی عظیم بخش احمد پوری

۵۔ مولوی نور اللہ خیر پوری

۶۔ مخدوم حامد شاہ گیلانی

۷۔ منشی غلام حسن ملتانی

۸۔ مولوی محمد موسیٰ ملتانی

خواجہ خدا بخش خیر پوری مرجع عوام تھے۔ فقہی معاملات میں عوام اُن سے رجوع کرتے تھے اور وہ ممکن تحقیق کے بعد جواب دیتے تھے۔ اُن کے علم و فضل کے پیشِ نظر خواجہ گل محمد احمد پوری نے لکھا ہے:

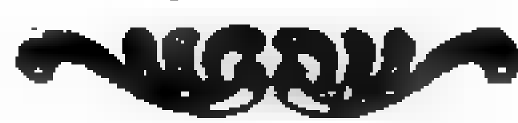
"یک نسیمے از گلزارِ معانی۔ بیان اوشاں کردن قطراتِ امطار یا امواجِ بحار شمردن است[1]"

اُن کے علمی آثار میں مندرجہ ذیل معلوم ہو سکے ہیں:

۱۔ رسالہ توفیقیہ (فارسی) وحدتِ الوجود پر معروف رسالہ ہے۔

۲۔ رسالہ ذوقیہ (فارسی) غیر مطبوعہ

۳۔ مجموعہ فتاویٰ (") " ۔ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے۔



---

[1] تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۳۵

خدا بخش حضروی

مولانا خدا بخش بن مولانا فضل الٰہی حضروی ۱۸۸۱ء/۹۹-۱۲۹۸ھ کے لگ بھگ حضرو ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم قاضی پور (نزد تربیلہ) کے ایک مدرس حبیب شاہ اور کوٹ نجیب اللہ کے مولوی عبدالحمید سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے اور اساتذۂ وقت سے استفادہ کیا۔

تحصیلِ علم کے بعد تین سال (۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۴ء) بلاس پور میں مقیم رہے۔ اس کے بعد مستقل طور پر وطنِ مالوف میں رہے۔ تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے زمانے میں انہوں نے بھرپور کام کیا۔ اُن کا فتویٰ علاقے بھر میں تسلیم کیا جاتا تھا اور لوگ اختلافی معاملات میں اُن کا فیصلہ بلا چون و چرا تسلیم کر لیتے تھے۔

علمی و دینی خدمات کا کبھی معاوضہ وصول نہ کیا۔ زمینداری سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے تھے۔ ۶؍ جنوری ۱۹۷۷ء/۱۵؍ محرم ۱۳۹۷ھ کو فوت ہوئے اور حضرو میں دفنائے گئے مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔



سیّد خورشید احمد ہمدانی

سیّد خورشید احمد ہمدانی بن سیّد فتح علی شاہ ۱۲۸۵ھ/۶۹-۱۸۶۸ء میں کھوٹکر شاہ پور ضلع سرگودہا میں حسینی ہمدانی سادات کے ایک گھرانے میں پیدا ہوئے۔ خاندانی نسب کے لحاظ سے موصوف امیر سیّد علی ہمدانی (م ۷۸۶ھ) کے اُس خانوادۂ علم وہدایت کے چشم و چراغ تھے۔ جس نے آٹھویں صدی ہجری میں برِصغیر کے شمال مغربی حصّوں میں علم و روحانیت کا پرچم بلند کیا۔

سیّد خورشید احمد نے مولانا میاں محمد اور پیر محمد صالح شاہ مرید سیّد غلام حیدر شاہ جلالی پوری سے قرآن مجید پڑھا۔ فارسی زبان و ادب کی تحصیل مولانا عطا محمد ساکن قصبہ عبدالحکیم ضلع ملتان سے کی۔ چشتیاں میں مولانا عبدالرحیم سے چند کتابیں پڑھیں اور جامعہ عباسیہ بہاول پور میں داخل ہوئے۔ بعد میں قصبہ عبدالحکیم آ گئے اور درسِ نظامی کی تکمیل کر کے دارالعلوم دیوبند گئے۔ جہاں حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن (م ۱۳۳۹ھ) کے زمانۂ صدارت میں دورۂ حدیث کیا۔

اپنے اُستاد شیخ الہندؒ سے تعلقِ بیعت قائم کیا۔ وہ ۱۳۳۴ھ میں گرفتار ہو کر مالٹا میں اسیر ہوئے تو سیّد خورشید احمد نے اُن کی ہدایت پر مولانا تاج محمود امروٹی (م ۱۳۴۸ھ) سے رابطہ قائم کیا۔ مولانا امروٹیؒ نے شیخ الہندؒ سے بیعت کی نسبت کو کافی سمجھتے ہوئے اوراد و وظائف کی تلقین کی۔ بعد میں مولانا حسین احمد مدنیؒ (م ۱۳۷۷ھ) سے تعلق قائم کیا اور اُن سے خلافت حاصل کی۔

سیّد خورشید احمد سماجی اور دینی سرگرمیوں میں خاصے فعّال تھے اور اصلاح و ارشاد کے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ ۱۰ ربجمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ/۱۲ رجون ۱۹۷۳ء کو قصبہ عبدالحکیم میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ مولانا عبداللہ درخواستی نے پڑھائی[۵۱] "وہ خضرِ راہِ حق چل دیا" سے سالِ

---

۵۱ ملخّص از "فیضانِ خورشید"

وفات ۱۹۷۳ء برآمد ہوتا ہے۔

جناب محمود احمد عارف نے حسب ذیل مرثیہ کہا ہے

پیر خورشید کر گئے رحلت — صاحبِ درد و مردِ حق آگاہ!
اُن پہ رہتا تھا رحمتوں کا نزول — تھے مقبولِ بارگاہِ الٰہ
رہبرِ صدق، عارفِ کامل — جو تھے سرخیلِ بزمِ اہل اللہ
عمر یادِ خدا میں سب گزری — خدمتِ دین تھا شغل شام و پگاہ
سالِ رحلت ہو کس طرح مرقوم — شیخ کا ہجر صدمۂ جانکاہ

قلبِ گریاں سے یوں کہو عارف
گل ہوا ہے چراغِ اہل اللہ [1]

۱۳۸۳ء

۱۰+۱۳۸۳ = ۱۳۹۳ھ



[1] ماہنامہ "انوار مدینہ" (جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ)

خیر محمد جالندھری

مولانا خیر محمد جالندھری بن الٰہی بخش بن خدا بخش اپنے ننھیال بمقام عمروال بلّہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں ۱۸۹۵ء/۱۳-۱۳۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ موصوف ارائیں برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا ددھیال ان پڑھ اور زراعت پیشہ تھا۔ البتہ ننھیال میں قدرے تعلیم موجود تھی۔ اُن کے ماموں میاں شاہ محمد، حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید تھے۔ اُن کی نگرانی میں مولانا خیر محمد نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

مولانا خیر محمد کی عمر سات سال تھی کہ ان کا خاندان چک ۲۵۲ ر۔ب ضلع فیصل آباد میں آگیا۔ اس چک کے امام حافظ پیر محمد (نابینا) سے قرآن مجید کا ایک پارہ ناظرہ پڑھا تھا کہ خاندان کو واپس عمروال بلّہ جانا پڑا۔ وہاں کے میاں امام الدین سے قرآن مجید کے اٹھارہ پارے پڑھے۔ شوال ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں داخل ہوئے۔ یہاں سے مولانا فضل احمد[1] کے پاس مدرسہ صابریہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر منتقل ہو گئے۔ مولانا فقیر اللہ وہاں دوسرے سال مدرس ہوئے۔ شوال ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء سے تقریباً ربیع الاولیٰ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء تک صرف و نحو، منطق، فقہ اور ادب کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

۱۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ تا ۱۵ ررمضان ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء اور تین سال بعد چند ماہ مولانا سلطان احمد گنجوی سے اُن کے گاؤں گنجہ ضلع گجرات میں مختلف کتابوں کے تھوڑے تھوڑے حصے پڑھے۔ پھر مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی میں تین سال مقیم رہے۔ یہاں سے

---

[1] مولانا فضل احمد بہت نیک طینت، حلیم الطبع اور ربانی عالم تھے۔ مدرسہ عبدالرب، دہلی کے تعلیم یافتہ تھے اور شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے متوسل تھے۔ ۵ رجب ۱۳۸۴ھ/۱۱ رنومبر ۱۹۶۴ء کو پچانوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

مدرسہ اشاعت العلوم بانس بریلی چلے گئے۔ محرم ۱۳۳۲ھ/ دسمبر ۱۹۱۳ء سے تین سال شعبان ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء تک یہاں کے اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ مولانا محمد یٰسین سرہندی (شاگرد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) سے سندِ حدیث حاصل کی۔ ۱۳۳۵ھ کے آخر میں مدرسہ اشاعت العلوم بانس بریلی کا سالانہ جلسہ ہوا جس میں سندِ تکمیل مولانا محمد احمد قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ہاتھوں حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم میں شوال ۱۳۳۵ھ تا شعبان ۱۳۳۶ھ (ایک سال) تدریس کی۔ شوال ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء کو مدرسہ احیاء العلوم صادق گنج ضلع بہاول پور میں بطور صدر مدرّس آ گئے اور نو سال یہاں خدمات تدریس انجام دیں۔ درمیان میں ایک سال (۱۳۴۱ھ) رائے پور گوجراں میں مقیم رہے۔

۱۹ر جمادی الاولی [redacted] ۱۳۴۵ھ/ ۲۵ر نومبر ۱۹۲۶ء کو مدرسہ فیض محمدی جالندھر کا نظم و نسق سنبھالا اور شعبان ۱۳۴۹ھ/ جنوری ۱۹۳۱ء تک اہتمام و انصرام کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۶ر شوال ۱۳۴۹ھ/ ۹ر مارچ ۱۹۳۱ء کو جالندھر ہی میں مولانا احمد بخش اور مولانا محمد علی جالندھری کے تعاون سے مدرسہ خیر المدارس کی بنیاد رکھی۔ قیام پاکستان کے بعد مدرسہ کی تجدید ۱۵ر ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ/ ۸ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان میں کی۔

مولانا خیر محمد جالندھری کی پوری زندگی تعلیم و تعلّم میں گزری۔ تقریباً پچپن سال کی تدریسی زندگی کے بعد ۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ء/ ۲۱ شعبان ۱۳۹۰ھ کو ملتان میں فوت ہوئے۔ اُن کی رحلت کو شدّت سے محسوس کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند کی روداد میں اُن کی وفات پر لکھا گیا ہے:

"حضرت مولانا دارالعلوم کے سلسلہ میں قدیم فاضل، دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کے سابق رکن، حضرت مولانا تھانویؒ کے خلیفہ مجاز اور پاکستان کے ایک متبحر، معتمد علیہ اور ذمہ دار عالم تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات میں علم و فضل، زُہد و قناعت اور دین و دیانت کی اعلیٰ صلاحیتیں جمع فرمائی تھیں عرصہ دراز

تک غیر منقسم ہندوستان کے صوبہ پنجاب کے شہر جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس قائم فرما کر اپنی درسی صلاحیتوں اور مرشدانہ ہدایتوں سے ہزارہا مسلمانوں کو فیضیاب فرماتے رہے، پاکستان بننے کے بعد آپ نے ملتان میں خیر المدارس کا احیاء فرمایا جو پاکستان کی ایک مرکزی درسگاہ بن گئی اور آپ دیوبندی مکتب فکر کی ایک نمایاں مثال بن گئے [۱]

مولانا خیر محمد جالندھری سے حسب ذیل تالیفات بھی یادگار ہیں۔

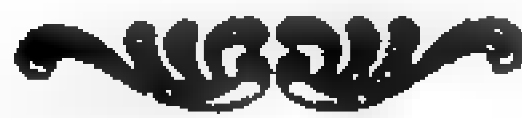
۱۔ خیر التنقید فی سیر التقلید

۲۔ خیر الاصول فی حدیث الرسول

۳۔ خیر الجواب فی ایصال الثواب

۴۔ نمازِ حنفی

۵۔ خیر الوسیلہ



---

[۱] روداد عمل دار العلوم دیوبند (۱۳۹۰ھ) ص ۲-۳

سیّد داؤد غزنوی

مولانا سیّد داؤد غزنوی بن مولانا سیّد عبدالجبّار بن سیّد عبداللہ ۱۸۹۵ء/۱۳۱۲ھ
میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِ امجد سیّد عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ) اپنے دَور
کے بلند پایہ عالم اور ولی اللہ تھے۔ شیخ حبیب اللہ قندھاری کے فیض یافتہ اور میاں
سیّد نذیر حسین رح کے حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کافی عرصہ اپنے مولد قلعہ
بہادر خیل (نزد غزنی) میں رہے بعد میں امرتسر آ گئے اور توحید و سنت کی خدمت میں
مصروف رہے۔

سیّد عبداللہ غزنوی رح (م ۱۲۹۸ھ) کی اولاد میں بارہ صاحبزادے تھے۔ سب ہی
علمِ دین کی دولت سے مالامال تھے۔ مولانا محمد بن عبداللہ غزنوی نے تفسیر "جامع البیان"
پر عربی میں حاشیہ لکھا۔ مولانا محمد کے صاحبزادے (مولانا عبداللہ کے پوتے) مولانا
عبدالاوّل غزنوی رح نے "مشکوٰۃ المصابیح" اور "ریاض الصالحین" کا اُردو ترجمہ کیا اور
ان پر مفید حواشی لکھے۔

سیّد عبداللہ غزنوی کے فرزند اور مولانا سیّد داؤد غزنوی کے والد مولانا سیّد
عبدالجبّار (م ۱۳۳۱ھ) بھی جیّد عالم اور ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔

مولانا سیّد داؤد غزنوی نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ ماجد اور مولانا عبدالاوّل غزنوی
سے حاصل کی۔ مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مولانا گل محمد سے اُردو اور حساب کی تعلیم پائی۔
بعد میں دہلی گئے۔ مولانا عبداللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ) سے حدیث پڑھی اور مدرسہ
مسجد فتح پوری کے مولانا سیف الرحمان کابلی (م) سے علومِ عقلیہ کی تحصیل کی۔
تعلیم سے فارغ ہو کر مدرسہ غزنویہ میں حدیث و تفسیر کی تدریس شروع کی۔

تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ تبلیغ و اشاعتِ اسلام اور تحریکِ آزادیِ وطن میں دلچسپی لی۔ کمالِ خطابت اور سیاسی بیداری کی بنا پر برصغیر پاک و ہند کی سطح پر اپنا ایک مقام پیدا کر لیا۔ تحریکِ خلافت میں سیاسی سٹیج پر آئے اور تحریک میں سرگرمی سے کام کیا۔ اس کے ساتھ جمعیت علمائے ہند کی تاسیس و تشکیل میں مؤثر کردار ادا کیا۔ ابتدا میں مجلسِ عاملہ کے رکن تھے پھر مدتوں تک نائب صدر رہے۔ ۱۹۲۱ء میں تین سال کے لئے قید ہوئے۔ رہا ہوئے تو پہلے سے زیادہ سرگرمی سے تحریکِ آزادی میں حصہ لیا۔ ۱۹۲۵ء میں دوسری بار گرفتار ہوئے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور تیسری بار قید و بند کی آزمائش سے دوچار ہوئے۔

"مجلس احرارِ اسلام" کے بانی ارکان میں سے تھے اور وہی پہلے سیکرٹری تھے دو اڑھائی سال اس عہدے پر فائز رہے۔ مجلس احرارِ اسلام کی تحریکِ کشمیر میں حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔ ۱۹۴۲ء/۱۳۶۱ھ میں انڈین نیشنل کانگرس کی تحریک "ہندوستان چھوڑدو" میں شریک رہے اور گرفتار ہوئے۔ پنجاب کانگرس کے صدر رہے اور کانگرس ہی کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن چنے گئے۔ ۷ اگست ۱۹۴۶ء کو کانگرس سے مستعفی ہوئے اور کچھ عرصہ بعد آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی میں حصہ لیا اور گرفتاری دی۔

قیامِ پاکستان کے بعد سیاسی طور پر بہت زیادہ فعال نہ رہے تاہم دینی اہمیت کے حامل مسائل میں قوم کی راہنمائی فرماتے رہے۔ "جماعت اہل حدیث" کی از سرِ نو تنظیم کی اور اس مقصد کے لئے ملک کا طویل دورہ کیا۔ لاہور میں مدرسہ غزنویہ کا احیاء کیا۔ تحریک ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) کے سرکردہ راہنماؤں میں سے تھے اور تمام مذہبی جماعتوں کی متحدہ مجلسِ عمل کے ناظمِ اعلیٰ تھے۔ جناب محمد ایوب خان نے فوجی انقلاب کے بعد ایک دستور ساز کمیشن بنایا تھا جس نے ایک سوالنامہ جاری کیا۔

مولانا غزنوی نے ملک کے سربرآوردہ علماء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں ۵،۶ مئی ۱۹۶۰ء/ ۱۳۷۹ھ کو جمع کیا اور کمیشن کے سوالنامہ کا متفقہ جواب بھجوایا۔ مئی ۱۹۶۲ء/ ۱۳۷۹ھ میں مدینہ یونیورسٹی کی مشاورتی کونسل کے رکن نامزد ہوئے تھے۔

مولانا سید داؤد غزنوی کی زندگی کا بڑا حصہ سیاسی ہنگاموں اور "جماعت اہلحدیث" کی تنظیم میں گزرا تاہم جب بھی انہیں فراغت ملتی، مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تھے۔ یکم اپریل ۱۹۲۷ء/ ۲۷ رمضان ۱۳۴۵ھ کو امرتسر سے ہفت روزہ "توحید" جاری کیا۔ تھا جو دو سال ایک ماہ جاری رہا۔ اس میں مولانا کے علمی اور تحقیقی مضامین شائع ہوتے تھے۔

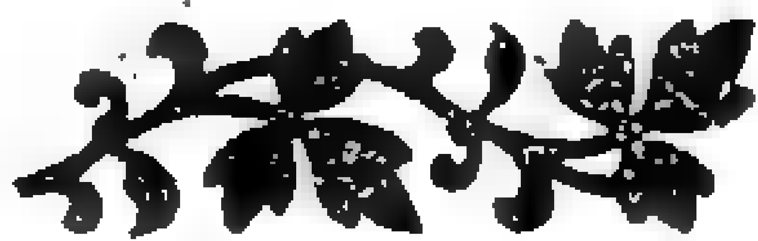
مولانا سید داؤد غزنوی دل کے عارضے میں مبتلا تھے۔ دو سال کی علالت کے بعد ۱۶ دسمبر ۱۹۶۳ء/ ۲۸ رجب ۱۳۸۳ھ کو لاہور میں فوت ہوئے۔ دوسرے روز مولانا محمد اسماعیل سلفی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے۔

مولانا سید داؤد غزنوی کی تالیفات میں سے مندرجہ ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ ترجمہ باب التوحید از حجۃ اللہ البالغہ (تالیف شاہ ولی اللہ ؒ)

۲۔ نخبۃ الاحادیث ۳۔ اسوۂ حسین

مولانا غزنوی کی اولاد میں سید ابوبکر غزنوی ؒ علمی دنیا کی متعارف شخصیت تھے۔



دوست محمد قریشی

مولانا دوست محمد قریشی بن مولانا علی محمد بن مولوی محمد عبداللہ قریشی، قصبہ ریتخ کلاں، تحصیل راجن پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ / ۲۹ ستمبر ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے مولانا دوست محمد کے جد امجد مولوی محمد عبداللہ صوفی صافی بزرگ تھے اور سلسلہ چشتیہ میں اصحاب تونسہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا کے والد ماجد مولانا علی محمد اپنے علاقے کے معروف خطیب، واعظ تھے۔ اسی طرح مولانا دوست محمد کے نانا مولانا امان اللہ عالم باعمل تھے

مذکورہ بالا خاندانی پس منظر میں مولانا دوست محمد نے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ والد ماجد کی نگرانی میں قرآن مجید حفظ کیا اور مقامی سکول میں داخل ہوئے چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے کہ دینی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ مولانا شیر محمد (ساکن محمد پور دیوان ضلع ڈیرہ غازیخاں) سے فارسی درسیات اور قانونچہ شاہ جمال پڑھا۔ صرف کی دیگر کتابیں مولانا محمد علی ڈیروی سے پڑھیں۔ علم نحو کے لئے مولانا غلام محمد (ساکن ریتخ کلاں) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ابتدائی دینی تعلیم کے بعد مختلف اساتذہ سے اکتساب فیض کے لئے سفر کئے۔ بستی بوہڑ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں مولانا محمد حیات، کوٹ مٹھن میں مولانا واحد بخش ملتانی ضلع بہاولپور میں مولانا حبیب اللہ گمانوی اور واں بھچراں میں مولانا حسین علی اور مولانا غلام یسین سے استفادہ کیا۔ آخر میں ڈابھیل گئے اور ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر مولانا دوست محمد وطن مالوف آئے اور مدرسہ "انوار العلوم" کی بنیاد رکھی۔ کچھ عرصہ بعد بنگلہ باڑہ نامی بستی میں چلے گئے۔ "مدرسہ مفتاح العلوم" بستی اللہ بخش علاقہ جتوئی میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد "مدرسہ معارف القرآن خان گڑھ"

یں کام کیا۔ ۱۹۵۰ء/۱۳۶۹ھ میں پہلی بار فریضۂ حج ادا کیا۔

حج سے واپسی پر احمد پور شرقیہ منتقل ہو گئے۔ اس زمانے میں سردار احمد خان پتافی کے جذبۂ اخلاص سے "تنظیم اہل سنت" قائم ہو چکی تھی۔ مولانا دوست محمد اس تنظیم میں شامل ہو گئے ۱۹۶۴ء کے آخر میں/۱۳۸۴ھ احمد پور شرقیہ سے کوٹ ادو منتقل ہو ئے۔ ان کے عقیدتمندوں نے عظیم الشان نقشبندی مسجد تعمیر کی اور یہاں انہوں نے اپنی دلچسپی کے سامان پیدا کر لئے۔ ۱۳۸۹ھ/۷۰۔۱۹۶۹ء میں "دار المبلغین" کے نام سے ادارہ قائم کیا جس میں علماء کی تربیت کا انتظام تھا۔

مولانا دوست محمد قریشی سلسلہ نقشبندیہ میں مولانا عبدالمالک نقشبندی سے بیعت تھے۔ موصوف اہل سنت و جماعت کے بلند پایہ مناظر، کامیاب واعظ اور شیخ طریقت تھے۔

۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ/ ۲۷ر مئی ۱۹۷۴ء کو بھکر ریلوے سٹیشن پر دورۂ قلب پڑا۔ ریلوے ہسپتال بھکر میں منتقل کیے گئے۔ وہیں جان جانِ آفرین کے حوالے کی۔

مولانا دوست محمد قریشی سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ اہلسنت پاکٹ بک

۲۔ منہاج التبلیغ

۳۔ جلاء الافہام

۴۔ جلاء الاذہان

۵۔ رد المطاعن

۶۔ عظمت الصحابہ رض

۷۔ براہین اہلسنت

۸۔ تعارف خلفائے راشدین

۹۔ مصباح المقربین

۱۰۔ مخزن التقاریر

۱۱۔ کشف الحقیقت عن مسائل المعرفت والطریقت

۱۲۔ التشریح علی التلویح (اُردو)

۱۳۔ وضاحت النحو

ان مستقل بالذات کتابوں کے علاوہ تنظیم اہل سنّت کے آرگن ہفت روزہ "دعوت" (لاہور) میں اُن کے کئی مضامین طبع ہوئے ہیں۔ نیز "باب الاستفسارات" کے عنوان سے سوالات کے جواب لکھتے تھے۔



سیّد دیدار علی الوری

مولانا سیّد دیدار علی شاہ بن سیّد نجف علی شاہ ۱۲۷۳ھ/۵۷-۱۸۵۶ء میں شہر الور کے محلہ نواب پورہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت موسیٰ کاظم رح سے ملتا ہے۔ اُن کے آبا و اجداد مشہد سے برّ صغیر میں آئے تھے۔

مولانا سیّد دیدار علی نے ابتدائی کتابیں اَلور میں مولانا قمر الدین سے پڑھیں۔ فقہ و منطق مولانا ارشاد حسین رامپوری (م ۱۳۱۱ھ) اور درسِ نظامی کی بعض کتابیں مولانا کرامت اللہ دہلوی سے پڑھیں۔ مولانا احمد علی محدّث سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) اور مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (م ۱۳۱۳ھ) سے اجازتِ حدیث حاصل کی تھی۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد مدرسہ ارشاد العلوم رامپور میں ایک سال تدریس کی۔ چند برس بعد سال بھر کے لئے بمبئی چلے گئے۔ ۱۳۲۵ھ/۰۸-۱۹۰۷ء میں الور میں ایک دینی درس گاہ "مدرسہ قوّت الاسلام" کی بنیاد رکھی۔ پھر لاہور آ گئے اور مدرسہ نعمانیہ سے بطور مدرس منسلک رہے۔

۱۳۳۵ھ/۱۷-۱۹۱۶ء میں شاہی مسجد آگرہ کے خطیب اور مفتی کی حیثیت سے آگرہ تشریف لے گئے۔ آریہ سماجیوں کی تحریک شدھی کا مقابلہ کیا اور تبلیغ و دعوتِ دین کا کام کیا۔ پانچ سال بعد دوبارہ لاہور آ گئے۔ مسجد وزیر خان کے خطیب مقرّر ہوئے۔

۱۳۴۳ھ/۲۵-۱۹۲۴ء میں مرکزی انجمن حزب الاحناف" قائم کی جس کے ماتحت دار العلوم "حزب الاحناف" دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔

مولانا سیّد دیدار علی حنفیت میں متشدّد تھے اور علامہ اقبال اُن کے تشدّد کی زد

میں آکر "کافر" قرار پائے تھے۔[1] موصوف سادگی شعار اور بے باک عالم تھے۔ کامیاب واعظ اور مقرر تھے۔

۲۲ رجب ۱۳۵۴ھ / ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو فوت ہوئے اور دار العلوم حزب الاحناف اندرون دہلی دروازہ لاہور کے احاطے میں دفنائے گئے۔ اُن کے فرزند ارجمند مولانا سید ابوالحسنات نے تاریخ وفات کہی ؎

حافظ پس سرکوبی اعدائے شریعت
"دیدار علی یافتہ دیدارِ علی را"

۱۳۵۵-۱ = ۱۳۵۴ھ

مولانا سید دیدار علی کی تالیفات یہ ہیں:

۱۔ تفسیر میزان الادیان (مقدمہ و تفسیر سورۂ فاتحہ)
۲۔ ہدایۃ الغوی در رد روافض
۳۔ رسول الکلام فی بیان المولود والقیام
۴۔ تحقیق المسائل
۵۔ ہدایۃ الطریق
۶۔ سلوکِ قادریہ
۷۔ علاماتِ وہابیہ
۸۔ فضائلِ رمضان
۹۔ فضائلِ شعبان
۱۰۔ الاستغاثہ من اولیاء اللہ

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے ذکرِ اقبال ص ۱۲۷۔ ۱۳۰

۱۱۔ دیوانِ دیدار (فارسی)

۱۲۔ دیوانِ دیدار (اُردو)

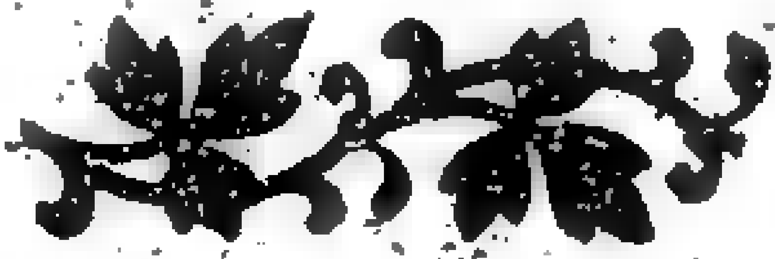
۱۳۔ المبسوط فی فریضۃ الجمعۃ مع شروط

۱۴۔ بلوغ المرام (میلاد النبی کے موضوع پر ایک رسالہ)

مولانا سید دیدار علی کی اولاد میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادوں نے بڑی عمر پائی۔ صاحبزادوں کے نام علمی دُنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

۱۔ مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری

۲۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری



خواجہ دین محمد چوروی

خواجہ دین محمد بن خواجہ نور محمد المشہور بہ بابا جیو بن خواجہ فیض اللہ بن خان محمد کا سلسلہ نسب خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رض سے جا ملتا ہے۔ خواجہ دین محمد، حضرت خواجہ نور محمد کے تیسرے صاحبزادے اور خواجہ فقیر محمد (چورہ شریف) کے برادرِ اصغر تھے۔ ابتدا میں انہیں تعلیم کی طرف مطلق رغبت نہ تھی۔ خواجہ محمد امین (جو "اُستاد کلاں" کے لقب سے مشہور تھے) سے قرآن مجید پڑھا اور بائیس سال کی عمر میں کتبِ درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ کتبِ تصوف اپنے چچا حضرت گل محمد (برادرِ اصغر خواجہ نور محمد) سے پڑھیں۔

صاحبِ مطالعہ شخص تھے اور عوام میں "حضرت ملّا صاحب" کے عُرف سے پہچانے جاتے تھے۔ قوتِ یادداشت بہت اچھی تھی۔ جو کتاب ایک بار اُن کی نظر سے گذر جاتی اُس کے مضامین طویل عرصہ تک لوحِ حافظہ سے محو نہ ہوتے۔ زندگی بھر درس و تدریس کا شغل رہا۔

سنہ ۱۲۹۰ھ میں زیارتِ حرمین کے لیے حجاز کا سفر کیا۔ اپنے والد ماجد حضرت خواجہ نور محمد سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت تھے۔ اور اُن کے سجّادہ نشین ہوئے۔ تعلیمی و اصلاحی خدمات میں مصروف ۶ ذی القعدہ ۱۳۲۵ھ/۱۱ دسمبر ۱۹۰۷ء کو چورہ شریف (ضلع اٹک) میں وفات پائی اور وہیں دفنائے گئے۔ قطعہ تاریخِ وفات یہ ہے؎

جناب خواجۂ دینِ محمد چو زیں دارِ فنا نقلِ مکاں یافت
بسالِ رحلتش خواجہ سر در شم بگفتا بس بہشتِ جاوداں یافت[1]

۱۳۲۵ھ

مؤلف "انوارِ تیراہی" نے اُن کے ۱۹ خلفاء کے نام لکھے ہیں[2]۔ جن میں مندرجہ ذیل نے

---

[1] انوارِ تیراہی معروف بہ گلزارِ نوری ص ۱۰۲

[2] ایضاً ص ۸۰-۸۱

علمی دنیا میں نام پیدا کیا۔

۱۔ مفتی غلام رسول امرتسری

۲۔ مولوی احمد دین ساکن خونی چک

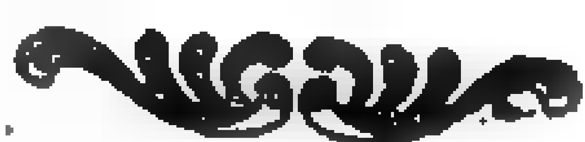
۳۔ مفتی غلام مصطفےٰ امرتسری

۴۔ مولوی محمد احسن سہالوی

خواجہ دین محمدؒ کے دو بیٹے ہوئے۔

۱۔ محمد دیدار شاہ

۲۔ محمد عادل شاہ مؤلف "انوارِ تیراہی معروف بہ گلزار نوری"



سیّد رجب علی

مولانا سیّد رجب علی بن سیّد علی بخش نقوی ۱۸۰۶ء/۱۲۲۱ھ میں تلونڈی میں پیدا ہوئے۔ سکھ دورِ اقتدار میں مولانا سیّد رجب علی اور اُن کے خاندان کی جائیداد ضبط کرلی گئی اور وہ جگراؤں منتقل ہوگئے۔ سیّد رجب علی بارہ سال کی عمر میں لاہور آگئے اور ملّا مہدی خطائی لاہوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ۱۲۴۰ھ/۲۶-۱۸۲۵ء میں دہلی چلے گئے اور مفتی صدرالدین سے استفادہ کیا اور اُن ہی کے مدرسے میں ریاضی پڑھانے لگے۔ پانچ سال دہلی میں گزار کر بھوپال چلے گئے اور مختارِ ریاست کی طرف سے شرعی فتوے لکھنے پر مامور ہوگئے۔ تین سال بھوپال میں مقیم رہ کر ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۳ء میں جگراؤں آگئے۔

سیّد رجب علی کی علم ریاضی میں شہرت سے متاثر ہوکر والئی کپورتھلہ سردار فتح سنگھ نے ریاست کے نہری نظام کی ترقی کے لئے اُن کی خدمات حاصل کرلیں۔ کپورتھلہ کی چندے ملازمت کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کرلی اور "منشی ممالک پنجاب" ہوگئے ۱۸۵۲ء/۷۰-۱۲۶۹ھ میں خلعت وسند کے ساتھ سبکدوش ہوئے۔

سیّد رجب علی سرکار دربار میں رسائی رکھتے تھے اور انگریزوں کے معاون ومددگار تھے۔ راجپوتانہ کی جنگ میں اُنہوں نے انگریزوں کی خوب مدد کی۔ اسی طرح ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں انگریز جنرل نیچر کے ساتھ بطور میر منشی کام کرتے رہے۔ جنگِ آزادی کے ناکام ہونے پر انگریزوں نے اپنے حلیفوں کو انعام واکرام سے نوازا تو سیّد رجب علی کو خلعت، جاگیر، پانچ ہزار روپے نقد، ارسطو جاہ اور خان بہادر کے خطابات دیئے گئے۔

۱۸۶۱ء/۷۸-۱۲۷۷ھ میں اُنہوں نے حج کیلئے سفرِ ارضِ پاک کیا۔ اس سفر میں وہ

اہلِ علم سے ملے۔ کتابیں خریدیں اور دو سال بعد واپس وطن آ گئے۔

موصوف مذہب شیعہ کی ترویج و تبلیغ کے لئے کوشاں رہے۔ انہوں نے "مجمع البحرین" پریس لگایا۔ اس سے بے شمار مذہبی کتابیں شائع کیں جن سے شیعہ نقطۂ نظر کے عام کرنے میں مدد لی گئی۔ موصوف عربی و فارسی کے شاعر، خطیب اور مناظر تھے۔ ۶۵ برس کی عمر پا کر ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۶ھ/ ۲۷ ستمبر ۱۸۶۹ء کو جگراؤں میں فوت ہوئے۔ ان کی اولاد میں دو صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا شریف الحسن

۲۔ مولانا شریف الحسنین

مولانا سید رجب علی کی قلمی یادگاریں یہ ہیں:

۱۔ کشف الغطاء فی تفسیر سورہ ہل اتیٰ

۲۔ سرّ اکبر فی تفسیر سورۃ والفجر

۳۔ افادات علیہ (قصائد مدحیہ آئمہ)۔ فارسی[1]



---

[1] مطلع انوار ص ۲۳۴-۲۳۶

رحمت علی خان ساؔمی

مولانا رحمت علی خان ساؔمی بن حافظ امیر خان بن اخوند اعظم خان اندازاً ۱۸۸۶ء / ۱۳۰۳-۰۴ھ میں ضلع گجرات کے قصبہ سیکریالی میں پیدا ہوئے۔ اُن کے دادا اخوند اعظم خان احمد شاہ ابدالی کے بیٹے شاہ زمان کے حملہ پنجاب (۱۷۹۵-۹۶ء) کے وقت لشکر کے ہمراہ افغانستان سے آئے تھے۔ شاہی لشکر تو مالِ غنیمت لے کر واپس ہو گیا مگر اخوند صاحب سیکریالی میں مقیم ہو گئے۔

مولانا ساؔمی کے والد حافظ امیر خان ایک اچھے قاری اور حافظِ قرآن تھے۔ عمر بھر قرآن مجید پڑھاتے رہے۔ مولانا ساؔمی ابھی آٹھ نو سال کے تھے کہ والد ماجد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ انہوں نے برادرِ بزرگ حافظ نور احمد خان کی نگرانی میں تعلیم پائی۔ ابتدائی تعلیم قصبے کے پرائمری سکول میں حاصل کر کے گیارہ سال کی عمر میں لاہور گئے۔ اور مولانا حافظ محمد مقیم (ساکن موضع کردل ضلع شیخوپورہ) کے حلقۂ درس میں شمولیت اختیار کی۔ اُن سے ابتدائی دینی تعلیم کے بعد حافظ صاحب موصوف کے عم زاد اور بہنوئی مولانا علی حیدرؒ (ساکن نواں کوٹ لاہور) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ مولانا حیدر علی نے اپنے ہونہار شاگرد کی غیر معمولی ذہانت کے پیشِ نظر اُسے اپنے گھر کا فرد بنا لیا۔ اُنھوں نے مولانا ساؔمی کو ۱۹۰۱ء میں اورینٹل کالج لاہور میں داخل کرا دیا۔ ۱۹۰۷ء میں منشی فاضل کی سند حاصل کی۔ کالج کی چھ سالہ زندگی میں اُنہیں شمس العلماء مولانا عبدالحکیم کلانوری (م ۔۔۔ھ) اور شمس العلماء مولانا عبداللہ ٹونکی (م ۱۳۳۹ھ) جیسے اساتذہ سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ ۱۹۱۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں اپنے طور پر الف۔ اے اور مولوی فاضل کے امتحانات کی تیاری کی مگر امتحان میں شریک نہ ہو سکے۔ ذاتی مطالعہ سے انگریزی زبان پر بھی گرفت حاصل کر لی تھی۔

مولانا ساؔمی نے عملی زندگی کا آغاز سررشتۂ تعلیم پنجاب میں مدرسِ فارسی کی حیثیت

سے کیا تھا۔ تھوڑے تھوڑے عرصے کے لیے رہتک، ریواڑی اور پاکپتن میں مقیم رہے۔
بعد میں سرکاری ملازمت سے استعفا دے کر ایم۔ کے ہائی سکول چھچھرولی ریاست کلسیہ (ضلع انبالہ) میں ملازم ہو گئے جہاں ۱۹۱۵ء تا ۱۹۲۴ء رہے۔

چھچھرولی کے زمانۂ قیام میں انہوں نے ایک دینی درس گاہ "مدرسہ احیاء العلوم" کے نام سے قائم کی۔ جس کے منتظم اور صدر مدرس خود ہی تھے۔ مسجد معماراں چھچھرولی اُن کے مواعظِ حسنہ کا مرکز تھی۔

سنہ ۱۹۲۰ء کے آغاز میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں بغرضِ بیعت حاضر ہوئے انہوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت کے چند ماہ بعد نومبر سنہ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ کا انتقال ہو گیا۔

۱۹۲۵ء میں یوگنڈا (مشرقی افریقہ) کی ایک مسلم انجمن کی دعوت پر کمپالا تشریف لے گئے اور تقریباً سات سال یوگنڈا میں مقیم رہے۔ یوگنڈا کی زبان "لوگانڈا" چھ ماہ کی قلیل مدت میں سیکھ لی تھی۔ کمپالا میں وعظ و نصیحت اور تعلیم و تبلیغ میں مصروف رہے۔ ۱۹۳۲ء میں واپس وطن آ گئے۔ سنہ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۶ء تک اشاعتی ادارے فیروز سنز لاہور کے شعبۂ تصنیف و تالیف سے وابستہ رہے۔

۴ر نومبر ۱۹۶۱ء کو ایک حادثہ میں ان کی بائیں ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ٹانگ پر پلاسٹر لگا دیا گیا مگر ٹانگ جڑنے کے بجائے بے حس و حرکت ہو گئی۔ صاحبِ فراش ہی تھے کہ اسہال کی تکلیف لاحق ہو گئی۔ اسی بیماری میں ۲۶ اگست ۱۹۶۵ء/۲۸ ربیع الاولی ۱۳۸۵ھ کو وفات پائی۔ مرحوم کے فرزند ارجمند مولانا محمد نصر اللہ خان خازنؔ نے عربی میں پُر درد مرثیہ لکھا۔ جناب ضیاء محمد ضیاؔ صاحب نے ان الفاظ میں "نالۂ غم" بپا کیا۔

دریغا شیخِ ما رحمت علی خان   زگیتی سوئے جنّت شد خراماں

دریغا رخت بست آں فاضل عصر ‏ ‏ به عقبیٰ رو نهاد آں فخرِ دوراں
دریغ و دردِ آں گنجینۂ علم ‏ ‏ بزیرِ خاک شد امروز پنهاں
دریغا رفت آں مردِ خدابیں ‏ ‏ زبزمِ دہر سوئے باغِ رضواں
نہاں شُد چہرۂ خورشیدِ انور ‏ ‏ ردا بر رُخ کشیده ماهِ تاباں
بغارت بُرد امشب رہزنِ مرگ ‏ ‏ متاعِ دانش و اخلاص و ایماں
برفت آں یادگارِ دورِ اسلاف ‏ ‏ دو چشمم شُد دریں غم اشک افشاں
زآهِ گرمِ پیهم سینه ام سوخت ‏ ‏ دلم خوں شد ز مرگِ آں مسلماں
جهاں محروم شد از حکمتِ دیں! ‏ ‏ تہی شد مسندِ تفسیرِ قرآں

الٰہی جاد ہش در سایہ خویش!
روانش باد در فردوس شاداں

مرحوم سادہ مزاج اور گوشہ نشین بزرگ تھے۔ وعظ و تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ اُن سے حسبِ ذیل کتب یادگار ہیں:

عربی

۱۔ غایۃ البراعت فی معرفت علم البلاغت
۲۔ المعروضات الکافیہ فی معرفت علم العروض والقافیہ
۳۔ شرح قصیدہ عمرو الجنی
۴۔ اجرومیۃ اللغندیہ۔ لوگانڈا زبان کی گرامر (نامکمل۔ غیر مطبوعہ)
۵۔ کتاب العربیہ (غیر مطبوعہ)
۶۔ کتاب الصلوٰۃ ″
۷۔ انشاء المقالہ ″

۸۔ تلخیص الاشارات لابن سینا (نامکمل۔ غیر مطبوعہ)

۹۔ اجرومیۃ العربیہ (غیر مطبوعہ)

فارسی

۱۔ شرح قصیدہ بانت سعاد (غیر مطبوعہ)

۲۔ مختصر رسالہ عروض۔ منظوم 〃

اُردو

۱۔ الوافیہ فی شرح الکافیہ۔ شرح کافیہ ابن حاجب (غیر مطبوعہ)

۲۔ منتہی الصعو فی علم النحو 〃

۳۔ سعیدیہ شرح رشیدیہ 〃

۴۔ نہایت المراد فی شرح قصیدہ بانت سعاد 〃

۵۔ اقدامیہ الہم فی شرح قصیدہ لامیتہ العجم 〃

۶۔ ازہار الوردہ فی شرح قصیدہ البردہ 〃

۷۔ خلاصہ شرح تہذیب 〃

۸۔ خلاصہ شرح مطالع الانوار 〃

۹۔ مثنوی جواہر الزواہر، عروض وقافیہ پرایک مثنوی 〃

۱۰۔ خلاصہ حدائق البلاغت (نامکمل، غیر مطبوعہ)

۱۱۔ اُردو شرح مسند امام اعظم 〃

۱۲۔ الاسلام 〃

لوگانڈا

۱۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ الصلوٰۃ الکاملہ

۳۔ الخطبات الماثورہ من الآثار المشہورہ ۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے خطبات ماثورہ کا انتخاب مع لوگانڈا ترجمہ۔

۴۔ سرورِ عالم ۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے پمفلٹ کا ترجمہ

۵۔ البرہان فی ترجمۃ القرآن ۔ قرآن مجید کا اوّلین لوگانڈا ترجمہ ہے۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۶۱ء کو مکمل ہوا صرف آخری پارہ شائع ہوا ہے۔

۶۔ تفسیر سورۂ فاتحہ، سورۂ ق، سورۂ طور، سورۂ نجم، سورۂ ذاریات و سورۂ کہف صرف پہلی دو سورتوں کی تفسیر طبع ہوئی ہے۔

مولانا ساؔمی کے فرزند ارجمند کی تحقیق و تفحّص کے مطابق فیروز سنز لمیٹڈ لاہور کی مشہور تفسیر "تسہیل القرآن" اور کشف المحجوب کا اُردو ترجمہ "بیان المطلوب" بھی مولانا ساؔمی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے[۱]۔ اگرچہ ان پر مولانا کا نام بحیثیت مصنّف و مترجم نہیں ہے۔ فیروز سنز کے لیے اُنہوں نے ساتویں اور آٹھویں جماعت کے لیے عربی اور فارسی کی درسی کتابیں مرتّب کی تھیں۔

مولانا ساؔمی مرحوم اُردو، فارسی اور عربی میں شعر بھی کہتے تھے۔ تینوں زبانوں میں اُن کا کلام ملتا ہے رساؔمی تخلّص کرتے تھے "مثنوی جواہر الزواہر" کے ابتدائی نعتیہ اشعار بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں۔

ان سب میں بخشا ہے شرف بس سیّد کونین کو
خیر الوریٰ ختم الرسل آں سرورِ ثقلین کو
کر کے اُسے عالم میں بھیجا رحمت للعالمین
اور خاص بخشا اس کو علم اولین و آخرین

---

[۱] مولانا رحمت علی خان: ساؔمی ص ۹

وہ داعیٔ حق تھا کہ حق کا بول بالا کر دیا!
وہ تھا معراجِ حق کہ عالم میں اجالا کر دیا
اس نورِ حق نے سارے عالم کو منوّر کر دیا
اک معجزہ تھا وہ کہ عالم کو محیّر کر دیا
پس صد صلوٰۃ و صد سلام اس ہادیٔ ثقلین پر
اور آل اور اصحاب پر جو دیں کے ہیں رہبر



حافظ روح اللہ لاہوریؒ

حافظ روح اللہ لاہوری ۱۱۷۱ھ/۵۸-۱۷۵۷ء میں رونق افزائے عالم ہوئے۔ مختلف اساتذہ سے علومِ متداولہ کی تحصیل کی۔ مولانا محمد سلیم لاہوری اُن کے اساتذہ میں سے ہیں۔ حافظ روح اللہ نے معلّمی کا پیشہ اپنایا اور زندگی بھر اسی سے وابستہ رہے۔ سکھا شاہی میں مدارس و مکاتب کی رونق ماند پڑ گئی تھی مگر وہ شمعِ علم کو فروزاں کیے رہے۔ رنجیت سنگھ نے اُن کی شہرت سُنی تو دربار میں طلب کیا۔ اُن سے باتیں کیں اور عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔ سکھ امراء اُن کا بہت ادب کرتے تھے۔ شہر میں اُن کا فتویٰ مقبول تھا۔

۱۲۴۴ھ/۲۹-۱۸۲۸ء میں بغرضِ حج ارضِ حجاز کو روانہ ہوئے۔ جہاز میں رمضان کا چاند نظر آیا۔ تمام مسافروں نے اُن کے علم و نظر کے پیشِ نظر انہیں امامت کے لیے چنا۔ موصوف حافظِ قرآن نہ تھے مگر امامت قبول کی اور روزانہ ایک پارہ یاد کرنا شروع کیا۔ دن بھر ایک پارہ یاد کرتے اور رات کو تراویح میں سُنا دیتے۔ اس طرح ماہِ رمضان میں قرآن مجید ازبر کر لیا۔ جو اُن کی قوتِ یادداشت اور قرآن مجید سے لگن کا ثبوت ہے۔

فریضۂ حج ادا کرکے مدینہ منوّرہ گئے۔ چندے قیام کے بعد واپس ہوئے۔ راستے میں یمن میں ۱۲۴۴ھ/۲۹-۱۸۲۸ء کو جاں بحق ہوئے۔



زین الدین بکھڑی

مولانا زین الدین بن حافظ امیر گل بن میاں مبارک خان قطب شاہی اعوان قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا آبائی وطن انگہ ضلع سرگودھا ہے۔ اُنہوں نے موضع کفری میں مولانا غلام نبی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اس کے بعد موضع لیٹی میں مولانا محمد روشن سے استفادہ کیا۔ آخر میں بکھڑ (ضلع اٹک) جاکر مولانا محمد علی سے علومِ متداولہ کی تکمیل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر مولانا محمد علی بکھڑی کے ساتھ تعلیم و تدریس میں ہاتھ بٹانے لگے۔ طلبہ کو ہمیشہ تعلیم پر توجہ مرکوز کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ اور اُنہیں دوسرے اشغال سے الگ تھلگ رہنے کی نصیحت کرتے تھے۔

مولانا محمد علی بکھڑوی کے ہاتھ پر چشتی سلسلہ میں بیعت کی تھی۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔

خلیفہ محمد عابد جی (خلیفہ اوّل مولانا محمد علی بکھڑی) کی وفات پر خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے اُنہیں بکھڑ سے بلایا اور اُنہیں مولانا محمد علی بکھڑی کا خلیفہ دوم نامزد کیا۔ تقریباً ۲۳ سال سجادہ نشین رہ کر ۱۳ محرم ۱۲۹۵ھ/۱۷ جنوری ۱۸۷۸ء کو فوت ہوئے۔ اور مقبرہ مولانا محمد علی بکھڑوی میں دفنائے گئے۔ مولوی عبداللہ گلیانی نے "غاب نور الٰہ" سے سالِ وفات نکالا ہے۔ مزار پر حسبِ ذیل اشعار مرقوم ہیں:

خواجۂ ما عنصور زین الدین — شدہ کامل زفیضِ ایں شہ دیں
تاج پوشے زشاہ سلیمان شد — نائب پیرِ خود دوراں شد
درکمالات عشق فائق شد — فیض بخشِ ہمہ خلائق شد

جان پاکش ندائے ارجعی بشنید — کرد پرواز سوئے عرش مجید
گفت ہاتف وصال زین الدین — صاحب الکمال شیخ زین الدین

۱۲۹۵ھ

مولانا زین الدین صاحبِ مطالعہ اور کتاب دوست عالم تھے۔ کتابوں سے عشق تھا۔ کتب فروشوں سے نادر و نایاب کتابیں منہ مانگے داموں خرید لیتے تھے۔ تونسہ شریف کے عُرس میں پابندی سے شرکت کرتے تھے اور ایک ایک کتاب فروش کے پاس جاکر کتابیں دیکھتے اور واپسی پر ضرورت کی تمام کتابیں خرید لیتے تھے۔ تونسہ شریف آنے والے تمام کتب فروش اُن کی اِس عادت سے واقف ہو گئے تھے۔ اس لئے مولانا زین الدین کی واپسی تک تونسہ شریف میں رہتے تھے۔ کتابوں کی خریداری کے بعد عموماً یہ شعر پڑھتے تھے ع

جمادے چند دادم، جاں خریدم!
بنام ایزد عجب ارزاں خریدم

کتابوں کی حفاظت اور جلد بندی میں پوری توجہ سے کام لیتے تھے۔ مکھڈ کے اہلِ علم اور طلبہ کو کتابیں عاریتہً دے دیتے تھے۔ کتب خانہ خانقاہ کا بڑا حصہ اُن ہی کا جمع کردہ ہے۔

مولانا زین الدین کی مُہر کا نقش یہ تھا:

"سلیماں محمد علی نامور — وزیر الشان شد زین الدین بہرہ ور"

مولانا زین الدین کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے تھے۔ دونوں صاحبزادے سراج الدین اور خواجہ محکم الدین اُن کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ صاحبزادی کا عقد اپنے شاگرد میاں محمد سے کیا۔ جن کے فرزند مولانا غلام محی الدین اُن کے جانشین ہوئے۔[1]

---

[1] ملخص از تذکرۃ السدید تلفین

سراج احمد خانپوری

مولانا سراج احمد بن مولانا احمد یار بن مولانا محمد عالم قصبہ مکھن بیلہ متصل شہر خانپور ضلع رحیم یار خاں میں ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۰۳ھ / ۱۳ ستمبر ۱۸۸۶ء کو رونق افزائے عالم ہوئے۔[1] اُن کا خاندان علم و فضل کے اعتبار سے خاصا معروف تھا۔ اُن کے والد محترم مولانا احمد یار اور دادا مولانا محمد عالم جید علماء میں سے تھے۔

انہوں نے اپنے گاؤں میں تعلیم کا آغاز کیا۔ پھر چاچڑاں کے مشہور مدرسہ جامعہ فریدیہ میں مطول تک درسیات مولانا تاج محمود اور مولانا غلام رسول سے پڑھیں۔ باقی کتابیں قصبہ مہند ضلع بہاول پور میں علامہ امام بخش سے پڑھیں، اُن ہی سے دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۱۷ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔[2] نہایت ذہین اور مطالعہ کے شائق طالب علم تھے۔ اکثر کتابیں ذاتی مطالعہ سے پڑھ لی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ چودہ سال کی عمر میں درسِ نظامی کی تکمیل کر لی۔

دس سال کی عمر میں خواجہ غلام فرید سے بیعت ہوئے تھے اور اُن کے خلفائے مجاز میں سے تھے۔[3]

فارغ التحصیل ہوئے تو تدریس شروع کی۔ جامعہ فریدیہ میں ایک عرصہ پڑھاتے رہے۔ ڈیرہ گبولاں ضلع رحیم یار خان اور اپنے گاؤں مکھن بیلہ میں تشنگانِ علم کی پیاس بجھائی۔ خانقاہ فریدیہ کے سجادہ نشین حضرت فیض فرید کی تعلیم و تربیت کے لیے چاچڑاں میں قیام پذیر ہوئے اس کے علاوہ کچھ عرصہ بھرچونڈی شریف ضلع سکھر (سندھ) اور مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان

---

[1] الیواقیت المہریہ ص ۱۴۴

[2] ایضاً ص ۱۴۴

[3] اولیائے بہاول پور ص ۱۵۶

میں تدریسی فرائض انجام دیئے آخر میں مدت دراز تک مدرسہ عربیہ سراج العلوم خانپور اُن کے فیض کا گہوارہ بنا رہا۔

مولانا خانپوری نے نمود و نمائش سے دُور خدمتِ دین میں زندگی گذاری۔ تقریباً ستر سال درس نظامی پڑھایا۔ اس کے علاوہ فتویٰ دیتے تھے اور فقہ حنفی پر گہری نظر رکھتے تھے ان کے کئی فتوے سابق ریاست بہاول پور کی عدالتوں میں فیصلوں کی بنیاد بنے۔

۵ ذی قعدہ ۱۲۹۲ھ / ۱۲ دسمبر ۱۹۷۲ء کو فوت ہوئے۔ ان کی علمی یادگاروں میں "سراج الفتاویٰ" (غیر مطبوعہ) اور "الزبدۃ السراجیہ فی علم المیقات والمیراث والوصیہ" ہیں [1]

مولانا مرحوم سے ایک زمانہ نے استفادہ کیا ہے۔ چند معروف تلامذہ یہ ہیں۔

۱۔ خواجہ حافظ عبدالرحمان بھر چونڈی شریف (م ۱۳۸۰ھ)

۲۔ پیر سید مغفور القادری

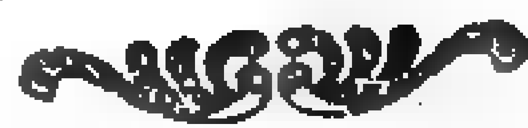
۳۔ خواجہ فیض فرید سجادہ نشین چاچڑاں شریف

۴۔ مولانا عبدالسبحان (خلف الرشید)

۵۔ مولانا حافظ سراج احمد مہتمم مدرسہ عربیہ سراج العلوم خانپور

۶۔ مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی

۷۔ مولانا حسن الدین ہاشمی



[1] تذکرہ اکابر اہل سنت، ص ۷، ۱۴

ابوالفضل سردار احمد فیصل آبادیؒ

مولانا ابوالفضل سردار احمد بن میراں بخش ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء میں ضلع گورداسپور کے قصبہ دیال گڑھ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان دُنیوی وجاہت کے اعتبار سے جاٹ برادری میں ممتاز تھا مگر علوم دینی کی کوئی روایت نہ رکھتا تھا۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم دیال گڑھ میں حاصل کی۔ ۴۳-۱۳۴۴ھ/ ۲۵-۱۹۲۴ء میں دیال گڑھ سے بٹالہ منتقل ہو گئے اور اسلامیہ ہائی سکول بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔[۱] اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے لاہور آ گئے۔ ان ہی دنوں میں مولانا حامد رضا خان بریلوی مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کے اجلاس (۱۳۵۲ھ) میں تشریف لائے۔ مولانا سردار احمد صاحب اُن کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انگریزی تعلیم کی بساط لپیٹ کر اُن کے ساتھ بریلی چلے گئے۔ بریلی میں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی، مولانا حامد رضا خان اور مولانا مصطفٰے رضا خان سے استفادہ کیا۔ بعد میں آٹھ سال مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر میں مولانا امجد علی مؤلف "بہارِ شریعت" کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

سندِ فراغت حاصل کر کے بریلی آ گئے اور جامعہ رضویہ منظرِ اسلام میں "معلّم دوم" مقرر ہوئے۔ مولانا حامد رضا خان کی نگرانی میں کام کا موقع ملا۔ باہر سے آنے والے استفتاء اُن کے حوالے کیے جاتے تھے اور وہی جواب لکھتے تھے۔ مولانا حامد رضا خان نے انہیں جواب پر اپنی مہر لگانے کی اجازت دے دی تھی۔[۲]

---

[۱] نائب اعلیٰ حضرت ص ۱۹

[۲] ایضاً ص ۳۲

پانچ سال جامعہ رضویہ منظر اسلام میں تدریسی فرائض انجام دیتے تھے کہ جامعہ رضویہ مظہر اسلام میں شیخ الحدیث ہو گئے اور دس سال حدیث کی تدریس کی نیز مسجد بی بی (بریلی) میں خطبہ جمعہ دیتے رہے۔ بریلی کے زمانہ قیام میں اُن کی شہرت ایک مناظر کی حیثیت سے بھی تھی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ایک عبارت (از حفظ الایمان) پر اُنہوں نے مولانا محمد منظور نعمانی مدیر "الفرقان" سے مباحثہ کیا تھا۔[1]

قیام پاکستان پر مولانا سردار احمد کا وطن مالوف فسادات کا شکار ہوا اور وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ آغاز میں گجرات اور سارودکی میں قیام کیا۔ ۱۳۶۸ھ کے اواخر/ ۱۹۴۹ء میں فیصل آباد آ گئے اور مسجد نور طارق آباد میں پہلا خطبہ جمعہ دیا۔ ۱۳۶۹ھ/۵۰-۱۹۴۹ء میں بے سروسامانی کے عالم میں اللہ کا نام لے کر جامعہ رضویہ مظہر اسلام کی تجدید کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی مساعی جمیلہ کو کامیاب کیا اور آج اُن کی قائم کردہ یہ درس گاہ ملک کی اہم دینی درسگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔

مولانا سردار احمد سلسلہ چشتیہ میں مولانا سراج الحق سے بیعت تھے اور قادری طریقہ میں مولانا حامد رضا خان سے استفادہ کیا تھا اور ایک رائے کے مطابق اُن سے مجازِ بیعت تھے۔

مولانا موصوف باوقار عالم دین تھے۔ اُن کا وعظ مؤثر اور دلکش ہوتا تھا۔ اُن سے سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا جو اپنے اپنے حلقے میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آخری عمر میں ذیابیطس اور بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ علاج معالجہ کے لیے کراچی گئے اور وہیں ۲۹ر دسمبر ۱۹۶۲ء/ ۲ر شعبان ۱۳۸۲ھ کو جان جانِ آفرین کے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد حامد فقیہ۔ مناظرہ بریلی کی مفصل روئیداد
محمد رفاقت حسین۔ فتح بریلی کا دلکش نظارہ

حوالے کی۔ میّت فیصل آباد لائی گئی اور اپنی بنا کردہ سُنی رضوی جامع مسجد میں دفنائے گئے۔

مصرعہ تاریخ ہے:

ہادیِ بستاں، رہبرِ اسلام، نورالہُدیٰ

۱۳۸۲ھ

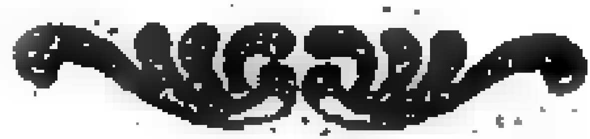
مولانا مرحوم مدرّس تھے اور اُن کا زیادہ وقت تدریس میں ہی گزرتا تھا تاہم اُن سے حسبِ ذیل رسائل یادگار ہیں۔

۱۔ اسلامی قانونِ وراثت

۲۔ تبصرہ مذہبی ۔۔ جناب عنایت اللہ خان المشرقی کے "تذکرہ" پر تبصرہ

۳۔ مرزا (غلام احمد قادیانی) مرد ہے یا عورت؟

۴۔ موت کا پیغام دیوبندی مولویوں کے نام



سلطان احمد قادری

مولانا سلطان احمد قادری بن میاں غلام ربانی موضع چھپڑ ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے موضع بھرتہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مولانا غلام محمود پپلانوی اور مولانا غلام رسول (دانہی والے) سے درسِ نظامی کی اکثر کتب پڑھیں۔ دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے۔ اساتذہ دارالعلوم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور سندِ فراغ حاصل کی۔

حضرت سلطان باہو (م ۱۱۰۲ھ) کی اولاد میں ایک بزرگ سلطان نور احمد تھے۔ ان سے تعلقِ بیعت رکھتے تھے۔ صوفی صافی تھے اور کم و بیش پچاس سال علومِ دینیہ کی تدریس کی۔ آخر میں موسٰی والا (نزد پپلاں، میانوالی) میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہیں صفر ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء میں فوت ہوئے۔ موضع موسٰی والا میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

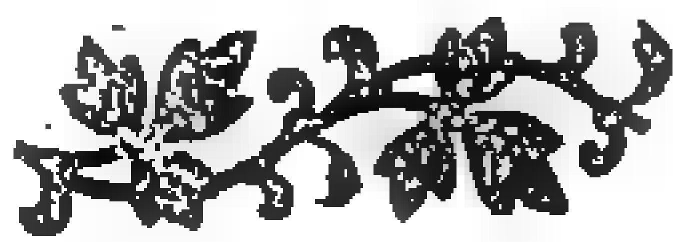
مولانا سلطان احمد قادری، مولانا حسین علی مؤلف "بلغۃ الحیران" کے ناقدین میں سے تھے۔ ان سے ایک دفعہ مناظرانہ گفتگو بھی کی۔ مولانا سلطان احمد نے کوئی قلمی یادگار نہیں چھوڑی، البتہ بیسیوں تلامذہ ان کے فیضان کو عام کر رہے ہیں۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی سجادہ نشین خانقاہ چشتیہ سیال شریف۔

۲۔ مولانا محمد حسین شوق پپلانوی

۳۔ مولانا غلام یٰسین (دال چھچراں)

۴۔ مولانا محمد اشرف سیالوی شیخ الحدیث، مدرسہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف۔



سلطان محمود ملتانی

مولانا سلطان[1] محمود بن فریدالدین ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی۔ بعض کتب درسیہ اپنے والد ماجد سے پڑھیں بعد میں مولانا قادر بخش (ساکن ڈیرہ اسماعیل خان) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

تیرہویں صدی ہجری کے آخری ربع میں ڈیرہ اسماعیل خان سے ملتان آئے[2] اور "پیپل والی مسجد" کو وعظ و تبلیغ کا مرکز بنایا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) کی کتابوں کے رسیا تھے اور توحید و سنت کے احیاء کا جذبہ رکھتے تھے۔ بدعات و محدثات کے خلاف آواز بلند کرنے پر لوگوں نے ایذائیں دیں مگر اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ وسطی پنجاب اور گردونواح کی آبادیاں اُن کی دعوت و تبلیغ سے گونج اُٹھیں۔ تقریباً نصف صدی قرآن و سنت کی تدریس اور تبلیغ کی۔

بلند اخلاق، متواضع، صابر و شاکر اور قناعت پسند عالم دین تھے۔ مسلک، حدیث پر مبنی تھے اور کسی امام کی تقلید نہیں کرتے تھے۔[3] تقریباً پچاس سال کی عمر میں بمرض طاعون ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں فوت ہوئے۔ مولانا مرحوم سے دو کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ رسالہ در ردِ وحدت الوجود۔ "توفیقیہ" کا جواب ہے۔

۲۔ رسالہ ردِ تقلید۔

مولانا کے دونوں صاحبزادوں۔ مولانا عبدالعزیز محدث ملتانی مؤلف القول العلی حاشیہ ملا حسن اور مولانا ابو محمد عبدالحق ملتانی نے علمی دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

---

[1] اصل نام "محمود" تھا مگر عوام میں "سلطان محمود" مشہور ہوگئے [2] فاروق العزیز ص ۲۸

[3] نزہت الخواطر ج ۸ ص ۱۶۳

قاضی سلطان محمود

قاضی سلطان محمود بن غلام غوث بن غلام مصطفٰے بن غلام محمد ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء میں اعوان شریف ضلع گجرات کے ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے مختلف مقامات حاجی والا (ضلع گجرات)، ملکہ (تحصیل کھاریاں ضلع گجرات)، چنن گڑھ (ضلع گجرات) اور پنجاب کے دیہات کدلتھی، اتھوا محرم خان، چکی اور غور غشتی میں مقیم رہے۔ کچھ عرصہ پشاور میں بھی قیام کیا۔ ۲۵ سال کی عمر میں درس نظامی کی تکمیل کی۔

فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس کا شغل اپنایا اور اصلاح و ارشاد میں مصروف رہے۔ حضرت اخوند عبد الغفور صاحب سوات (م ۱۸۷۷ء) سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے اور انہوں نے خلافت سے مشرف فرمایا تھا۔

قاضی سلطان محمود صاحب نے درسی کتابوں پر محققانہ تعلیقات و حواشی تحریر کیے ہیں جو تا حال زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئے۔ خط نسخ اور خط نستعلیق میں بہت خوبصورت لکھتے تھے۔ کتابوں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ اور ایک اچھا کتب خانہ فراہم کیا تھا۔

آخری عمر میں رعشہ کا مرض لاحق ہو گیا تھا اور بیماریوں نے از حد لاغر کر دیا تھا۔ وفات سے تین سال پہلے گھر سے گاؤں کے دائرہ (چوپال) میں منتقل ہو گئے تھے۔ وہیں یکم شعبان ۱۳۳۷ھ/۲ مئی ۱۹۱۹ء کو وفات پائی۔ ملا نیاز الدین تیراہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مزار اعوان شریف میں ہے۔ تاریخ وفات "قبلۂ ما قاضی سلطان محمود"

۱۳۳۷ھ

اور "کل نفس ذائقۃ الموت" سے نکالی گئی ہے۔

۱۹۱۹ء

قاضی صاحب مرحوم سے ایک دنیا نے علمی و دینی استفادہ کیا تھا۔ چند نامور خلفاء یہ ہیں۔

۱۔ قاضی عبدالرحمان مرحوم ساکن پنڈی سرہال

۲۔ صاحبزادہ محبوب الرحمان

۳۔ مستری احمد بخش ساکن رتہ امرال راولپنڈی

۴۔ مولانا سراج الدین لاہوری

۵۔ ملا نیاز الدین تیراہی



سلطان محمود

مولانا سلطان محمود کھٹالہ شیخاں ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر میں پہلوانی اور دیہاتی کھیلوں میں عملاً مہارت حاصل کی۔ اُن کے ماموں جیّد عالم دین تھے۔ انہوں نے نوجوان سلطان محمود کو تعلیم کی جانب راغب کیا اور تعلیمی اخراجات اپنے ذمے لیے۔ قرآن مجید پہلے ہی حفظ تھا۔ اب درسِ نظامی کی تحصیل شروع کی۔ مختلف اساتذہ اور درسگاہوں میں تعلیم پانے کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ کی خدمت میں زیادہ وقت گزارا۔ حضرت شاہ صاحب کے درس میں اُن کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ ان کا درس من وعن ضبط کرلیں۔ سنن ابی داؤد کے افادات قلمبند کیے تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کرکے دہلی تشریف لے گئے اور مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی مسند پر فائز ہوئے۔ اس زمانے میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے بھی استفادہ کیا۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) سے سلاسلِ اربعہ میں بیعت اور مجازِ صحبت تھے۔

۱۳۶۲ھ میں دہلی سے وطن مالوف آگئے اور کھٹالہ شیخاں میں "مدرسہ خادمِ علومِ نبوت" کی بنیاد رکھی۔ تادمِ آخر تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہے۔ ۱۵ رذی الحجہ ۱۳۸۴ھ/۱۸ اپریل ۱۹۶۵ء کو جان، جانِ آفرین کے حوالے کی۔ مولانا ولی اللہؒ (ساکن انہی) نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور کھٹالہ شیخاں میں مدفون ہوئے۔

مولانا مرحوم سے حسب ذیل دینی رسائل یادگار ہیں۔ زبان سادہ ہے اور دلائل سے آراستہ ہیں۔

۱۔ ساردا بل اور اسلام۔ ستمبر ۱۹۲۹ء میں یہ بل پاس ہوا جس کے مطابق ۱۴ سال سے کم عمر

لڑکی اور ۱۸ سال سے کم عمر لڑکے کی شادی قابلِ مواخذہ جُرم قرار دی گئی۔ اس بِل کے خلاف یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔ رسالہ پر مدرسین مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری کے ساتھ مفتی محمد مظہر اللہ امام مسجد فتح پوری (م ۱۳۸۷ھ) کی حسبِ ذیل رائے درج ہے۔

"اس رسالہ کو میں نے دیکھا جناب مولانا مولوی سلطان محمود صاحب نے قانون سارداِبل کے مضار پر جس خوبی سے روشنی ڈالی ہے وہ قابلِ تحسین ہے اللہ تعالیٰ ممدوح کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کو اس بلائے ناگہانی سے نجات دے کر مولانا ممدوح کی کوشش کو ٹھکانے لگائے" [1]

۲۔ تسہیل البیان فی توضیح القرآن صرف مقدمہ اور سورۂ فاتحہ کی تفسیر شائع ہوئی ہے۔

۳۔ ضرورتِ رسالت (دو حصے)

۴۔ تبلیغی دستور العمل (تین حصے)

۵۔ چودہ مسائل

۶۔ تیرہ مسائل

۷۔ سیاستِ اسلامیہ اور فلسفۂ جہاد



---

[1] سارداِبل اور اسلام ص ۲۴

خواجہ ثناءاللہ خراباتی

خواجہ ثناءاللہ خراباتی معروف بہ پیر خرابات ۱۲۲۴ھ/۱۰-۱۸۰۹ء میں بمقام طنگاہ ضلع بلندپر (نزد سری نگر) میں پیدا ہوئے۔ وہ حضرت عبدالرحمان بلبل شاہ (م ۷۲۷ھ) کی اولاد میں سے تھے۔ اُن کے والد ماجد کا نام معلوم نہیں۔ اُن کے نانا حضرت سید عبدالغفور شاہ باکمال بزرگ تھے۔ اُنہوں نے خواجہ ثناءاللہ کو رفوگری کا فن سکھایا۔ چنانچہ ۱۲۵۸ھ/۴۳-۱۸۴۲ء تک اسی فن سے آذوقہ حیات حاصل کرتے رہے۔ تجارت اور سیر و سیاحت کی غرض سے ایران، افغانستان اور برصغیر پاک و ہند کے کئی شہروں میں گھومنے پھرنے کا اتفاق ہوا۔

خواجہ ثناءاللہ خراباتی کی تحریروں سے اُن کے اساتذہ کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدارس و مکاتب کے کچھ زیادہ مرہونِ احسان نہیں رہے۔

اپنے نانا سید عبدالغفور شاہ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اُن سے خلافت حاصل کی۔ خواجہ خراباتی کو حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی سے بہت زیادہ عقیدت تھی۔ اُنہوں نے اکثر قصائد اور متعدد کتابوں میں اُن سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ شاہ محمد صادق سے بھی ارادت مندانہ تعلق رکھتے تھے اور تیس سال اُن سے اکتسابِ فیض کیا۔ اس کے بعد دورانِ سیر و سیاحت میں متعدد اہل اللہ کی مجالس میں بیٹھے۔

اُن کی زندگی میں ضلع بلندپر میں بہت بڑا سیلاب آیا اور وہ نقلِ مکانی کر کے نیا بازار متصل شیر دروازہ (جموں) آ گئے۔ ایک دن اتفاقاً سر بازار راجہ گلاب سنگھ سے ملاقات ہوئی۔ مہاراجہ کو معلوم ہوا کہ خواجہ خراباتی متعدد علوم و فنون میں دستگاہ کامل رکھتے

ہیں تو "توشہ خانے" کا انچارج بنا دیا۔[۱]

۱۲۷۱ھ / ۵۵-۱۸۵۴ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کے تین وزیروں نے ان پر غبن کا الزام لگایا اور مہاراجہ نے تحقیق کی زحمت اٹھائے بغیر انہیں قلعہ ہری پربت میں محبوس کر دیا جب ایک دوست کے ذریعہ رہا ہوئے تو جموں کو خیرباد کہہ دیا۔ جالندھر، امرتسر اور سیالکوٹ میں مختصر قیام کرتے ہوئے جلال پور جٹاں آ گئے۔

جموں میں زندگی کے تیس سال گزارے تھے اور عوام میں "صمد جیو" کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے اپنے فرائضِ منصبی انجام دینے کے ساتھ ساتھ عوام کی اصلاح اور سلسلۂ قادریہ کی نشر و اشاعت کا کام کیا تھا۔

جلال پور میں ان کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا خلقِ خدا کا ہجوم رہتا تھا۔ متوکل بزرگ تھے اور اپنے پاس کچھ رکھنے کے قائل نہ تھے۔ جو ہوتا اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ایک بار ان کے مرید خاص خواجہ نظر محمد نے سونے کا ایک زیور خریدا۔ انہیں پتہ چلا تو ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا:

"میرے پاس جو کچھ تھا میں نے جھاڑو سے سب نکال باہر کیا۔ تم اسے دوبارہ گھر لاتے ہو۔ جتنا جلد ہو سکے اسے فقیروں میں تقسیم کر دو۔"[۲]

۱۷ ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ / ۲۱ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو فوت ہوئے اور کلا چور متصل جلالپور جٹاں میں دفنائے گئے۔

۱؎ خواجہ خراباتی کے بارے میں اکثر روایات سماعی اور قیاسی ہیں اس لئے ان میں شک و شبہ کی گنجائش موجود ہے مہاراجہ گلاب سنگھ ان کے علم و فضل سے متاثر ہوا اور انچارج "توشہ خانے" کا بنایا؟ انہیں کسی دار العلوم کا سربراہ ہونا چاہیئے تھا۔ اگر یہ روایت درست ہے تو خواجہ خراباتی نے اپنے علم و فضل کو ردائے فقر میں چھپایا ہوگا اور امانت و دیانت کی بنیاد پر اس منصب پر پہنچے ہوں گے۔

۲؎ فہرست نسخہ ہائے خطی خواجہ ستار اللہ خراباتی ص ۳۴-۳۵

تصنیفات:

خواجہ سنار اللہ خراباتی علومِ متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ فارسی، عربی، کشمیری، اردو، پنجابی اور ترکی زبانیں جانتے تھے۔۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فکرِ بلند اور ذہن رسا عطا کیا تھا۔ انہوں نے کم و بیش ایک سو کتابیں نظم و نثر میں تالیف کیں جن میں سے باون[۲۴] زمانہ کی دستبرد سے بچ سکی ہیں۔ ان میں سے پچاس فارسی زبان میں اور باقی دو کشمیری زبان میں۔ ان کتابوں کی تفصیلی فہرست ایک ایرانی فاضل جناب محمد حسین تسبیحی نے تیار کی اور خواجہ خراباتی کو علمی دنیا میں متعارف کرایا۔ ان ہی کے حوالے سے فہرستِ کتب نقل کی جاتی ہے[۲۵]:

۱۔ بحرالانوار (منظوم)

۲۔ تحفۃ الزمان (منظوم)

۳۔ تحفۃ القادری (منظوم)

۴۔ تذکرۃ الکاملین (״)

۵۔ تذکرۃ الواصلین (״)

۶۔ تصدیق الایقان یا گنجِ محمدی دوم (منظوم)

۷۔ تفریح المجالس (منظوم و منثور)

۸۔ تفریح المجالس (منظوم)

۹۔ تفسیر سنار جلد دوم (منظوم)

۱۰۔ جنات النعیم (منظوم)

۱۱۔ جنت الاسرار جلد اوّل (منظوم)

۱۲۔ جنت الاسرار جلد دوم (״)

---

[۲۵] خلاصۃ الاسرار و تحفۃ القادری (دیباچہ) ص ۴-۵ و فہرست نسخہ ہائے خطی ص ۱۸-۲۲

۱۳۔ جنت العارفین (منظوم)

۱۴۔ جنت العارفین (منثور)

۱۵۔ چہاردہ بند محی الدین (منظوم)

۱۶۔ حق الاسلام (منظوم و منثور)

۱۷۔ حقیقۃ الافعال (منظوم)

۱۸۔ حقیقۃ الاولیاء (منظوم)

۱۹۔ تجرد نامہ خراباتی (منظوم)

۲۰۔ خلاصۃ الاسرار (")

۲۱۔ خلاصۃ التوحید موحدین (منثور و منظوم)

۲۲۔ درد نامہ (منظوم)

۲۳۔ دفتر پنجم از کلیات

۲۴۔ دلیل الصادقین (منظوم و منثور)

۲۵۔ دیوان خراباتی (بزبان کشمیری منظوم)

۲۶۔ دیوانِ خراباتی یا دیوانِ فضلی (منظوم)

۲۷۔ دیوانِ خراباتی یا دیوانِ فضلی (منظوم)

۲۸۔ سبحاتِ آفتابی در دو بابی (منظوم)

۲۹۔ سراج الطالبین (منظوم)

۳۰۔ سلسلۂ فضلی یا نسب نامہ بزرگ (منثور)

۳۱۔ سلسلۂ فضلی یا نسب نامہ کوچک (منثور)

۳۲۔ سماع العرفان (منظوم)

۳۳۔ شجرہ نامہ یا نسب نامہ طریقت (منظوم)

۳۴۔ شمع العارفین و سجن الکافرین (منظوم)

۳۵۔ شمع الہدیٰ (منظوم و منثور)

۳۶۔ شمع الہدیٰ یا سراج الہدیٰ یا رحیما (منظوم)

۳۷۔ صراط المستقیم (منظوم)

۳۸۔ عبرت نامہ (منظوم)

۳۹۔ عجیب التعبیر (منظوم)

۴۰۔ قصر لو العجب عشق بزبان کشمیری (منظوم)

۴۱۔ کنز المجربات یا جنت الاعلیٰ ششم (منظوم)

۴۲۔ گلبدن (منظوم)

۴۳۔ گنج لا فنا (منظوم)

۴۴۔ لغات در فرقہ ہائے ضال (منظوم و منثور)

۴۵۔ للّٰہی نامہ یا اللہ نامہ (منظوم)

۴۶۔ مجمع البرکات (منظوم)

۴۷۔ مجمع الفضائل (منظوم)

۴۸۔ مغفرت نامہ (منظوم)

۴۹۔ مغفرت نامہ (منظوم و منثور)

۵۰۔ مہاراج نامہ (منظوم)

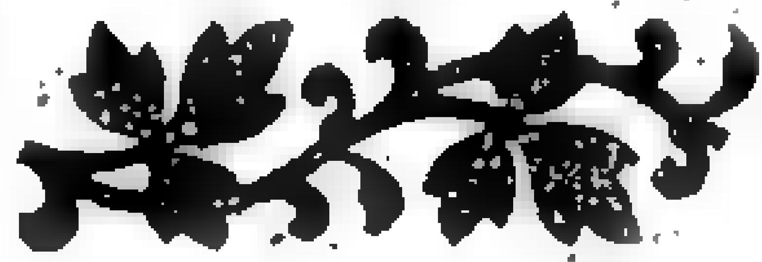
۵۱۔ مہاراج نامہ (")

۵۲۔ نصرت نامہ (")

ان میں سے دو کتابیں "خلاصۃ الاسرار" اور "تحفۃ القادری" جناب محمد حسین تسبیحی کی تصحیح اور ثانی الذکر پروفیسر احمد حسین احمد قلعہ داری کے ترجمہ کے ساتھ طبع ہوئی ہیں۔

خواجہ خراباتی کسی کو آسانی سے بیعت نہیں کرتے تھے بلکہ ایسی شرائط عائد کرتے تھے کہ "کامل" ہی اُن کا مُرید ہو سکتا تھا۔ اُن کے پانچ خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ نظر محمد
۲۔ سیّد فضل شاہ جلالپوری (ساکن جلالپور جٹاں)
۳۔ محمد احسن
۴۔ محمد صادق امرتسری
۵۔ سیّد عبدالغفار شاہ سیالکوٹی



سیّد احمد ــــ فیضی میاں غورغشتوی

مولانا سیّد احمد المعروف بہ فیضی میاں بن مولانا فضل احمد بن شیخ احمد جابری سہالوی کے جدِ اعلیٰ موضع سہال ضلع راولپنڈی کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے غورغشتی گئے اور آج تک اُن کی اولاد وہیں آباد ہے۔

مولانا سیّد احمد ۱۲؍ ربیع الاولیٰ ۱۲۵۳ھ/۱۶؍ جون ۱۸۳۷ء کو پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں کئی پشتوں سے تعلیم و تعلّم کا سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ انہوں نے ابتدائی کتابیں اپنے والدِ ماجد سے پڑھیں۔ کافیہ مولانا بہاء الدین غورغشتوی سے پڑھا۔ شرح جامی اور عبدالغفور کے اسباق مولانا نظام الدین جلالوی سے پڑھے۔ پشاور کے مشہور عالم مولانا حافظ جی سے علمی استفادہ کیا۔ اُن ہی سے سندِ حدیث حاصل کی۔ مولانا سیّد احمد زمانۂ طالب علمی ہی سے اس قدر ذہین و فطین تھے کہ انہیں ملّا ابوالفیض فیضی مؤلف "سواطع الالہام" کی مناسبت سے "فیضی میاں" کہا جانے لگا اور یہ لقب اس قدر مشہور ہوا کہ اصل نام دب گیا۔

مولانا فیضی میاں، اخوند صاحب سوات ملّا عبدالغفور (م ۱۲۹۳ھ) سے بیعت تھے۔ انہوں نے درویشانہ زندگی گزاری۔ کبھی بھی امراء اور خوانین کے تحائف قبول نہ کیے۔ غورغشتی میں سلسلۂ درس و تدریس جاری کیا۔ اُن کے درس میں افغانستان اور صوبہ سرحد کے طلبہ شریک رہتے تھے اور اکتسابِ فیض کرتے تھے۔ ۱۵؍ صفر ۱۳۰۱ھ/ ۱۶؍ دسمبر ۱۸۸۳ء کو فوت ہوئے۔ مولانا فیضی میاں نے تجرّد کی زندگی بسر کی تھی۔ اُن کے سلسلۂ درس کو اُن کے برادران مولانا نور احمد غورغشتوی اور مولانا امیر احمد غورغشتوی نے جاری رکھا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — گفت سبحان ربی الاعلیٰ

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible] صحرا

[illegible] — [illegible] لطف عطا

[illegible]

سیّد شرف شاہ بخاری

ابو عبداللہ سیّد شرف شاہ بخاری بن سیّد صفدر علی شاہ بخاری ۱۸۲۰ء/۳۶-۱۲۳۵ھ کے لگ بھگ جنبری سیّداں ضلع میرپور (آزاد کشمیر) میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت مخدوم سیّد جلال الدین حیدر سرخپوش اوچی (م ۶۹۰ھ) سے ملتا ہے۔ اُن کے دادا سیّد اسماعیل شاہ بخاری حقّانی بلند پایہ عالم اور صوفی تھے۔ علوم مروّجہ کی تحصیل دادا اور والد ماجد سے کی، کچھ عرصہ بغرضِ تعلیم ملتان میں مقیم رہے۔

اپنے والد محترم سے سہروردیہ سلسلۂ طریقت میں بیعت تھے۔ قادری سلسلہ میں "پیرانِ کھاڑ" سے خلافت حاصل کی تھی۔ وعظ و تبلیغ کا طبعًا ذوق تھا چنانچہ جہاں جاتے اصلاح و ارشاد اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری کر دیتے تھے۔ آبائی وطن سے ترکِ سکونت کر کے خطۂ پوٹھوار کے مشہور گاؤں "دُلمی" تشریف لے آئے تھے۔ یہاں اُن کی ذات مرجع خلائق رہی۔

زندگی کے آخری چند سالوں میں موضع دُلمی سے اُٹھ کر موضع بھائی خان آ گئے تھے۔ اُنیسویں صدی کے آخری عشرہ میں وہاں فوت ہوئے۔[1]

---

[1] ماہنامہ "سلسبیل" (لاہور) تذکرۃ الاولیاء جدید ص ۲۰۵ - ۲۰۸

شریف اللہ خان سواتی

مولانا شریف اللہ خان بن مولانا مفتی فقیر اللہ خان ۱۳۰۷ھ/۹۰-۱۸۸۹ء میں سوات کے قصبہ عالی گرامہ (نیک پخیل) میں پیدا ہوئے۔[۱] وہ نسبی طور پر پٹھانوں کے یوسف زئی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن میں والدین کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے۔ اُن کی پرورش اُن کے ماموں مولانا حنیف اللہ خان نے کی۔ مولانا حنیف اللہ خان سابق ریاست دیر میں قاضی کے منصب پر فائز تھے۔ وہیں مولانا شریف اللہ نے اپنے ماموں سے بعض کتبِ درسیہ پڑھیں۔

مولانا شریف اللہ ۱۹۰۶ء/۱۳۲۴ھ میں مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہوئے اور نو سال زیرِ تعلیم رہ کر سندِ فراغت حاصل۔ ان کے نامور استادوں میں مولانا فضلِ حق رامپوری کا نام ملتا ہے۔ رامپور سے سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے اور مولانا محمود حسن سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے کے لئے تبرکاً بخاری شریف دوبارہ پڑھی۔

مولانا شریف اللہ خان نے حصولِ تعلیم کے بعد مدرسہ ارشاد العلوم رامپور میں پڑھانا شروع کیا۔ کچھ عرصہ بعد لاہر پور (لکھنؤ) کے مدرسہ رکنیہ سے منسلک ہو گئے اس مدرسہ کے بانی رکن الدین نامی شخص تھے۔ اور اُن کے نام کی مناسبت سے

---

[۱] ہفت روزہ "الاعتصام" بابت ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ ص ۱۲۔ ایک دوسری روایت کے مطابق مولانا شریف اللہ خان ۱۸۹۹ء کے شروع میں موضع سرلڑٹی ضلع سوات میں پیدا ہوئے تھے (ہفت روزہ "آئین" بابت یکم نومبر ۱۹۷۹ء)

مدرسہ کا نام رکھا گیا تھا۔ پانچ سال تک وہاں کام کیا اس کے بعد دہلی چلے گئے اور مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری سے منسلک ہو گئے۔ ابتداء میں بحیثیت نائب صدر مدرّس کام شروع کیا بعد میں صدر مدرّس ہو گئے اور مدرسہ کا اہتمام و انصرام بھی اُن ہی کے ذمے تھا۔ قیام پاکستان تک دہلی میں رہے۔ موصوف "مدرسہ عالیہ" کے ساتھ ساتھ مدرسہ رحمانیہ میں بھی درس دیتے تھے۔ دہلی کے زمانۂ قیام میں ان سے سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا۔ ان کے شاگردوں میں مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد جونا گڑھی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی جیسے افراد شامل ہیں۔ مولانا مودودی نے ان سے تفسیر میں بیضاوی، حدیث میں ترمذی، فقہ میں ہدایہ اور معانی و بلاغت میں مطوّل پڑھی تھی۔

تقسیم ہند کے بعد مولانا شریف اللہ خان لاہور میں مقیم ہوئے۔ مولانا سید داؤد غزنوی نے "مدرسہ غزنویہ" کا احیاء لاہور میں کیا تو اس کے اوّلیں مدرس مولانا موصوف تھے۔ مدرسۃ البنات میں بھی عربی پڑھاتے رہے۔ ۱۹۵۴ء/۲-۷-۱۳۷۳ھ میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی بنیاد رکھی گئی تو جماعت اہل حدیث کے اصرار پر وہاں تشریف لے گئے۔ ۱۹۶۳ء کے آخر تک (۱۳۸۳ھ) وہیں رہے۔ فیصل آباد کے زمانۂ قیام میں اُن پر فالج کا حملہ ہوا اور کم و بیش دو سال کے لئے سلسلۂ درس و تدریس منقطع ہو گیا۔ صحت یاب ہونے پر دوبارہ لاہور میں تعلیم و تدریس شروع کی۔

لاہور میں جامعہ اشرفیہ، مدرسہ نصرۃ الحق اور جامعہ مدنیہ سے منسلک رہے۔ بروز جمعہ ۳۱ راگست ۱۹۷۹ء/۷ رشوال ۱۳۹۹ھ کو فوت ہوئے۔ دوسرے روز نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے۔

مولانا مرحوم کی پہلی اہلیہ کا انتقال دہلی کے زمانۂ قیام میں ہوا تھا۔ اُن سے ایک صاحبزادی زندہ ہیں۔ مولانا کی دوسری اہلیہ، علامہ محمد پردل خان کی صاحبزادی تھیں جن سے مولانا کے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حیات ہیں۔

مولانا مرحوم کی تالیفات میں بی۔اے اور ایف۔اے کے فارسی نصاب پر مختلف امدادی کتابیں ہیں۔ان کے علاوہ عربی زبان میں اُن کا کلام بھی موجود ہے۔



شمس الدین وزیر آبادی

مولانا شمس الدین بن ملا محمد بن محمد مسلم بن عبدالغنی بن قاضی رحیم الدین قریشی اسعدی ۱۲۰۵ھ/۹۱-۱۷۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِ امجد قاضی رحیم الدین قریشی سلطان پور نزد ننگرال (افغانستان) کے رہنے والے تھے۔ بلند پایہ عالم اور صاحبِ اثر و رسوخ تھے۔ علاقہ ننگرال میں اُن کا فتویٰ عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بہادر شاہ اوّل کے زمانے (۱۱۱۸ھ/۱۷۰۶ء - ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء) میں جلال آباد (افغانستان) کے قاضی مقرر کیے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جلال آباد سے غزنی اور وہاں سے پشاور منتقل ہو گئے آخر میں وزیر آباد کے عہدۂ قضا پر فائز ہوئے۔ وزیر آباد کے نزدیک ایک گاؤں مردیکے میں رہائش رکھتے تھے۔ وہیں زندگی کے آخری ایام بسر کیے۔

قاضی رحیم الدین کی رحلت کے بعد عہدۂ قضا اُن کے اخلاف میں چلا آتا رہا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ خاندان مردیکے سے پنجاب کے دوسرے دیہات میں پھیلتا چلا گیا۔ مولانا شمس الدین کے والدِ ماجد ملا محمد (م ۱۲۸۹ھ) صاحبِ علم اور دیندار شخص تھے۔ اچھے خطاط بھی تھے۔ اپنے ہاتھ سے قرآن مجید لکھتے اور وقف کرتے رہتے تھے۔

مولانا شمس الدین نے علمی ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ اُن کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اُنہوں نے لاہور کے بلند پایہ معاصر علماء سے اکتسابِ فیض کیا۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا جان محمد لاہوری، خلیفہ غلام محمد لاہوری اور مولانا غلام محی الدین بگوی کے نام ملتے ہیں۔ علم ریاضی کی تحصیل اخوند علی احمد پشاوری سے کی[1]

---

[1] علمائے ساہووالہ (سیالکوٹ) کا ایک غیر مطبوعہ تذکرہ ص ۹-۱۰

مروّجہ علوم کی تحصیل کے بعد مولانا شمس الدین نے ملازمت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کی محفل سجائی۔ تشنگانِ علوم نے اُن کے خوانِ علم سے خوشہ چینی کی۔ موصوف کتاب دوست تھے اور اس شوق میں اُنہوں نے ایک عمدہ کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ علم و وجاہت کے اعتبار سے بااثر افراد میں سے تھے۔ حکام وقت اُن کی عزت و احترام کرتے تھے۔

۸۸ سال کی عمر میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ / ۲۷ دسمبر ۱۸۷۶ء کو فوت ہوئے۔ مولانا غلام حسین ساکن ساہووالہ (ضلع سیالکوٹ) نے حسب ذیل مصرعۂ تاریخ کہا ع

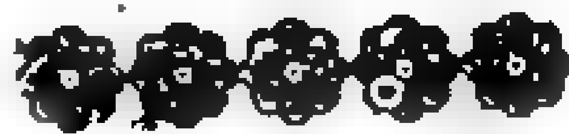
شمسِ دین زینت ارم پاک افروز

مولانا شمس الدین کے دو فرزند تھے:

۱۔ محمد شہسوار الدین احمد (م ۱۳۲۱ھ)

۲۔ محمد شہنواز الدین۔ انسپکٹر مدارس تھے۔ اُنہوں نے اپنے برادرِ بزرگ محمد شہسوار الدین احمد کے مرتبہ خاندانی شجرے میں اضافے کئے۔ جو بعد میں مولانا غلام حسین (ساکن ساہووالہ) نے "ثمرۂ شجرۂ طیبہ" کے تاریخی نام سے مدوّن کیا۔

۱۳۲۲ھ



شمس الدین علوی

مولانا شمس الدین علوی بہاولپور کے رہنے والے تھے۔ اُن کے جدامجد نواب محمد بہاول خان ثانی کا عہد (۱۱۸۶ھ-۱۲۲۴ھ) میں بہاول پور آئے تھے۔ اس خاندان کے افراد سابق ریاست بہاول پور کے منصبِ قضا پر فائز رہے تھے۔ مولانا شمس الدین اس خانوادۂ علماء کے گوہر شب چراغ تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور مختلف مناصب سے ترقی کر کے ریاست کے چیف جج بنے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان تونسوی رح سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔ زہد و تقویٰ اور امانت و دیانت اُن کی زندگی کے نمایاں پہلو تھے۔ فرائضِ منصبی کی بجا آوری سے جو وقت بچتا تھا۔ مطالعہ کتب اور تصنیف و تالیف میں صرف کرتے تھے۔ فنِ طب سے دلچسپی تھی اور غریبوں کا مفت علاج کرتے تھے۔

۱۳۰۲ھ/۸۵-۱۸۸۴ء میں بہاولپور میں فوت ہوئے[۱]۔ اُن کی حسبِ ذیل تالیفات ملتی ہیں:

۱۔ ترجمہ کتاب الاکسیر۔ مخزنِ سلیمانیہ

فنِ طب پر علامہ عبدالعزیز پرہاروی رح کی تالیف کا ترجمہ ہے۔

۲۔ مجرباتِ شمسیہ (غیر مطبوعہ)

۳۔ حاشیہ شرح وقایہ (")

۴۔ عقائدِ شمسیہ (")

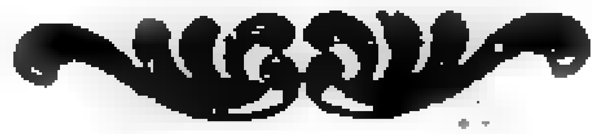
---

[۱] اولیائے بہاول پور ص ۲۷۷-۲۷۸

۵۔ سراج العصمت۔ (غیر مطبوعہ)

۶۔ حالات اہل قبور (〃)

ریاست بہاول پور کی مشہور تاریخ "تاریخ مراد" (تالیف۔ سید مراد شاہ) کی ترتیب و تہذیب میں انہوں نے مؤلف، کا بھرپور تعاون کیا تھا۔



خواجہ شمس الدین سیالوی

خواجہ شمس الدین سیالوی بن میاں محمد یار ۱۲۱۴ھ/۱۸۰۰-۱۷۹۹ء میں سیال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ میاں محمد یار کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں حضرت شیر کرم علی قادری سے ملتا ہے جو اپنے وقت کے معروف بزرگ تھے۔ حضرت شیر کرم علی قادری کا مقبرہ نواح سیال میں موجود ہے۔ خواجہ شمس الدین پنجاب کے معروف کھوکھر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

خواجہ شمس الدین کے والد ماجد نے اُن کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ سات سال کی عمر میں حفظِ قرآن سے فارغ ہوئے اور حصولِ تعلیم کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اپنے ماموں میاں احمد الدین کے ہمراہ موضع میکھی ڈھوک تحصیل فتح جنگ گئے۔ وہاں کے مدرسہ میں، چند ماہ رہ کر نام حق اور کریما پڑھا۔ یہاں سے مکھڈ تشریف لے گئے۔ مسلسل تیرہ سال مکھڈ میں زیر تعلیم رہے۔ مولانا محمد علی مکھڈی سے بطور خاص علمی و دینی استفادہ کیا۔ دو سال احلاص ضلع اٹک میں فقہ حنفی کی تعلیم کے لئے مقیم رہے۔

دورانِ تعلیم میں خواجہ شمس الدین کو کابل جانے کا اتفاق ہوا۔ کابل کے ایک متبحر عالم حافظ دراز (م ۱۲۶۳ھ) کی خدمت میں رہ کر فقہ و حدیث کا درس لیا۔ اُن سے ہدایہ پڑھا اور سند حاصل کی۔

مولانا محمد علی مکھڈی تلاشِ مرشد میں خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہ شمس الدین اُن کے ہمراہ تھے۔ خواجہ شمس الدین کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے دونوں حضرات کو بیعت کر لیا اور کچھ عرصہ

تونسہ میں رہ کر استاد و شاگرد واپس کھڈ آ گئے۔

مولانا محمد علی مکھڈی کی اولاد نہ تھی۔ خواجہ شمس الدین کو اپنی اولاد کی طرح رکھتے تھے۔ اور اُن کی علمی ترقی کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد علی نے اپنی زندگی میں اُنہیں اپنا جانشین بنا دیا تھا۔

۲۴ سال کی عمر میں خواجہ شمس الدین وطن واپس آئے تو اُن کا نکاح، اُن کے چچا میاں احمد یار کی دُختر سے ہوا اور مستقل طور پر "سیال" میں رہنے لگے۔ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد میں اُن کا وقت گزرتا تھا۔ دو سال بعد یعنی ۲۶ سال کی عمر میں خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔ سیال میں اُنہوں نے اعلیٰ پائے پر خانقاہی نظام قائم کیا اور علاقے میں سلسلۂ چشتیہ کی خوب اشاعت کی۔

خواجہ شمس الدین ۲۱ صفر ۱۳۰۰ھ/ یکم جنوری ۱۸۸۲ء کو وطن مالوف میں فوت ہوئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ؎

دریغا، صد دریغا، صد دریغا
کہ شمس الدین امام العارفین رفت
ہزار افسوس کیں مہرِ جہان تاب
بہ اوجِ عرش از فرشِ زمین رفت
چو سرور جُست تاریخش ز ہاتف
بگفتا "شمسِ اوجِ علم و دین رفت"[۱]

۱۳۰۰ھ

خواجہ شمس الدین کے تین فرزند تھے۔

۱- تاریخ مشائخ چشت، ص ۷۰۵

۱۔ خواجہ محمد الدین سیالوی (جانشین)۔

۲۔ خواجہ فضل الدین

۳۔ خواجہ شجاع الدین

خواجہ شمس الدین کے ۲۵ خلفاء کے نام پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھے ہیں[1]۔ چند معروف ترین خلفاء یہ ہیں:

۱۔ خواجہ محمد الدین (فرزند و جانشین)

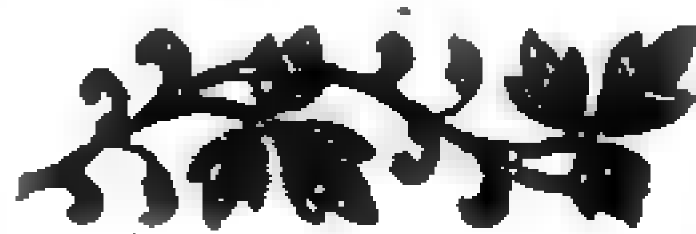
۲۔ پیر غلام حیدر علی شاہ جلالپوری

۳۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی

۴۔ مولانا معظم الدین مرولوی

۵۔ مولانا محمد امین چکوڑوی

خواجہ شمس الدین سیالوی سے کوئی کتاب یادگار نہیں ہے۔ البتہ اُن کے ملفوظات سید محمد سعید نے "مراۃ العاشقین" کے نام سے مرتب کئے تھے جن میں اُن کے افکار و نظریات کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔



---

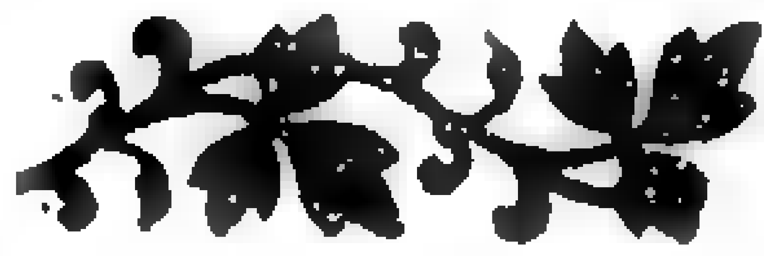
[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۷۰۶ - ۷۰۷

صابرالدین چکوالی

مولانا صابرالدین بن مولانا برہان الدین چکوال کے علمائے حنفیہ میں سے تھے۔ ۱۲۸۸ھ/۷۲-۱۸۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور اپنے والدِ مکرم سے ابتدائی نوشت و خواند سیکھی۔ بعد ازیں مولانا غلام محمد چکوالی اور بعض دوسرے علمائے وقت سے علومِ مروّجہ کی تحصیل کی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) سے حدیث پڑھنے کے لئے گنگوہ حاضر ہوئے اور اُن سے استفادہ کیا۔

مولانا صابرالدین حصولِ تعلیم سے فارغ ہو کر علمی و دینی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ بااخلاق، صالح اور مخیّر بزرگ تھے۔

۸ رجب ۱۳۳۴ھ/۱۱ مئی ۱۹۱۶ء کو دارِ فانی سے سفرِ آخرت اختیار کیا۔[۱]



۱۔ نزہتہ الخواطر ج ۸، ص ۱۸۶-۱۸۷

صدرالدین چکوالی

مولانا صدرالدین (معروف بہ نورالدین) شیخ گڈھوک قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ موصوف میاں نیک محمد نقشبندی مدفون بمقام ڈھڈی تحصیل پنڈ دادن خان کے بھانجے تھے۔ مولانا صدرالدین اندازاً ۱۲۴۸ھ/۳۳-۱۸۳۲ء میں موضع کھوکھر تحصیل چکوال میں پیدا ہوئے۔ اُن کے زمانۂ تعلیم کے بارے میں کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔

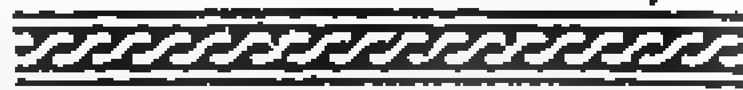
سکھوں کے دورِ اقتدار میں ضلع اٹک میں خزانچی کے عہدے پر فائز تھے۔ انگریزوں کے زمانۂ حکومت میں ملتان میں مقیم رہے اور فارسی زبان وادب کی تدریس کرتے تھے۔ ۱۳۲۲ھ/۲۳-۱۹۰۵ء میں فوت ہوئے۔

مولانا صدرالدین فارسی زبان کے بلند پایہ ادیب اور فارسی و پنجابی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ موصوف سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ گلدستہ تاریخ گڈھوک (فارسی۔ غیر مطبوعہ)

۲۔ سوانح عمری میاں نیک محمد نقشبندی (فارسی۔ غیر مطبوعہ)

۳۔ کلام بزبانِ فارسی۔ جس میں ایک مثنوی اور میاں نیک محمد نقشبندی کی مدح میں چند قصائد شامل ہیں[1]



---

[1] دھنی ثقافت وادب ص ۱۲۸-۱۲۹

خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی

خواجہ محمد ضیاء الدین بن خواجہ محمد الدین بن خواجہ شمس الدین سیالوی ۱۳۰۴ھ/۸۷-۱۸۸۶ء میں آبائی وطن سیال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے "منظورِ حق" اُن کا تاریخی نام ہے۔
۱۳۰۴ھ

خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی نے قرآن مجید حفظ کیا اور اساتذۂ وقت سے علوم مروّجہ کی تحصیل کی۔ اپنے والد بزرگوار خواجہ محمد الدین کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ سلیمانیہ میں بیعت کی اور خرقۂ خلافت حافظ محمد موسیٰ تونسوی (م ۱۳۲۳ھ) نے عطا کیا۔ اپنے والد ماجد کے وصال پر اُن کے جانشین ہوئے۔

خواجہ محمد ضیاء الدین مطالعہ کے بے پناہ شائق تھے۔ تقابلِ ادیان اُن کے موضوعات مطالعہ میں سے تھا۔ بائبل پر گہری نظر رکھتے تھے۔ دار العلوم ضیاء شمس الاسلام نے اُن کی نگرانی میں کافی ترقی کی۔ اُنہوں نے پنجاب اور بیرونِ پنجاب کے قابل اور معروف اساتذہ کی خدمات حاصل کیں۔ دار العلوم کے کتب خانے میں قیمتی اور نادر و نایاب کتابوں کا اضافہ کیا۔

خواجہ صاحب نے علمی اور تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ تحریکِ حریت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدم تعاون میں خود عملی حصّہ لیا اور اپنے ارادتمندوں کو اِن تحریکوں میں حصّہ لینے کی تلقین کی۔ اس زمانے میں خواجہ صاحب نے اپنے اُن ارادت مندوں کے نذرانے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جو حکومتِ برطانیہ کی ملازمت میں تھے۔ سون سکیسر کے پہاڑی علاقے میں حکومتِ برطانیہ نے اُن فوجیوں کی یاد میں ایک تختی نصب کی تھی جنہوں نے پہلی عالمی جنگ میں اپنے ہم مذہب بھائیوں

پر چند ٹکوں کے عوض گولیاں چلائی تھیں۔ خواجہ صاحب نے وہ پتھر اکھاڑ پھینکا۔ اُنہوں نے فرمایا تھا کہ:

"ہم اُن بد بختوں کے نام دیکھنا نہیں چاہتے جنہوں نے عربوں پر گولیاں چلائی تھیں"[1]

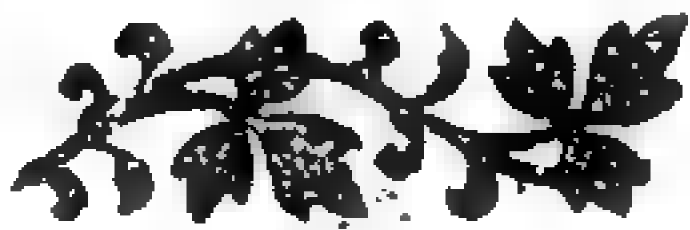
خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی ۱۲ محرم ۱۳۴۸ھ/۱۲ جون ۱۹۲۹ء کو فوت ہوئے اور سیال میں اپنے جدِّ امجد خواجہ شمس الدین تونسوی کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

خواجہ صاحب کی علمی یادگاروں میں ایک رسالہ "معیار المسیح المعروف ضیاء الشمس" ہے۔ مرحوم بلند شعری ذوق رکھتے تھے اور گاہے گاہے خود بھی اُردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔

خواجہ مرحوم کے چار فرزند ہیں:

۱۔ خواجہ قمر الدین سیالوی (جانشین) ۲۔ صاحبزادہ بدر الدین

۳۔ صاحبزادہ فخر الدین ۴۔ صاحبزادہ ظہیر الدین



---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۲۴۵-۲۴۴

مولانا سید ضیاء الدین سلطانپوری

مولانا سید ضیاء الدین بن سید حمید شاہ بن سپارت شاہ بن نور علی شاہ موضع سلطانپور ضلع اٹک میں ۱۳۱۲ھ / ۹۵-۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان میں علمی روایت چلی آرہی تھی۔ ان کے خاندانی ذخیرۂ کتب میں سید سپارت شاہ کے کتابت کردہ خطی نسخے موجود ہیں[1]۔ زبانی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا خاندان تقویٰ و تورع میں معروف رہا ہے۔

مولانا سید ضیاء الدین نے ابتدائی تعلیم مولانا احمد دین (ساکن بھوٹی گاڑ ضلع اٹک) سے حاصل کی۔ صرف و نحو کی تحصیل موضع شاہراں (ضلع اٹک) میں کی۔ اس زمانے میں یہ گاؤں صرف و نحو کی تعلیم کا ایک بڑا مرکز تھا۔ افسوس ہے کہ اس مرکز کی "شمع علم" کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے جس کے گرد طالب علم پروانہ وار جمع ہوتے تھے۔

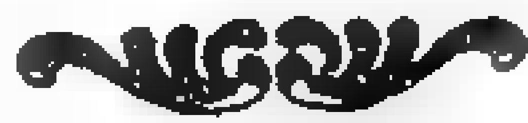
صرف و نحو میں مہارت پیدا کرنے کے بعد مولانا مشتاق حسین کانپوری کی خدمت میں اجمیر حاضر ہوئے اور استفادہ کیا۔ دورۂ حدیث کی تکمیل جامعہ امینیہ دہلی سے کی۔

فارغ التحصیل ہو کر وطن مالوف آئے اور ۱۳۳۶ھ / ۱۸-۱۹۱۷ء میں مدرسہ حمیدیہ کی بنیاد رکھی۔ وفات سے دو تین سال پہلے تک مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ فقہ، اصولِ فقہ اور میراث کے فنون میں بطورِ خاص درک رکھتے تھے۔ علاقے میں ان کا فتویٰ تسلیم کیا جاتا تھا۔ ۱۷ ربجمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ / ۱۸ جولائی ۱۹۷۳ء کو فوت ہوئے اور سلطان پور میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

---

[1] فکر و نظر (اسلام آباد) بابت اکتوبر ۱۹۷۷ء ص ۲۷-۳۲

مولانا سیّد ضیاء الدین حلیم الطبع اور متواضع شخصیّت کے حامل تھے۔ تدریس کے ساتھ اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کرتے اور اکلِ حلال کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ مرحوم پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مخلص مریدوں میں سے تھے۔ مولانا مرحوم کے صاحبزادے علمی و دینی خدمات میں مصروف ہیں۔



قاضی ظفر الدین لاہوری

قاضی ظفر الدین بن امام الدین لاہوری ۱۲۷۵ھ/۵۹-۱۸۵۸ء میں موضع کوٹ قاضی ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے اساتذۂ گرامی میں حسبِ ذیل نام ملتے ہیں:

۱۔ مفتی علاء الدین محمد (شاگرد سید نذیر حسین دہلویؒ)
۲۔ ابو احمد مراد علی (شاگرد مولانا فضلِ حق خیر آبادی)
۳۔ مولانا عبداللہ (شاگرد مفتی سعداللہ مراد آبادی)
۴۔ مولانا محمد الدین (شاگرد مفتی لطف اللہ علی گڑھی)
۵۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری
۶۔ مولانا غلام قادر بھیروی

قاضی صاحب فارغ التحصیل ہوئے تو اکتوبر ۱۸۸۱ء/۱۲۹۸ھ میں اورینٹل کالج لاہور میں بحیثیت مدرّس دوم (شعبہ عربی) ملازم ہوئے۔ ۱۹۰۵ء/۲۳-۱۳۲۲ھ میں سبکدوش ہوئے۔[۱]

قاضی صاحب نے ایک عربی مجلّہ "نسیم الصباء" جاری کیا تھا۔ عربی میں شعر بھی کہتے تھے۔ اُن کی اہم تصنیفات یہ ہیں:[۲]

۱۔ الباکورۃ الشہیۃ فی شرح الفیہ
۲۔ نیل المرام فی اصول الاحکام

۱؎ تاریخ اورینٹل کالج ص ۲۱۱

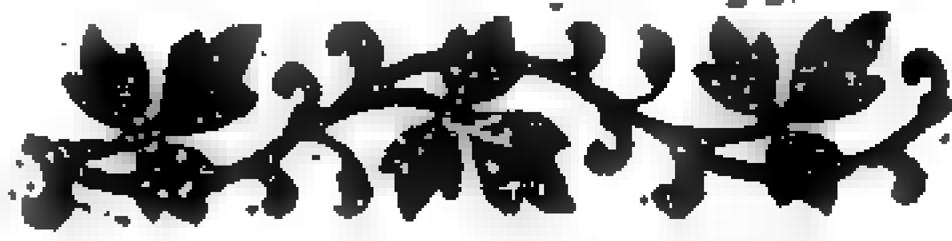
۲؎ نزہت الخواطر جلد ۸ ص ۲۰۴

۳۔ نیل الارب من مصادر العرب

۴۔ سلک الجواہر

۵۔ العلق النفیس

۶۔ سبیل النجاۃ



ظہور احمد بگوی

مولانا ظہور احمد بگوی بن مولانا عبدالعزیز مشہور خاندانِ بگہ کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۱۹-۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء میں رونق افزائے عالم ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائیوں مولانا محمد ذاکر بگوی اور مولانا محمد یحییٰ بگوی سے حاصل کی۔ ۱۹۱۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور مزید تعلیم کے لیے ایجرٹن کالج بہاول پور اور اسلامیہ کالج لاہور میں یکے بعد دیگرے داخل ہوئے۔ خلافت اور ترکِ موالات کی تحریکیں اپنے شباب پر تھیں۔ وہ بھی تعلیم ترک کر کے ان تحریکوں میں شامل ہو گئے۔ خلافت کمیٹی شاہ پور کے روحِ رواں بن گئے۔ آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقدہ دہلی (۱۹۲۶ء) میں بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے۔ دورانِ تحریک میں گرفتار ہوئے اور جیل گئے۔ جیل میں انہیں مولانا غلام معین الدین اجمیری (م ۱۳۵۹ھ) اور مولانا محمد حسن سے علمی و دینی استفادہ کا موقع ملا۔

تحریکِ خلافت سے ہوتے ہوئے انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہوئے مگر جلد ہی کانگرس کی پالیسیوں سے دل برداشتہ ہو گئے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے مسلمانوں کی خدمت کی۔ بھیرہ مسلم لیگ کے صدر رہے۔ آخری ایام میں ضلعی مسلم لیگ کے نائب صدر اور پنجاب کی صوبائی مجلسِ عاملہ کے رُکن تھے۔

انہوں نے اپنے خاندان کی درسگاہ کو ترقی دی اور اسے "مدرسہ عزیزیہ" کے نام سے موسوم کیا۔ ۱۹۲۹ء میں مرکزی مجلس حزب الانصار" کی بنیاد رکھی اور مجلس کی ترقی و توسیع میں سرگرم رہے۔ جناب عنایت اللہ خان المشرقی (م ۱۳۸۳ھ) کی خاکسار تحریک کے بالمقابل ایک نیم عسکری تنظیم "ادارہ عالیہ محمدیہ عسکریہ" قائم کی۔ مجلس حزب الانصار کا آرگن پندرہ روزہ "شمس الاسلام" جاری کیا جو تا حال شائع ہو رہا ہے۔

مولانا ظہور احمد بلند پایہ خطیب تھے۔ مسلکِ اہلِ سنّت کے پُرزور داعی تھے اور

مخالفینِ مسلک کے بارے میں "شمس الاسلام" میں لکھتے رہتے تھے۔ اہل سنت کے باہمی اختلاف میں رواداراور معتدل تھے۔

مارچ ۱۹۴۵ء/۱۳۶۴ھ میں کل ہند تنظیم اہل سنت کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ واپسی پر راولپنڈی، محمدی شریف (جھنگ) اور چنیوٹ میں خطاب کیا۔ چنیوٹ میں بیمار ہوئے اور بھیرہ آتے ہوئے راستے میں فوت ہوئے۔ خانقاہ بگویہ بھیرہ میں دفنائے گئے۔

مولانا لاولد تھے اس لئے ان کے بھتیجے مولانا افتخار احمد بگوی مرحوم جانشین ہوئے۔ مولانا مرحوم کی علمی و تصنیفی خدمات میں پندرہ روزہ "شمس الاسلام" کے کئی ایک مضامین ہیں جو تاحال یکجا نہیں ہو سکے۔



پیر سیّد ظہور شاہ جلالپوری

پیر سیّد ظہور شاہ جلالپوری بن مولانا پیر سیّد محمد شاہ قادری جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں ۱۳۰۶ھ/۸۹-۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباء و اجداد کشمیر سے ترکِ سکونت کر کے جلالپور جٹاں میں آباد ہوئے تھے۔

سنِ شعور کو پہنچے تو قرآنِ مجید اور ابتدائی درسیات حافظ نور الدین سے پڑھیں۔ برادرِ محترم سیّد اعظم شاہ سے بھی علمی استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ پشاور اور بریلی میں مقیم رہ کر علومِ مروّجہ کی تکمیل کی۔

اپنے والد بزرگوار سے قادری سلسلے میں مجازِ بیعت تھے تاہم میاں شیر محمد شرقپوریؒ سے ارادت مندانہ تعلقات رکھتے تھے۔ پیر صاحب کو اللہ تعالےٰ نے خوش الحانی اور حسنِ سیرت و صورت سے وافر حصّہ دیا تھا۔ جہلم، گجرات اور سرگودہا کے اضلاع میں انہوں نے کافی تبلیغی کام کیا۔ تشیع اور بدعات کی سختی سے تردید کرتے۔ ایک شکایت پر کہ وہ اہلِ تشیع کو گالیاں دیتے ہیں گرفتار ہوئے۔ تین ماہ مقدّمہ چلتا رہا اور با عزّت طور پر بری ہو گئے۔

پیر صاحب کامیاب مقرّر ہی نہیں تھے۔ خوش گو شاعر اور اچھے قلم کار بھی تھے۔ اُنہوں نے مرزائیت اور رفض و بدعت کے خلاف تصنیف و تالیف کی ہے۔ مندرجہ ذیل تصنیفات معلوم ہو سکی ہیں:[1]

۱۔ ظہورِ صداقت (ردِ مرزائیت) ۲۔ قہرِ یزدانی بر سرِ دجّال قادیانی

۳۔ نورِ ہدایت ۴۔ سیفِ مرید بر فرقہ یزید

---

[1] تذکرہ اکابر اہلِ سنت ص ۲۰۰

۵۔ ظہورِ ہدایت۔ ۶۔ شمشیرِ پیر برگردنِ شریر

۷۔ وظائفِ حضوری ۸۔ چرخۂ ظہوری

۹۔ خطباتِ ظہوری ۱۰۔ صمصامِ حنفیہ

۱۱۔ سیفِ خادمین علی رؤس الفاسقین ۱۲۔ مرغوب لواغلین المعروف بہ محبوب العاشقین

۱۳۔ ظہورِ کرامت

پیر صاحب ۲۲ رجمادی الاولی ۱۳۷۲ھ/۸ فروری ۱۹۵۳ء کو فوت ہوئے۔ مزار سنارہ ضلع جہلم میں ہے۔

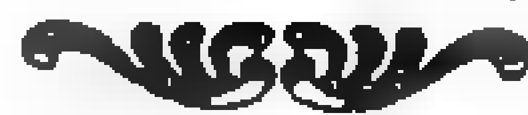
پیر صاحب مرحوم کی اولاد میں چار صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ سیّد قمر الزمان شاہ

۲۔ سیّد فخر الزمان شاہ فاضل دار العلوم حزب الاحناف لاہور۔ پیر مرحوم کے سجادہ نشین ہیں۔

۳۔ سیّد محبوب الزمان شاہ

۴۔ سیّد عادل مسعود شاہ



عارف اللہ شاہ قادری

مولانا عارف اللہ شاہ قادری بن مولانا محمد حبیب اللہ قادری بن محمد عظیم اللہ ۱۴ر شوال ۱۳۲۷ھ/ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۰۹ء کو میرٹھ کے ایک علمی اور دینی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں کئی پشتوں سے خطابت، وعظ و تذکیر اور افتاء نویسی کی روایت چلی آرہی تھی۔

مولانا محمد حبیب اللہ قادری بلند نظر عالم اور صوفی تھے[1] مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلفاء میں اُن کا نام بہت نمایاں ہے۔ ۱۳۶۷ھ/ ۴۸-۱۹۴۷ء میں فوت ہوئے تھے۔

مولانا عارف اللہ شاہ قادری نے علوم دینیہ کی تحصیل میرٹھ میں مدرسہ قومیہ عربیہ، مدرسہ امداد الاسلام اور مدرسہ اسلامیہ عربیہ میں کی۔ ۲۵ر نومبر ۱۹۳۳ء/ ۷ر شعبان ۱۳۵۲ھ کو انہوں نے دستار فضیلت حاصل کی اس کے بعد عربی، فارسی اور انگریزی کے امتحانات الٰہ آباد یونیورسٹی سے پاس کیے۔

مولانا عارف اللہ شاہ فارغ التحصیل ہوئے تو اپنے والد محترم کے ایماء پر جامع مسجد خیر المساجد میرٹھ میں خطبہ جمعہ و عیدین دینے لگے اور غیر مسلموں کی اصلاح و تبلیغ کے لئے ملک کے دورے کرنے لگے۔ موصوف صوفی صافی تھے۔ اپنے سلسلۂ تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میرا سلسلۂ طریقت پاک و ہند کے مشہور بزرگ شیخ المشائخ سیدنا و

---

[1] حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ اذکار حبیب رضا

مولانا الحاج الشاہ سیّد علی حسین صاحب گیلانی قدّس سرہٗ (کچھوچھہ شریف) سے تہ صرف وابستہ ہے (۲۰ ربیع الاوّل شریف ۱۳۵۱ھ کو شرفِ بیعت حاصل ہوا) بلکہ تاجِ خلافت و خرقۂ اجازت بھی عطا فرمایا گیا لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہ الکریم سے حسنِ عقیدت و محبت اور سلسلۂ عالیہ رضویہ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہونے کے لئے ۲۰ جون ۱۹۴۷ء کو حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا اور حضرت صاحب نے تمام اوراد و معمولات کی اجازت کے ساتھ تبرکات بھی مرحمت فرمائے۔[1]

مولانا قادری نے تحریکِ پاکستان میں ایک فعال کارکن کی حیثیت سے حصّہ لیا۔ موصوف مسلم لیگ کے اجلاسوں میں شرکت کرتے تھے۔ مسلم پولیٹیکل کانفرنس میرٹھ (منعقدہ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء و یکم ر ۲ جنوری ۱۹۴۶ء) کی مجلسِ استقبالیہ کے صدر تھے۔ انہوں نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں مسلمانوں کی جدّ و جہد آزادی پر روشنی ڈالی۔ آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس میں بھی شریک ہوئے۔

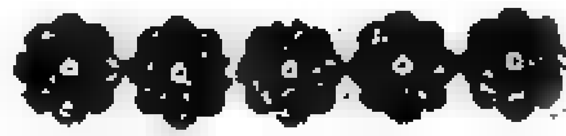
قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۵۰ء/ ۷۰-۱۳۶۹ھ میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے ابتداء میں کراچی میں مقیم ہوئے وہاں سے خوشاب چلے آئے مگر راولپنڈی کو اُن کا گھر بننا تھا چنانچہ یہاں منتقل سکونت اختیار کی۔ راولپنڈی کی مرکزی جامع مسجد کے منصبِ خطابت پر فائز ہوئے اور ۲۴ر اگست ۱۹۵۱ء/ ۱۹ر صفر ۱۳۷۱ھ تک اس منصب کی ذمہ داریاں پوری کیں۔ اس کے بعد جامع مسجد واہ کینٹ میں فرائضِ خطابت انجام دیئے۔ اندرونِ ملک اسلامی نظام کے قیام کے لئے جدّ و جہد کی اور بیرونِ ملک فرائضِ تبلیغ انجام دیئے۔

---

[1] اذکارِ حبیبِ رضا ص ۱۹

راولپنڈی میں ایک دینی درس گاہ "احسن المدارس" قائم کی جو دینی خدمت کر رہی ہے۔
اُن کے زیرِ ادارت ماہنامہ "سالک" (راولپنڈی) مارچ ۱۹۵۳ء/۱۳۷۲ھ میں جاری ہوا اور بارہ سال باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

مولانا عارف اللہ شاہ قادری جمعیت علمائے پاکستان کے نمایاں راہنماؤں میں سے تھے۔ ۲۸ فروری ۱۹۷۹ء/۳۰ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو راولپنڈی میں فوت ہوئے۔



قاضی عبدالاحد خانپوری

قاضی عبدالاحد بن قاضی محمد حسن خانپوری ۱۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۲۶۸ھ/۴؍ اپریل ۱۸۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ درسِ نظامی کی ابتدائی کتب اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں۔ بعد میں سید عبداللہ غزنوی سے امرتسر میں استفادہ کیا اور سندِ حدیث مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے حاصل کی۔ فنِ طب حکیم نورالدین بھیروی ثم قادیانی سے پڑھا ان دنوں میں حکیم صاحب مہاراجہ جموں کے ہاں مقیم تھے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو کچھ عرصہ آبائی گاؤں خانپور ضلع ایبٹ آباد میں مصروفِ تدریس رہے۔ محمد ایوب شاہ افغانستان کے شاہی طبیب رہے اور اُن کے ساتھ نظربند ہو کر راولپنڈی آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد نظربندی ختم ہو گئی اور انہوں نے جامعہ اہلِ حدیث کے ایک حجرے میں مطب کھولا اور معرکہ آرا معالجات کے ساتھ علمی کمالات کی دھاک بٹھائی۔ مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے اختلاف تھا اور دونوں طرف سے مناظرانہ رسائل اور کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ تفسیر و حدیث پر گہری نظر تھی۔

۱۹۲۷ء میں حج کی سعادت حاصل کی۔ واپسی پر ۱۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۷ھ/۸؍ دسمبر ۱۹۲۸ء کو راولپنڈی میں فوت ہوئے اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ ان کے چھوٹے بھائی قاضی یوسف حسین صابر نے قطعہ تاریخِ وفات کہا ہے:

سنو صابر یہ کیا نغمے ہیں غُل ہیں!
عنادل چہچہاتی شاخِ گُل ہیں
لگی ہے بھیڑ کیا جنّت کے پُل ہیں
ہوا شور و فغاں بانگِ دُہل ہیں

لے راول دیس ص ۶۴

کہا سالِ وصل بحر النّد ، بولو
گیا عبدالاحد باغ و نزل میں

۱۳۴۷ھ

روایت ہے کہ جب اُن کی رحلت کی خبر گولڑہ شریف پہنچی تو اس وقت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب چائے پی رہے تھے، پیالی ہاتھ سے رکھ دی، آنکھ بھر آئی، کسی معتقد نے کہہ دیا، اچھا ہوا ہمارا مخالف چل بسا۔ پیر صاحب نے اُسے جھڑکا اور فرمایا:

"مقام گریہ ہے علم کا وہ آفتاب آج غروب ہوا ہے جس کی جگہ لینے والا مشکل ہی سے پیدا ہوگا"[1]

قاضی صاحب مرحوم سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں[2]:

۱۔ البیان والاغاثہ
۲۔ اقامۃ البرہان علی بطلان التبیان
۳۔ ازالۃ اللبس والاشتباہ عن حقیقت پیر مہر شاہ
۴۔ صمصام الموحدین
۵۔ التحقیقات الحقہ
۶۔ استفتاء مسائل عشرہ
۷۔ سوط اللہ العزیز الحکیم الباری علی متن حافظ عبدالکریم اللاری
۸۔ صرصر العاتیہ علی عباد الجبت والطاغیہ
۹۔ السیف المسلول فی نحر شاتم الرسول

---

[1] راول دیس ص ۶۳
[2] ماہنامہ "محدث" (لاہور) بابت محرم ۱۳۹۷ھ

۱۰۔ اظہار مخادعۃ مسیلمہ قادیانی

۱۱۔ اغاثۃ الملہوف المسجون فی مصائد القادیانی المجنون

۱۲۔ سنان الموحدین لدوز مطاعن الملحدین

۱۳۔ انتصار الصدیق من ملحد الزندیق

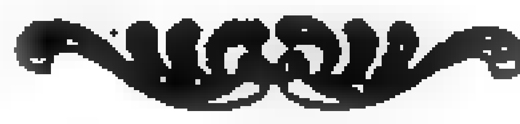
۱۴۔ النقض المتین علی کلام المبین

۱۵۔ القول الفاصل الفارق بین الکاذب فی دعوٰی اہل الحدیث والصادق

۱۶۔ کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ

۱۷۔ الفضیلۃ الحجازیۃ السلطانیہ

۱۸۔ الفرس المصطفویہ علی رؤس الچھوہرویہ (غیر مطبوعہ)



عبدالتواب ملتانی

مولانا ابوتراب عبدالتواب بن مولانا قمرالدین بن بدرالدین ۱۴ر جمادی الاخری ۱۲۸۸ھ/۳۱ر اگست ۱۸۷۱ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد مولانا قمرالدین مسلکِ اہل حدیث پر عامل تھے۔ مولانا قمرالدین نے اپنے صاحبزادوں۔ عبدالغفار، عبدالبر اور عبدالتواب۔ کو مولانا سیّد نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) سے اکتسابِ علم کے لئے دہلی بھیجا تھا۔ مولانا عبدالتواب نے محدث دہلویؒ سے اکتسابِ فیض کیا اور دینی خدمات میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں۔

مولانا عبدالتواب خلوت پسند، کم گو اور سادہ مزاج بزرگ تھے۔ اُنہوں نے "مکتبہ السلفیہ" کے نام سے قدیرآباد ملتان میں ایک مکتبہ قائم کیا اور نادر و نایاب کتب طبع کر کے دین کی بیش بہا خدمت انجام دی۔ اُنہوں نے ان کتابوں پر مفید تعلیقات و حواشی کا اہتمام بھی کیا۔ اُن کی شائع کردہ بعض کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ تفسیر سورہ نصر۔ ابن رجب بغدادی (م ۷۹۵ھ)

۲۔ حاشیہ صحیح مسلم۔ سندھی

۳۔ مختصر قیام اللیل۔ مروزی

۴۔ تحفۃ الودود۔ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ)

۵۔ المسارعہ الی المصارعہ۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

۶۔ کتاب القبل والمعانقہ۔ ابن الاعرابی

۷۔ مسند عمر بن عبدالعزیز

۸۔ القول المحمود۔ تاج الدین سبکی (م ۷۷۱ھ)

۹۔ المختصر النافع فی اصول الحدیث۔ جرجانی

۱۰۔ شرح الصدور ۔ امام شوکانی

۱۱۔ رفع الریبہ عن الغیبہ

۱۲۔ رفع الملام عن آئمۃ الاعلام ۔ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ)

۱۳۔ کتاب الیقین۔ ابوبکر بن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ)

۱۴۔ غایۃ النفع فی شرح تمثیل المومن بخامۃ الزرع ۔ ابن رجب (م ۷۹۵ھ)

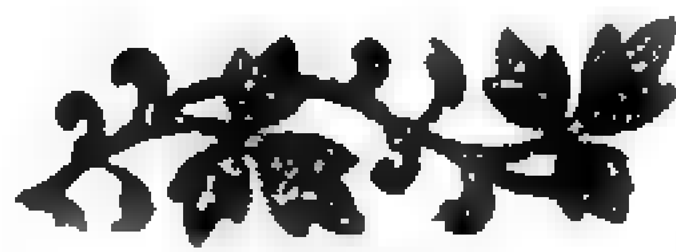
۱۵۔ مصنّف ابوبکر بن ابی شیبہ (اجزاء۔ اوّل ثانی، رابع)

۱۶۔ فضائل ابی بکر الصدیق۔ ابو طالب فشاری

۱۷۔ المعام المنعم الباری شرح ثلاثیات البخاری

مولانا عبدالتواب ملتانی کا مکتبہ اہلِ شوق کا ایک اہم مرکز تھا۔ طلبہ اُن سے استفادہ کے لئے یہیں حاضر ہوتے تھے اور وہ خندہ پیشانی سے درسِ حدیث دیتے تھے۔

مولانا عبدالتواب اشاعتی اور علمی سرگرمیوں میں مصروف ۹ رجب ۱۳۶۶ھ/۲۹ مئی ۱۹۴۷ء کو فوت ہوئے اور ملتان میں دفنائے گئے۔



عبدالجبّار

مولانا عبدالجبّار بن مولانا محمد شاکر ۲۵ر مارچ ۱۸۹۳ء / ۷ر رمضان ۱۳۱۰ھ کو موضع ڈرپی سرسہ ضلع حصار کے ایک راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد مولانا محمد شاکر علمائے دیوبند کے عقیدت مند اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے۔

مولانا عبدالجبار نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ موصوف والدین کے اکلوتے فرزند تھے اس لیے ناز و نعم میں پلے اور ان کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی۔ ابتدائی نوشت و خواند کے بعد مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں میں داخل ہوئے اور مولانا فقیر اللہ رائے پوری سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد مدرسہ عبدالرب دہلی میں رہ کر سندِ فراغت حاصل کی۔

مولانا عبدالجبار نے شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنی پوری توجہ تعلیم و تبلیغ پر مرکوز کر دی۔ اُنہوں نے مستقل رہائش ابوہر منڈی ضلع فیروز پور میں اختیار کر لی۔ ایک عظیم الشان مسجد اور دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ مولانا محمود حسنؒ نے اپنی بیماری کے دوران میں اُنہیں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا چنانچہ انہوں نے مولانا تھانویؒ کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی اور خلافت کے اعزاز سے بہرہ مند ہوئے۔

مولانا عبدالجبار، مولانا تھانویؒ کے معتمد علیہ افراد میں سے تھے۔ جن دنوں خاکسار تحریک کے بانی جناب عنایت اللہ المشرقی نے انکارِ حدیث اور علماء کے استخفاف کی تحریک چلا رکھی تھی۔ مولانا عبدالجبار نے ان کے طرزِ عمل پر سخت نکتہ چینی کی۔ اس مقصد کے لیے جگہ جگہ گئے اور اپنی تقریروں میں جناب المشرقی کی غلط روی سے عوام کو آگاہ کیا۔

مولانا تھانویؒ نے مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ (دسمبر ۱۹۳۸ء) میں شرکت کے لیے جو وفد ترتیب دیا تھا اس میں مولانا عبدالجبار بھی شامل تھے۔ اُنہوں نے مولانا تھانویؒ کے حسبِ حکم دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تبلیغ میں بھی کام کیا تھا۔ اُن کے وعظ پُر تاثیر اور دعوت

عمل سے لبریز ہوتے تھے۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں عموماً وعظ کہتے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد ہارون آباد میں رہائش اختیار کی اور یہاں مدرسہ اشرف المدارس کی تجدید کی۔ دینی اور تبلیغی کاموں میں مصروف تھے کہ ۱۶ / اپریل ۱۹۵۱ء / ۹ / رجب ۱۳۷۰ھ کو پیغام اجل آگیا۔



حکیم عبدالحق پوٹھوی

مولانا حکیم عبدالحق بن مولانا خیر محمد ۱۸۶۶ء/۸۳-۱۲۸۲ھ میں پوٹھہ تحصیل مری ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ مولانا خیر محمد صوفی منش عالم دین تھے۔ مولانا عبدالحق ابتدائی تعلیم حاصل کر کے دہلی چلے گئے۔ مدرسہ امینیہ دہلی میں زیر تعلیم رہے۔ فن طب کی تحصیل حاذق الملک حکیم عبدالمجید خان کے مدرسہ میں کی۔ ذہین اور محنتی طالب علم تھے۔ جماعت میں اوّل آنے پر ہز ہائی نس والئ ٹونک نے انہیں سنہری تمغہ عطا کیا تھا۔ حکیم اجمل خان مرحوم نے انہیں طبیہ کالج دہلی کی طرف سے خصوصی سند دی تھی۔

مولانا عبدالحق جادو بیان مقرر تھے۔ مری میں فرائض خطابت انجام دیتے تھے۔ انہوں نے علم و فن کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ تجارت سے آذوقۂ حیات حاصل کرتے تھے۔ ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۶ء/۱۳۱۰ھ تا ۱۳۳۴ھ ضلع راولپنڈی کے سرکاری طبیب رہے تھے "شمس العلماء" کے خطاب سے سرفراز کئے گئے تھے۔

جنوری ۱۹۲۳ء/ ۱۳۴۱ھ میں قلیل عرصہ بیمار رہ کر فوت ہوئے۔ مرحوم کی اولاد میں چھ صاحبزادے ہیں:

۱۔ حکیم عبدالخالق
۲۔ حکیم شرف الحق مالک نیو دہلی دواخانہ۔ راولپنڈی
۳۔ مولوی سراج الحق ایڈووکیٹ
۴۔ حکیم ضیاء الحق
۵۔ جناب کرم الحق (ارمان قریشی)



سیّد عبدالحق شاہ ہمدانی

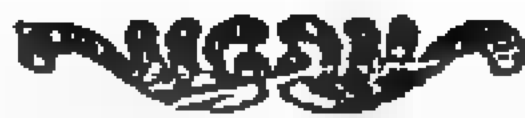
سیّد عبدالحق بن سیّد ولایت شاہ، ہمدانی خانوادۂ سادات کے فرد تھے۔ ۱۲۷۱ھ/ ۵۵-۱۸۵۴ء میں اپنے ننھیال کھیم کرن میں پیدا ہوئے۔ صاحبزادہ عبدالرسول قصوری نے اُن کی رسمِ بسم اللہ ادا کی۔ سیّد قمرالدین شاہ ہمدانی سے قرآن مجید پڑھا۔ اپنے والد اور دادا سے درسِ نظامی کی بعض کتابیں پڑھیں۔ رمضان ۱۳۰۸ھ/ ۹۱-۱۸۹۰ء میں مولانا غلام دستگیر قصوری سے سندِ اجازت حاصل کی۔ کچھ عرصہ اورینٹل کالج لاہور میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔

فارغ التحصیل ہو کر قصور میں تدریس کا شغل شروع کیا مگر قصور کے نامساعد خاندانی حالات کے پیشِ نظر خیرپور ٹامیوالی منتقل ہو گئے اور ایک پرائمری سکول کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ فرائض منصبی کے ساتھ وعظ و تبلیغ میں مصروف رہتے تھے۔

اچھا شعری ذوق رکھتے تھے۔ اُردو، فارسی اور عربی میں خود بھی شعر کہتے تھے۔

۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے سندِ حدیث حاصل کی۔

سلسلۂ قادریہ میں اپنے دادا سیّد چراغ شاہ سے بیعت تھے۔ بیعت ثانی پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے حاصل تھی۔ تپ محرقہ میں مبتلا ہو کر ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ/ ۲ نومبر ۱۹۳۹ء کو قصور میں فوت ہوئے۔ دوسرے روز دفنائے گئے۔[1]



---

[1] ہم اور ہمارے اسلاف ص ۲۸۲-۲۹۱

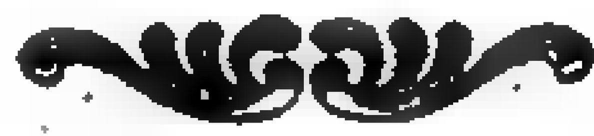
عبدالحکیم سوہدروی

مولانا عبدالحکیم بن مولانا غلام نبی سنہ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ علومِ مروّجہ کی تحصیل والدِ محترم سے اور حدیث کی سند حافظ عبدالمنّان محدث وزیرآبادی سے حاصل کی۔ احیائے سنّت کی جدّوجہد میں اپنے والد کے دست و بازو تھے کہ سنہ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲-۰۳ء میں وفات پا گئے۔ مولانا غلام نبی نے مندرجہ ذیل تاریخ وفات کہی ہے:

گشت تاریخ وفات عبدالحکیم از حق پدید
حرف "یااللہ" بگیر از "حافظ قرآن مجید"[1]

۱۳۹۷ — ۷۷

۱۳۲۰ھ



[1] ہفت روزہ "اہلحدیث" (امرتسر) بابت ۱۱ اپریل ۱۹۱۹ء

عبدالحکیم انگوی

مولانا عبدالحکیم بن مہر محمد ۱۸۸۱ء/۹۹-۱۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اعوان برادری کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے والدِ محترم مولانا مہر محمد، خواجہ محمد عثمانؒ (م ۱۳۱۴ھ) موسیٰ زئی شریف، کے خلیفۂ مجاز تھے۔ خلیق، مسکین طبع اور خوش تقریر تھے۔ خاصے کثیر العیال تھے اور مالی حالت چنداں اچھی نہ تھی[1]

مولانا مہر محمد موضع لاوہ ضلع اٹک میں مقیم رہے۔ مسجد بابیانوالی لاوہ میں درس و تدریس کرتے تھے اور لاوہ کے خوانین اُن کے اخراجات کے کفیل تھے۔ مولانا عبدالحکیم کا بچپن لاوہ میں گزرا۔ نو دس سال کی عمر میں قرآنِ عزیز حفظ کرلیا اور درسیات کی تحصیل کے لئے ونده شاہ بلاول میں مولانا ولی اللہ رحمہ کے ہاں پہنچے۔ اُن کے رفقائے سبق میں مولانا محمد صادق مرحوم سابق خطیب جامع مسجد پٹولیاں لاہور شامل تھے۔

ونده شاہ بلاول سے امرتسر گئے اور جامع مسجد خیر دین میں مولانا محی الدین ساکن گڑھا آتم سنگھ ضلع جہلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا محی الدین کا امرتسر میں انتقال ہوا تو اپنے اُستاد کی میت اُن کے وطن مالوف پہنچائی۔ امرتسر کے دورانِ قیام میں مولانا عبدالجبار غزنویؒ (م ۱۳۳۱ھ) سے حدیث کی بعض کتابیں پڑھیں۔ بعد میں مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) سے فنِ حدیث میں استفادہ کیا۔ اُس زمانے میں مولانا حسین علیؒ اُن کے شریکِ سبق تھے۔

فارغ التحصیل ہوئے تو خطابت و امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔ تقریباً پندرہ سال سیالکوٹ چھاؤنی میں خطیب رہے۔ کچھ عرصہ فیصل آباد میں قیام رہا۔ چار سال

---

[1] فوائد عثمانی ص ۱۵۷

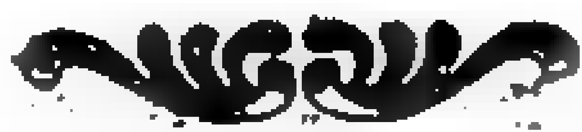
چنیوٹ کی جامع مسجد نواب سعد اللہ خان میں دینی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۵ء میں سرگودہا منتقل ہوئے اور تقریباً ۲۵ سال تک جامع مسجد بلاک نمبرا اور جامع مسجد ڈپو کے منبر و محراب اُن کی آواز سے گونجتے رہے۔

سیاسی طور پر جمعیت علمائے ہند سے وابستہ تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ہمہ تن تبلیغ و اصلاحِ معاشرہ میں مصروف رہے۔

یکم شوال ۱۳۸۵ھ/ ۲۳ جنوری ۱۹۶۶ء کو انگہ میں نمازِ عشاء ادا کرتے ہوئے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ اُن کی وفات سے وادیٔ سون سکیسر کے مذہبی حلقے ایک عالم باعمل کی ذات سے محروم ہو گئے۔ دوسرے دن خاندانی قبرستان میں سپردِ خاک کئے گئے۔

مرحوم کی قلمی یادگاروں میں ایک رسالہ "عروۃ الوثقیٰ فی احکام الضحیٰ" معروف ہے۔

مولانا مرحوم کی اولاد میں مولانا عبد الحلیم قاسمی (مہتمم مدرسہ حنفیہ۔ ٹمپل روڈ لاہور) اور مولانا عبد العلیم قاسمی ہیں۔ جو دینی خدمات میں مصروف ہیں۔



عبدالحکیم سرمد مظاہری

مولانا عبدالحکیم سرمد مظاہری کندیاں ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۲۱ء/۹ محرم ۱۳۴۰ھ کو پیدا ہوئے۔ ایف۔اے کرنے کے بعد انہوں نے منشی فاضل ادیب فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات اعزاز کے ساتھ پاس کیے۔ اس کے بعد باقاعدہ دینی تعلیم کی جانب متوجہ ہوئے اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے اور وہیں سے سندِ فضیلت حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو اُن کو دہلی، مراد آباد اور دیوبند کی درس گاہوں میں معقول مشاہرے پر ملازمتوں کی پیشکش ہوئی مگر اُنہوں نے کوئی ملازمت اختیار نہ کی۔ مولانا سیّد فخرالدین شاہ مرحوم (ساکن کالا باغ) سے رشتہ ارادت رکھتے تھے۔ اُن کے تعاون سے کالا باغ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا اور درسِ نظامی کی تعلیم و تدریس میں لگ گئے۔

تحریکِ آزادی میں دو قومی نظریئے کے علمبردار تھے۔ چنانچہ مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کشمیر میں جنگ چھڑی تو انہوں نے رضا کاروں کی بھرتی کے لئے دفتر کھولا اور دو ہزار کے لگ بھگ مسلح اور کسی قدر تربیت یافتہ رضا کار میدانِ جہاد میں بھیجے۔ جماعتِ اسلامی پاکستان کے ہم درد و ہم نوا تھے۔ مگر ۱۹۶۴ء کے عام انتخابات میں محترمہ فاطمہ جناح کی تائید و حمایت کی بنیاد پر جماعت کی قیادت سے شاکی رہے۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء/ ۱۸ شعبان ۱۳۹۰ھ کو فوت ہوئے۔

مولانا عبدالحکیم کا مطالعہ بے پناہ تھا اور موضوعاتِ مطالعہ بھی ہمہ گیر اور متنوع قسم کے تھے۔ اسلامی علوم کے ساتھ تاریخ، فلسفہ اور ادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔

مزاجاً شاعر تھے مگر تہہ دل سے شاعری کے بھی قائل نہ ہوئے۔ خود شعر کہتے تھے۔ سرمد تخلّص کرتے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ شروع کیا تھا اور آخری تین پاروں کا ترجمہ مکمل کر لیا تھا مگر ان ہی دنوں گھر میں چوری ہوئی۔ سوئے اتفاق سے دوسرے سامان کے ساتھ یہ بلند پایہ مسوّدہ بھی چور لے گئے۔ اس طرح اُن کی محنت ضائع ہوگئی۔

مولانا عبدالحکیم سرمد مظاہری کی رحلت کے بعد اُن کے صاحبزادے یحییٰ امجد اور اسلم قاسم نے اُن کا مجموعہ کلام "وارداتِ سرمد" ترتیب دیا جو ۱۹۷۳ء میں آب و تاب کے ساتھ طبع ہوا۔ ان کے مجموعہ سے "حمد باری تعالیٰ" کے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

مائل بہ کرم اک بار اگر وہ ابرِ بہاراں ہو جائے
پتھر سے بھی چشمے پھوٹ پڑیں آتش بھی گلستاں ہو جائے
اے حسنِ سراپا ایک جھلک جس آنکھ نے بھی پائی تیری
وہ مرکزِ عالم بن جائے، وہ محورِ دوراں ہو جائے
اس دردِ محبت سے بڑھ کر کونین میں راحت کیا ہوگی
یہ درد اگر ہو جائے عطا، ہر درد کا درماں ہو جائے
تو قلب و نظر سے دُور نہیں پر عُریانی منظور نہیں
ہاں عقل کا یہ مقدور نہیں ڈھونڈھے تو پریشاں ہو جائے[1]

"وارداتِ سرمد" پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے لکھا ہے کہ:

"وارداتِ سرمد میں ہمیں ایک ایسا شاعر ملتا ہے جس نے برائے

---

[1] وارداتِ سرمد ص ۲۱۱

شعر گفتن شاعری نہیں کی بلکہ وارداتِ قلبی کی سچی ترجمانی کرتے ہوئے جو کچھ لکھا۔ باندازِ اخلاص لکھا۔ اُس کے کلام میں حسن و عشق کے تجربات بھی ہیں۔ اور حیات و کائنات کے بارے میں فکری و جذباتی تبصرے اور تجزیئے بھی ہیں۔"



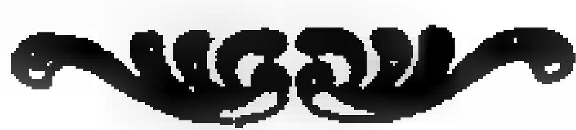
عبدالحکیم مظفّر نگری

مولانا عبدالحکیم بن میاں عبدالعزیز پٹی سادات گھنگیرو ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے متفرّق مدارس میں حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ پانچ سال دارالعلوم کے اساتذہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا غلام رسول خان، مولانا سیّد اصغر حسین دیوبندی، علاّمہ شبیّر احمد عثمانی اور علاّمہ سیّد انور شاہ کاشمیری رحمہم اللہ اجمعین سے استفادہ کیا۔ اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا عبدالحکیم اعلیٰ درجے کے طبیب تھے اور فنِ طب ہی اُن کا ذریعہ معاش تھا۔ طب کی کتابیں مولانا حکیم محمد حسن (برادر شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) سے پڑھی تھیں بعد میں چار سال دہلی میں مقیم رہے اور حکیم جمیل الدین سے استفادہ کیا۔

قیامِ پاکستان سے کافی پہلے لاہور آ گئے تھے۔ یہاں کی دینی، طبّی اور علمی سرگرمیوں میں بقدرِ استطاعت حصّہ لیتے تھے۔ کچھ عرصہ "جامعہ مدنیہ" میں طب پڑھاتے رہے ہیں۔ آخری عمر میں فنِ تجوید سے شغف پیدا ہوا اور دو سال کے عرصے میں قاری عبدالمالک مرحوم سے یہ فن سیکھ لیا۔

مولانا عبدالحکیم چشتی سلسلہ میں مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے اور ان کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ ۱۲ر شوال ۱۳۹۳ھ /۱۷ر نومبر ۱۹۷۳ء کو تقریباً اسّی سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان سے ایک غیر مطبوعہ تالیف "حالاتِ سلوک" یادگار ہے۔

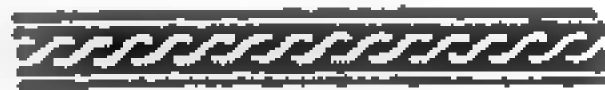


قاضی عبدالحلیم چکوالی

مولانا قاضی عبدالحلیم بن حافظ فتح نور موضع ڈھاب کلاں تحصیل چکوال کے باشندے تھے۔ قبیلہ کھوٹ قریش کے اہم فرد تھے۔ اُن کے حالاتِ زندگی پردۂ تاریکی میں ہیں۔ البتہ اس قدر معلوم ہے کہ وہ ہمہ صفت موصوف اور جامع جمیع علوم تھے۔ اپنے وقت کے ولی اللہ حاذق حکیم اور عالم بے بدل تھے۔

قاضی صاحب خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے بیعت تھے۔ قاضی صاحب نے طویل عمر پائی اور ۱۳۰۰ھ/ ۸۳-۱۸۸۲ء میں فوت ہوئے۔[1] اپنے مولد و مسکن ڈھاب کلاں میں مدفون ہیں۔

قاضی عبدالحلیم عمدہ شعری ذوق رکھتے تھے۔ عربی، فارسی اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ قاضی اور حافظ تخلص کرتے تھے۔



---

[1] دھنی ادب و ثقافت ص ۱۹۹

عبدالحمید سوہدروی

مولانا عبدالحمید بن مولانا غلام نبی سوہدروی ۱۳۰۰ھ/ ۸۳-۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔
ابتدائی درسی کتابیں اپنے والدِ محترم سے پڑھ کر حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے درس میں شریک ہوئے اور ان سے سندِ حدیث حاصل کی۔ محدث وزیر آبادی نے ان کی خوش خصالی کو دیکھتے ہوئے انہیں اپنی دامادی میں لے لیا تھا۔

مولانا عبدالحمید سوہدروی نے مولانا سید نذیر حسین دہلوی، مولانا شمس الحق ڈیانوی (مؤلف عون المعبود) اور شیخ حسین عرب سے بھی اسنادِ حدیث حاصل کی تھیں۔

فارغ التحصیل ہو کر سوہدرہ میں مقیم رہے۔ "مدرسہ حمیدیہ" کی بنیاد رکھی اور تدریس و تبلیغ میں مصروف رہے۔ وہیں ۷، جمادی الآخریٰ ۱۳۳۰ھ/ ۲۴ مئی ۱۹۱۲ء کو وفات پائی۔

مولانا عبدالحمید نے تقی الدین ابو عبداللہ محمد حنبلی کی تالیف "عمدۃ الاحکام عن سید الانام" کا ترجمہ کیا اور شرح "زبدۃ المرام" لکھی۔ مرحوم سے بیسیوں افراد نے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ نظام الدین کھڈوروی
۲۔ حافظ محمد حیات
۳۔ ابوالمحمود ہدایت اللہ سوہدروی
۴۔ ابو یحییٰ امام خان نوشہروی
۵۔ ابوالبشیر مراد علی کھڈوروی
۶۔ عبدالعزیز (ساکن نونی چک۔ گجرات)



خواجہ عبدالحیؔ فاروقی

خواجہ عبدالحیؔ فاروقی بن خواجہ عبدالرحیم ۱۸۸۶ء/۱۳۰۴ھ میں تحصیل گڑھ شنکر ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد گورداسپور کے ایک وکیل خورشید عالم بیرسٹرایٹ لا کے منشی تھے۔[۱] انہوں نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول گورداسپور میں حاصل کی، دینی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند گئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن اور مولانا عبیداللہ سندھی سے بطورِ خاص استفادہ کیا۔ لکھتے ہیں:

"غالباً ۱۹۱۲ء کا واقعہ ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی قدس سرہٗ اپنے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے دیوبند آئے۔ میں ان دنوں وہاں تعلیم پا رہا تھا۔ مولانا کے علم و فضل، فہم و ذکا، بیدار مغزی اور سادگی سے دارالعلوم کا بچہ بچہ واقف تھا۔ جیسے ہی اُن کے آنے کی خبر ملی، مولانا محمد میاں المعروف بہ مولانا منصور مجھے اُن کی خدمت میں لے گئے۔ کہہ نہیں سکتا کہ اُن سے مل کر کس قدر مسرت و شادمانی اور اطمینانِ قلب نصیب ہوا۔ اس کیفیت کی یاد اب تک میرے دل میں تازہ ہے۔ مولانا کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ وہ جب تک رہے قرآن کریم اور حجۃ اللہ البالغہ کا درس برابر ہوتا رہا۔ سردی کی راتوں میں بارہا ایسا ہوا کہ عشاء کی نماز کے بعد جو درس شروع ہوا تو رات کے تین چار بج گئے اور استاد و شاگرد میں سے کسی نے بھی تھکن محسوس نہ کی۔ مولانا کافی دن تک رہے۔ دن رات یہی شغلہ رہتا تھا۔ ان صحبتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر قرآن میں درس و فکر کا ذوق پیدا

---

[۱] تحریک شیخ الہند (مولانا محمد میاںؒ) ص ۳۹۸

ہو گیا۔[1]

خواجہ عبدالحیؒ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تو میرٹھ کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔ ۱۹۱۳ء میں مولانا عبیداللہ سندھی نے مسجد فتح پوری دہلی کے شمالی کمروں میں "نظارت المعارف القرآنیہ" قائم کیا۔ خواجہ صاحب اُن کے درسِ قرآن سے استفادہ کے لیے ہر شنبہ کی شام دہلی آجاتے تھے اور پیر کے روز میرٹھ واپس جاتے تھے۔ یہ سلسلہ ۱۹۱۵ء میں مولانا سندھی کے افغانستان روانہ ہونے سے بند ہوا۔

جولائی ۱۹۱۵ء/رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ میں "دارالارشاد" کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے کا مقصد یہ تھا کہ نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت کو کم سے کم مدت میں قرآن کریم کی تعلیم سے آراستہ کیا جائے جو کتاب اللہ کی دعوت و تبلیغ اور اصلاح و ارشاد کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے۔ دارالارشاد کا ایک طبقہ عربی اور دینیات کے فارغ التحصیل علماء پر مشتمل تھا اور دوسرا طبقہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کا تھا۔ جملہ طلبہ کے قیام و طعام کے اخراجات مولانا آزاد نے اپنے ذمے لے رکھے تھے۔

خواجہ عبدالحیؒ میرٹھ کالج کی پروفیسری سے سبکدوش ہو کر کلکتہ آ گئے اور "دارالارشاد" میں مولانا آزادؒ سے اکتسابِ فیض کرنے لگے تھے۔ مولانا آزادؒ کے درسِ قرآن کے بارے میں خواجہ صاحب نے اپنا تاثر ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے کہ:

"(مولانا آزاد) ایک عجیب و دلفریب ایمانی کیفیت قلوب و اذہان میں پیدا کرتے تھے۔"[2]

اس زمانے میں حضرت شیخ الہندؒ اور اُن کے رفقاء حصولِ آزادی کی ایک سکیم پر عمل

---

[1] بصائر (خواجہ عبدالحی فاروقی)، ص ۷
[2] ایضاً ص ۷

کر رہے تھے ، جو تاریخ میں "تحریک ریشمی رومال" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ ۱۹۱۶ء کے اوائل میں اس تحریک کے کارکنوں اور ہمدردوں کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں ۔ مولانا آزاد کو حکومت نے رانچی میں نظربند کر دیا اور "دارالارشاد" کی بساط لپیٹ دی گئی ۔ خواجہ صاحب کلکتہ سے لاہور چلے آئے ۔

تحریک ریشمی رومال کے ہمدرد و ہمنوا ہونے کی حیثیت سے خواجہ صاحب حکومت کی نظر میں تھے ۔ وہ لاہور شہر کی میونسپل حدود سے باہر نہیں جا سکتے تھے اور وہ پنجاب سی ۔ آئی ۔ ڈی کے دفتر میں ہفتہ وار حاضری دینے کے پابند تھے ۔ خواجہ صاحب نے اپنی مصروفیات صرف درس قرآن تک محدود کر دی تھیں ۔ وہ اپنے مکان پر درس دیتے جس میں نوجوان طلبہ بطورِ خاص شریک ہوتے تھے ۔ مولانا نصراللہ خان عزیز مرحوم ان درسوں میں شریک ہوتے تھے ۔ اُن کے الفاظ ہیں :

"درسِ قرآن کے علاوہ وہ کوئی سیاسی بات نہیں کرتے تھے ۔ خفیہ پولیس سائے کی طرح ان کے ساتھ رہتی تھی ۔ انہوں نے درس کے طلبہ کے سامنے کبھی تلقینِ جہاد نہ کی مگر درسِ قرآن کا انداز خود بخود طالب علموں کے اندر روحِ جہاد پھونکتا جاتا تھا اور ہم لوگ فیصلہ کرتے جاتے تھے کہ ہم اپنی زندگی جہاد کے لیے وقف کر دیں گے ۔"[1]

۱۹۱۷ء میں مولانا ظفر علی خان نے اپنے زمانۂ نظربندی میں کرم آباد سے ہفت روزہ "ستارۂ صبح" جاری کیا ۔ جو کچھ عرصہ بعد لاہور آ گیا اور ہفت روزہ سے روزنامہ ہو گیا ۔ خواجہ عبدالحی فاروقی "ستارۂ صبح" میں مولانا ظفر علی خان کے مدیر معاون رہے ۔

---

[1] ماہنامہ "مشیر" (کراچی) ، جنوری ۱۹۵۷ء

خواجہ صاحب بے باک اور حق گو مقرر تھے۔ انہوں نے شاہی مسجد لاہور میں ایک تقریر کی جسے باغیانہ خیال کیا گیا۔ ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء میں اُن کا مقدمہ زیر بحث آیا۔ مولینا غلام رسول مہرؒ نے ملک لال دین قیصرؔ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"ملک لال دین قیصرؔ مرحوم نے ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء کی انتہائی سختیوں کا دور بھی دیکھا تھا۔ وہ ابتدائی عمر ہی میں بڑے بہادر اور جواں مرد تھے اور ڈنڈا فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ مارشل لاء میں گرفتار ہوئے اور بیس سال قید کی سزا سنائی گئی۔ لاہور کے ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں میں بہت سے لوگ جن میں اکابر بھی خاص تعداد میں شامل تھے گرفتار ہوئے اور دوسرے شہروں سے بھی لوگ گرفتار ہو کر آئے۔ وہ سب جیل میں رکھے گئے اور باری باری ایک ایک کے مقدمے کی سماعت ہوتی تھی۔ قیصرؔ مرحوم نے بارہا مجھ سے ذکر کیا کہ اس زمانے میں صرف دو افراد ایسے دیکھے، جن کی بہادری اور دلیری کی قسم کھائی جا سکتی تھی۔ ایک خواجہ عبدالحیٔ، دوسرے ڈاکٹر سیف الدین کچلو مرحوم۔ قیصرؔ صاحب کہا کرتے تھے کہ صرف دو کے چہرے اُفتاد پر رنج وغم کے اثرات سے پاک دیکھے گئے۔ بڑی سے بڑی سزا سُن کر بھی ہنستے اور مسکراتے ہوئے آئے۔"[1]

خواجہ صاحب کو ضبطی جائیداد اور عمر قید بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ فیصلہ سناتے ہوئے "منصفوں" نے یہ بھی کہا کہ اگر مجرم رحم کی درخواست کرے گا تو اس کی سماعت نہ ہو گی۔ خواجہ صاحب پندرہ دن سنٹرل جیل لاہور میں رہے۔ یہاں سے سنٹرل جیل ملتان منتقل کر دیئے گئے۔ جیل میں فرصت کے اوقات قرآن کریم پر غور و فکر میں گزارے۔ بعد میں عام معافی کا

---

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور، ۵ فروری ۱۹۶۵ء

اعلان ہوا تو وہ رہا ہو کر لاہور آ گئے۔

تحریک عدمِ تعاون کے زمانے میں مولانا محمد علی جوہر نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بالمقابل "جامعہ ملیہ" کی بنیاد رکھی، سنگِ بنیاد خواجہ صاحب کے استادِ گرامی شیخ الہند مولانا محمود حسن نے ۱۶ صفر ۱۳۲۹ھ کو رکھا۔ خواجہ صاحب اس تقریب میں شمولیت کے لیے لاہور سے گئے تھے۔ خواجہ صاحب کی خدمات بانیانِ جامعہ نے دینیات کی تعلیم کے لیے حاصل کر لیں۔ موصوف علی گڑھ اور دہلی میں تقسیمِ ہند تک باحسن وجوہ یہ خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۹۴۷ء میں شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر میں ایک ادارہ "جامعہ اسلامیہ" قائم کیا۔ تقریباً دو سال جامعہ اسلامیہ میں علمی و تدریسی خدمات انجام دیں[۱]۔ ۱۹۴۹ء میں جناب جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان صاحب مرحوم (سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان) دہلی گئے تو اُن کی ملاقات خواجہ صاحب سے ہوئی۔ جسٹس صاحب نے انہیں پنجاب یونیورسٹی میں آنے کی دعوت دی، چنانچہ جون ۱۹۵۰ء میں ترکِ سکونت کر کے لاہور آ گئے[۲]۔

پاکستان آ کر دو سال تک کوئی خاص کام نہ کیا۔ ۱۹۵۲ء میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں اسلامیات کے پروفیسر مقرر ہوئے اور آخر دم تک تین سو روپے ماہانہ مشاہرے پر یہ خدمت انجام دیتے رہے[۳]۔ انجمن اصلاح و تبلیغ (آسٹریلین بلڈنگ) لاہور سے وابستہ رہے۔ ابتدا میں رہائش بھی آسٹریلین بلڈنگ کے ایک حصے میں تھی بعد میں تاج کمپنی (اسلامیہ کالج روڈ) کے عقب میں اٹھ آئے۔ انجمن اصلاح و تبلیغ کے آسان ترجمہ قرآن (درسِ قرآن) کی مجلسِ ادارت کے اہم رکن تھے۔

---

[۱] مجلہ "کریسنٹ" (اسلامیہ کالج لاہور) ص ۲۳۴

[۲] ایضاً ص ۲۳۴

[۳] ایضاً ص ۲۱۴

۷؍ جنوری ۱۹۶۵ء کو اُن پر فالج کا حملہ ہوا۔ دوسرے دن ۸؍ جنوری ۱۹۶۵ء/ ۵؍ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ کو جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ قبرستان میانی صاحب میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

خواجہ عبدالحیّ مرحوم نہایت متین اور کم گو تھے۔ ہمیشہ پاجامہ اور شیروانی پہنتے تھے۔ سر پر ٹوپی اور ہاتھ میں چھڑی ہوتی تھی۔ راہ چلتے کبھی اِدھر اُدھر نہ دیکھتے اور حمد و ثنا میں مصروف سیدھے چلے جاتے تھے۔ آخری عمر میں بھی اپنا کام ہمیشہ خود کرتے تھے۔ حلال و حرام میں حد درجہ تمیز کرتے تھے۔ کسی چیز کے بارے میں ذرّہ بھر بھی شک گذرتا تو اسے استعمال میں نہ لاتے۔

کم گو ہونے کے باوجود خوش طبع اور زندہ دل تھے۔ ان کے احباب کی رائے ہے کہ انہیں کبھی پریشان نہ دیکھا گیا۔ مشکلات اور مصائب میں بھی اُن کے وقار اور سنجیدگی میں فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ ایسے صاحبِ علم تھے جنہیں اپنے علم و فضل پر فخر نہیں تھا۔ انہوں نے کبھی اپنی رائے کو "علمیت" کی بنیاد پر نہ منوایا بلکہ رائے دیتے ہوئے عجز و انکسار سے رائے قائم کرنے کے اسباب بیان کر دیتے تھے۔

خواجہ صاحب مولانا عبیداللہ سندھی کے شاگرد تھے اور قرآن فہمی میں اُن کا "اندازِ تفسیر" پیشِ نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے قرآنِ مجید کی متفرق سورتوں کی تفسیر لکھی۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ بصائر: بنی اسرائیل کے واقعات و حوادث اور فرعون کے طرزِ عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن مجید کے فلسفۂ تاریخ پر گفتگو ہے۔ ان کے حالات کو اپنی غلامی اور برطانوی حکومت کے طرزِ عمل پر منطبق کیا ہے۔

۲۔ الخلافۃ الکبریٰ (تفسیر سورۂ بقرہ)

۳۔ بیان (تفسیر سورۂ آلِ عمران)

۴۔ سبیل الرشاد (تفسیر سورۂ الحجرات)

۵۔ بُرہان (تفسیر سورۂ نور)

۶۔ عبرت (تفسیر سورۂ یوسف)

۷۔ صراطِ مستقیم (تفسیر سورۂ انفال و سورۂ توبہ)

۸۔ ذکریٰ (تفسیر پارہ عم)

۹۔ اسباب النزول۔ بعض اہم آیات کی شانِ نزول بیان کی گئی ہے۔

۱۰۔ سُبل السلام

متذکرۂ الصدر تفسیری کتب کے علاوہ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی نے ان کے حسبِ ذیل کتابچے شائع کیے جو طلبہ اور کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔

۱۔ نبیوں کے قصّے

۲۔ حالاتِ قرآن مجید

۳۔ ارکانِ اسلام

۴۔ ہمارے نبیؐ

۵۔ پیارے رسول

۶۔ خلفائے اربعہ

خواجہ صاحب کے بہت سے علمی، ادبی اور تاریخی مضامین رسائل و جرائد میں منتشر ہیں جن کی ترتیب و تدوین ہونی چاہیے۔ خواجہ صاحب کو شعر و شاعری سے بھی رغبت تھی۔ اُن کے ایک پُرانے ملنے والے بزرگ حکیم ظفر اللہ صاحب (اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور) کے ذریعے اُن کی حسبِ ذیل نظم "پیغامِ عمل" سامنے آئی ہے؛[۵]

کچھ مقصد لے کر آتا ہے اس دُنیا میں جو آتا ہے!
محرومِ عمل جو رہتا ہے وہ جیتے جی مر جاتا ہے!

---

[۵] مجلّہ "کریسنٹ" (۱۹۶۵ء) ص ۱۲۴

اس مزرعِ عالم کو سینچو تم جدو جہد کی بارش سے!

جو بیج عمل کا بوتا ہے وہ پھل درخت کا پاتا ہے!

رستے کی صعوبت سہہ کر ہی منزل پہ پہنچنا ممکن ہے!

آگاہ حقیقتِ غم ہے جو وہ لذت و عیش اڑاتا ہے

ہر ایک مصیبت دُنیا میں پیغام خوشی کا لاتی ہے

گلشن میں خزاں کا آنا ہی اُمیدِ بہار دلاتا ہے

دریا کی طرح جو چلتا ہے اور پھر چلتا ہی رہتا ہے

کہساروں کو میدانوں کو خاطر میں کب وہ لاتا ہے

ہر رات کے پچھلے حصّے میں کچھ دولت لٹتی ہوتی ہے!

جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے



عبدالخالق شورکوٹی

مولانا عبدالخالق بن مولانا احمد دین بن محمد امین بن محمد اسلام ۵ رمئی ۱۸۹۶ء/۲۲/ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ کو بستی ولی محمد چینڈیر تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباؤ اجداد زمرۂ علماء میں شمار ہوتے تھے۔ یہ خاندان اصلاً موضع منیکرہ ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا۔ مولانا عبدالخالق کے والد بزرگوار مولانا احمد دین ترکِ سکونت کر کے بستی ولی محمد آ گئے تھے۔

مولانا عبدالخالق نے "باگڑ سرکانہ" میں اپنے برادرِ مکرم مولانا نور الحق اور والدِ ماجد سے درسِ نظامی کی اکثر کتابیں پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور وہیں سے سندِ فراغ حاصل کی۔

۱۳۶۳ھ/۴۴-۱۹۴۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں عربی کے مدرّس مقرر ہوئے اور تقسیمِ ہند تک فرائضِ منصبی بخوبی انجام دیئے۔ دارالعلوم دیوبند سے وطن آ گئے اور مختلف مدارسِ دینیہ سے وابستہ رہے۔ تین سال جامعہ عباسیہ بہاول پور میں شیخ الحدیث رہے۔ اس کے بعد پانچ سال مدرسہ نعمانیہ ملتان، بارہ سال مدرسہ محمدیہ تڑھال، چھ سال مدرسہ قاسم العلوم ملتان اور زندگی کے آخری چند سال دارالعلوم کبیروالا میں درس و تدریس میں صرف کیے۔

مولانا عبدالخالق نے زمانۂ تعلیم میں مولانا ابوالسعد احمد خانؒ سے بیعت کی تھی۔ ابھی سلسلۂ نقشبندیہ کے اوراد و اشغال مکمل نہیں ہوئے تھے کہ مولانا ابوالسعد احمد خان کا انتقال ہو گیا۔ اُن کے جانشین مولانا عبداللہ ہوئے۔ مولانا عبداللہ سے تجدیدِ بیعت کی اور اُن کے خلیفہ مجاز ہوئے۔

مولانا عبدالخالق اچھے منتظم، خوش پوش اور ہنس مکھ انسان تھے۔ پوری زندگی تجرّد میں گزاری۔ ۱۵/نومبر ۱۹۶۶ء/یکم شعبان ۱۳۸۶ھ کو نمازِ فجر کے بعد مراقبے کی حالت میں فوت ہوئے اور احاطۂ دارالعلوم کبیر والا میں دفنائے گئے۔ قطعۂ تاریخِ وفات یہ ہے:

بجھی شمعِ محفل جہاں دم بخود ہے
ہے تاریخ دیں کے نگینِ فخرِ دیں کی
ہوا آہ رخصت وہ نور النجوم!
نویدِ خدا۔ شیخ دارالعلوم

۱۹۶۶ء



عبدالدیان دامانی

مولانا عبدالدیان دامانی بن مولانا عبداللہ جی موضع دامان ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد ماجد مولانا عبداللہ جی اپنے آبائی وطن موضع "کانڑاں غربند" (سوات) سے حصول تعلیم کے لیے دامان تشریف لائے تھے۔ جہاں مولانا محمد موسیٰؒ کا درس تشنگانِ علوم کی پیاس بجھا رہا تھا۔ مولانا عبداللہ جی اپنے اوصافِ حمیدہ سے اُستادِ محترم کی محبت و شفقت کا مرکز بن گئے اور وہ مولانا محمد موسیٰ کے گھر کے ایک فرد معلوم ہونے لگے۔ بعد میں مولانا محمد موسیٰ نے اپنی صاحبزادی کو اُن کے نکاح میں دیا۔ اس طرح مولانا عبداللہ جی نے دامان کو اپنا وطن بنالیا۔

مولانا عبدالدیان نے مختلف اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ جن میں مولانا عصمت اللہ (ساکن ویسہ)، مولانا محمد صدیق (ساکن ضلع مردان)، مولانا صاحبِ حق (ساکن رزڑ پور) اور مولانا محمد دین بدھوی کے نام ملتے ہیں۔

دورۂ حدیث دہلی کی مشہور درسگاہ مدرسہ عبدالرب میں مولانا عبدالعلیؒ سے کیا۔ کچھ عرصہ رسمی داخلہ لیے بغیر دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد انور شاہ کاشمیری سے استفادہ کیا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو دامان میں تشنگانِ علوم کو سیراب کرنے لگے۔ بعد میں شاہجہانپور تشریف لے گئے اور سات سال تک حدیث و تفسیر کی تدریس کی۔ اس زمانے میں اُن کے مخلص دوست مولانا قاضی غلام جیلانی شمس آبادی بنگال میں دینی خدمات میں مصروف تھے۔ انہوں نے مولانا عبدالدیان کو بلالیا۔

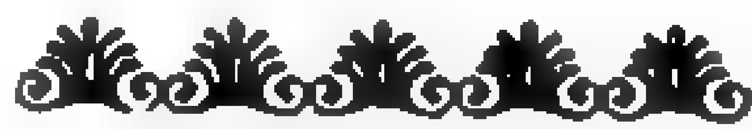
مولانا عبدالدیانؒ اور مولانا قاضی غلام جیلانیؒ کی کوششوں سے ڈھاکہ اور نرائن گنج کے علاقوں میں قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا ہوا۔ بنگال میں اُن کا سلسلہ رشد و ہدایت دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور آخر عمر میں ضعف و نقاہت کے باوجود عقیدت مندوں کے اصرار

پر بنگال تشریف لے جاتے تھے۔

تقسیم ہند سے پہلے جمعیت علمائے اٹک کے رکن رکین تھے۔ بعد میں جمعیت علمائے اسلام کی سرگرمیوں میں حصّہ لیتے رہے۔

مشہور مجاہد اور غازی مولانا فضل واحد المعروف بہ حاجی صاحب ترنگ زئی (م ۱۳۶۵ھ) سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔ حاجی صاحب، مولانا عبدالدیان پر بہت اعتماد کرتے تھے جب وہ حاجی صاحب کے ہاں حاضر ہوتے تو وہی جہاد کے موضوع پر وعظ و نصیحت کرتے تھے۔

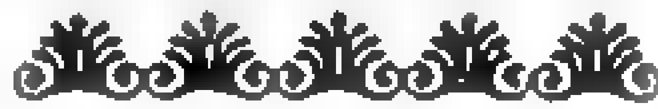
۵ اپریل ۱۹۷۱ء/۸ صفر ۱۳۹۱ھ رات دو بجے وفات پائی۔ ان کے خلف الرشید مولانا ظہور الحق نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مرحوم کے دونوں صاحبزادے مولانا ظہور الحق اور مولانا نور الحق خدماتِ دینیہ میں مصروف ہیں۔



عبدالرحمان جانگلوی

مولانا عبدالرحمان موضع جانگلہ ضلع اٹک کے باشندہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ مولانا حسین علی نقشبندی سے تعلقِ ارادت رکھتے تھے۔ زہد وورع میں لاثانی اور علم وعمل کا صحیح پیکر تھے۔ موضع جانگلہ میں موصوف ہی پہلے شخص تھے جنہوں نے توحید واحیائے سنّت کے لیے آواز بلند کی۔ عرصہ دراز تک تدریس اور تبلیغ کے اشغال میں مصروف رہے۔ کچھ عرصہ بیمار رہ کر ۳ر صفر ۱۳۶۲ھ/ ۹ر فروری ۱۹۴۳ء کو دنیا سے رخصت ہوئے۔[1]

لاولد تھے البتہ ان کی روحانی اولاد نے اُن کے نام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔



---

[1] اصلاح الاخوان ص ۱۳۹

عبدالرحمان حضروی

مولانا عبدالرحمن معروف بہ لقب میاں صاحب بن میاں فضل الٰہی حضروی ۲۹ راگست ۱۸۸۶ء/۲۹ ذی قعدہ ۱۳۰۳ھ کو حضرو ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم موضع قاضی پور نزد تربیلہ کے ایک عالم مولوی حبیب شاہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد کلکتہ چلے گئے اور مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آخر میں مولانا ولی احمد برہانی سے دو سال میں ہدایہ، جلالین اور مشکوٰۃ کا درس لیا اور دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ ۱۹۲۴ء/۱۳۴۲ھ میں سندِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا عبدالرحمان فارغ التحصیل ہوکر وطن آئے اور چند سال وہیں رہے۔ ۱۹۲۸ء/ ۴۷-۱۳۴۶ھ میں اُن کی شادی ہوئی اور کچھ عرصہ بعد دوبارہ دیوبند چلے گئے۔ موصوف دیوبند میں کپڑے کی دکان کرتے تھے اور دینی و سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی شاخ دیوبند سے منسلک رہے اور تقسیم ہند کے بعد مسلم لیگی ہونے کی وجہ سے دوبار گرفتار ہوئے۔ پہلی بار سنٹرل جیل بریلی اور دوسری بار سہارنپور جیل میں محبوس رہے۔ ۱۹۵۱ء/۷۱-۱۳۷۰ھ میں پاکستان آئے۔ موصوف نے حضرو میں بھی کپڑے کا کاروبار جاری رکھا اور دینی خدمات فی سبیل اللہ انجام دیں۔

مولانا عبدالرحمان ۲۰ر فروری ۱۹۷۷ء/یکم ربیع الاولیٰ ۱۳۹۷ھ کو حضرو میں فوت ہوئے۔ اُن کی اولاد میں دو صاحبزادے عبدالرشید اور محمد ابراہیم ہیں جو اپنے خاندان کی روایات کے امین ہیں۔



قاضی عبدالرحمان

ابوالفیض قاضی عبدالرحمان بن قاضی نور احمد ضلع اٹک کے ایک معمولی گاؤں پنڈی سرال میں اندازاً ۱۲۸۵ھ/۶۹-۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ کئی پشتوں سے اُن کے خاندان میں علم و فضل کی روایت چلی آرہی تھی۔ اُنہوں نے ابتدائی درسیات اپنے ماموں قاضی رحیم بخش ساکن راجڑ ضلع راولپنڈی سے پڑھیں۔ پنجاب کی مختلف درس گاہوں میں زیرِ تعلیم رہے اُن کے اساتذہ میں مولانا سعد اللہ (علاقہ چھچھ)، مولانا نصیر الدین غور غشتوی اور مولانا محمد حسن فیضی (ساکن بھیں ضلع جہلم) جیسے فضلاء شامل ہیں۔ علاقہ تیراہ میں بھی منطق و فلسفہ کی تحصیل کے لیے مقیم رہے تھے۔ ۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی۔

سندِ فراغت کے بعد ہمہ تن تدریس و تبلیغِ دین میں مصروف ہو گئے۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور، مدرسہ نظامیہ محلہ امام باڑہ راولپنڈی اور پنڈ دادن خان میں بھی تدریسی فرائض انجام دیئے۔ علومِ متداولہ کی سب ہی کتابیں پڑھاتے تھے مگر عربی انشاء و ادب میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ بلند پایہ مدرّس اور صاف گو عالم تھے۔ پنڈی سرال میں ایک ایک وقت میں ساٹھ ستّر طلبہ موجود رہتے تھے۔

ان کے وطنِ مالوف میں "ضاد" مشابہ بالدال پڑھا جاتا تھا۔ مولانا عبدالرحمان نے عربی زبان کے مختلف لہجوں کا مطالعہ کیا تھا اور "ضاد" کو مشابہ بالظاء پڑھنے کی تلقین کی۔ اس سلسلہ میں اُنہیں مخالفتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر اُن کے دلائل کا جواب نہ دیا جا سکا۔

قاضی سلطان محمود مرحوم اعوان شریف (گجرات) سے بیعت تھے اور سلسلۂ قادریہ میں اُن کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا عبدالرحمان صاحب سے بھی خلقِ خدا نے خاصا

فیض حاصل کیا۔

آخری عمر میں موتیا بند کی وجہ سے بینائی سے محروم ہو گئے تھے مگر ہر حال میں صابر و شاکر رہے ۲۲ر شوال ۱۳۷۲ھ/ ۲ر جولائی ۱۹۵۳ء کو قبل مغرب وفات پائی۔ بیماری کے ایام میں اپنی تاریخ وفات کہی تھی۔

بظلِ آلہٖ عبدُالرحمٰن

۱۳۷۲ھ

یہی تاریخ اُن کی لوحِ مزار پر کندہ ہے۔

مولانا عبدالرحمان سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔ البتہ ان میں سے صرف پہلی دو زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی ہیں۔ باقی کتب بصورتِ مسوّدات اُن کے لواحقین کے پاس محفوظ ہیں۔ مولانا مرحوم بہت اچھے خوشنویس تھے۔ اُن کے مسوّدات خطّاطی کے نادر نمونے ہیں۔

۱۔ التحقیق الانیق فیما یتعلق بالتصور والتصدیق ——— علم منطق میں منظوم عربی رسالہ ہے۔

۲۔ اعلام الغافلین۔ ذبیحہ فوق العقدہ کے بارے میں یہ رسالہ ۱۳۴۴ھ میں طبع ہوا۔

۳۔ حاشیہ بخاری۔ از افادات شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، دورانِ طالب علمی یہ افادات یکجا کیے تھے۔

۴۔ حاشیہ میر زاہد

۵۔ حاشیہ قاضی مبارک

۶۔ حاشیہ حمداللہ

۷۔ حاشیہ الارشاد (فی علم النحو)

۸۔ حاشیہ میر ایساغوجی

مولانا مرحوم عربی اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ اُن کے قصائد و مراثی کا ایک

اچھا مجموعہ مرتّب کیا جا سکتا ہے۔ ایک کتاب کی ابتداء یوں کی ہے۔

الحمد للہ علی الآلاء والشکر للہ علی النعماء
الواحد الفرد الذی لا مثلہ فی وحدہ الذات والاسماء
لم یتخذ زوجا ولا مولوداً وھو ذوالتقدیس عن الکفاء

امیر حبیب اللہ خان والئ کابل کی مدح میں ایک طویل عربی قصیدہ لکھا جس کے اشعار کے پہلے حروف جمع کرنے سے امیر حبیب اللہ اور اس کے ولی عہد کا نام بر آمد ہوتا ہے۔

تاریخ گوئی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جب بینائی نہ رہی تو زبانی تاریخ کہہ دیتے تھے مسجد تعمیر کرائی تو حسب ذیل تاریخی قطعہ کہا۔

چوں در خشید نور ایمانی در دل مردمان حقّانی
گشت معمور مسجد زیبا مسجد خوش لقا و لاثانی
گفت ہاتف زبہر تاریخش بانی الفیض بانئ نورانی

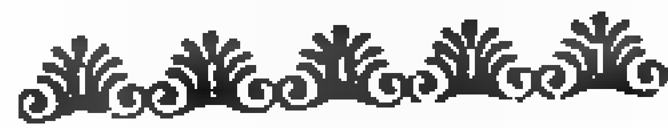
۱۳۲۰ھ

قاضی صاحب کی اولاد میں تین صاحبزادے حیات ہیں۔

۱۔ قاضی فیض الرحمان

۲۔ قاضی محمد قاسم حجازی، مولوی فاضل و فاضل مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور

۳۔ قاضی محمد حسن مولوی فاضل و فاضل مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور



عبدالرحمان کامل پوری[۱]

مولانا عبدالرحمان بن مولانا حکیم گل محمد بن محمد عباس بن محمد حبیب ۲۷ اپریل ۱۸۸۲ء / ۸ رجادی الآخری ۱۲۹۹ھ کو موضع بھبودی نزد حضرو (ضلع اٹک) میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جدِّ امجد سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے مجاہدین میں سے تھے اور وہ معرکہ ہائے جہد و دغا سے فارغ ہو کر واپس وطن غزنی جانے کے بجائے "بھبودی" میں مقیم ہو گئے۔ اُن کا خاندان شرافت و نجابت میں امتیازی حیثیت کا مالک تھا۔ اُن کے والد ماجد مولانا گل محمد (م ۱۳۴۷ھ) سنجیدہ عالم دین اور معروف طبیب تھے۔ مولانا عبدالوہاب معروف بہ پیر مانکی شریف کے مرید با اخلاص تھے۔

مولانا عبدالرحمان نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ اُن کے چچا حکیم غلام رسول شمس آباد (ضلع اٹک) میں مقیم تھے۔ اُن کے ہاں قیام رہا اور مولانا فضل حق شمس آبادی سے صرف و نحو کی تحصیل کی۔ مولانا عبدالرحمان (ساکن پنڈی سرال ضلع اٹک) کے ہاں تین سال قیام کیا۔ اور ان سے شرح جامی سے ملا حسن تک درسی کتابیں پڑھیں۔ پنڈی سرال سے اورنگ آباد (ضلع اٹک) جا کر مولانا عبدالرؤف سے استفادہ کیا۔ اخلاص اور مکھڈ میں مولانا حسن الدین سے منطق و فلسفہ کی آخری کتابیں مثل حمد اللہ، صدرا اور شمس بازغہ پڑھیں۔ صوبہ سرحد کے مقامات ڈاگئی اور چکیسر میں اساتذہ وقت سے اکتساب فیض کیا۔ آخر ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور دو سال قیام کر کے درسِ نظامی کی آخری کتب اور صحاح ستہ پڑھیں۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری اُن کے مشفق اساتذہ میں سے

۱۔ ضلع اٹک کے سابق نام "کیمبل پور" کی نسبت سے "کیمبل پوری" صفتِ نسبتی تھی جسے "کامل پوری" سے بدل دیا گیا ہے۔

تھے۔ شوال ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ حضرت شیخ الہندؒ سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی، مولانا انورشاہ کاشمیریؒ سے ابوداؤد اور مولانا محمد احمد سے صحیح مسلم پڑھی تھی۔

طب کے ساتھ خاندانی مناسبت تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ قیام میں حضرت شیخ الہندؒ کے بھائی حکیم محمد حسن سے نفیسی، شرح اسباب، مؤجز اور قانونچہ پڑھا اور امتحان میں بیٹھ کر سندِ کامیابی حاصل کی۔

مولانا عبدالرحمان زمانۂ طالب علمی میں ذہین و فطین طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔ اساتذہ کے عزیز شاگرد تھے۔ سہارن پور اور دیوبند کے مدارس میں انعامات سے نوازے جاتے رہے۔ ۱۳۳۴ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تو اپنی مادرِ علمی مدرسہ مظاہرالعلوم میں تدریس شروع کی۔ روداد مدرسہ مظاہرالعلوم میں اُن کے تقرر کی اطلاع ان الفاظ میں ملتی ہے۔

"مولوی عبدالرحمان صاحب کامل پوری جو اس مدرسہ سے گزشتہ سال میں قابلِ اطمینان کامیابی کے ساتھ فارغ التحصیل ہو چکے تھے اور نہایت قابل اور مستعد ہیں۔ طلبہ کو طالب علمی کے وقت سے ہی اُن کی طرف گرویدگی تھی۔ اُن سے طلبائے مدرسہ اس وقت بھی پڑھتے تھے مدرس عربی مقرر کیے گئے ہیں۔"[۱]

مولانا سہارن پور میں تھے تو مدرسہ خانقاہ تونسہ شریف کے لیے انہیں بلایا گیا۔ مگر مولانا خلیل احمد سہارن پوری نے انہیں اجازت نہ دی۔ کچھ عرصہ بعد جب مولانا "بہیودی" آئے تو خانقاہ تونسہ کے کارپردازوں نے مولانا حسن الدینؒ دجو مولانا کامل پوری کے

---

[۱] بحوالہ تجلیاتِ رحمانی ص ۶۷

اُستاد تھے) اور بعض دوسرے عزیزوں سے دباؤ ڈلوا کر انہیں تونسہ جانے پر مجبور کر دیا۔ مگر ان کا یہاں دل نہ لگ سکا اور واپس مظاہر العلوم چلے گئے۔ ۱۶ شوال ۱۳۴۴ھ کو مولانا خلیل احمد (صدر مدرس) حجاز روانہ ہوئے تو ان کی جگہ صدر مدرس بنائے گئے۔ وہ ۱۳۶۶ھ تک صدر مدرس رہے۔ صدارتِ تدریس کے ساتھ مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ کے رُکن بھی تھے۔

سہارن پور کے زمانۂ قیام میں ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۹ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ جن دنوں دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں شریک تھے۔ اپنے استادِ گرامی مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے بیعت کی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) مدرسہ مظاہر العلوم کے سرپرست تھے اور اُن کی بار ہا زیارت ہوئی تھی۔ اُن سے تعلقِ خاطر تھا۔ چنانچہ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ کو اُن سے سلوک و معرفت کے مسائل پر خط و کتابت شروع ہوئی اور جمادی الاخریٰ ۱۳۴۹ھ میں مولانا تھانویؒ نے انہیں خلافت و اجازت سے نواز دیا۔[1] مولانا عبدالماجد دریا آبادی (م ۱۳۹۷ھ) نے لکھا ہے:

"شیخ الطریقت مولانا عبدالرحمان صاحب کیمبل پوری، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے اور ایسے نادرِ روزگار کہ مسندِ خلافت آپ کو اپنے شیخ سے قبل بیعت ہی از خود مرحمت ہو گئی تھی۔"[2]

۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں شعبان و رمضان کی تعطیلات گذارنے وطن آئے ہوئے تھے کہ ہندوستان تقسیم ہو گیا۔ اور سہارن پور سے تعلق ملازمت ٹوٹ گیا۔ مولانا خیر محمد

---

[1] یہ خط و کتابت "مکاتیب عبادۃ الرحمان" کے عنوان سے اشرف السوانح جلد سوم میں شامل ہے بعد میں "تجلیاتِ رحمانی" میں بھی یہ مراسلت شائع ہوئی۔

[2] بحوالہ تجلیاتِ رحمانی ص ۱۲۶

جالندھری نے مدرسہ "خیر المدارس" ملتان کی بنیاد رکھی تو اشتراکِ مسلک کی بنیاد پر ۱۳۶۷ھ تا ۱۳۶۹ھ خیر المدارس میں شیخ الحدیث رہے۔ ۹ محرم ۱۳۶۹ھ / یکم نومبر ۱۹۴۹ء کو علمائے دیوبند کے ایک نمایندہ اجتماع میں ایک مرکزی دار العلوم قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جس کے نتیجے میں دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار قائم ہوا۔ شیخ الحدیث کی مسند کے لیے مولانا عبد الرحمان کا انتخاب ہوا۔ موصوف یکم شعبان ۱۳۶۹ھ تا شعبان ۱۳۷۲ھ یہاں رہے۔ اس کے بعد چار سال جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں درسِ حدیث دیا۔

۱۹۵۸ء میں بوجہ ضعفِ پیری سلسلۂ تدریس ختم کر دیا اور وطن مالوف میں اقامت اختیار کر لی۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۶۵ء / ۱۶ شعبان ۱۳۸۵ھ کو فالج میں مبتلا ہو کر ۲۱ دسمبر / ۲۷ شعبان کو انتقال کیا۔ "بہودی" میں تدفین عمل میں آئی۔ مصرعہ وفات یہ ہے ؎

آہ اب تیغِ اجل سے بے سروپا ہو گئے
فقر و دیں، زہد و ورع، فضل و کرم، علم و عمل
ق + ی + ہ + ر + ض + ر + ل + م

——— ۱۳۸۵ھ ———

مولانا کاملپوری کم سخن، خاموش طبع اور زاہد و متقی بزرگ تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رح نے ایک بار کہا تھا کہ "مولانا کاملپوری نہیں پورے کامل ہیں۔"

مولانا سے چند متفرق تحریریں یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ "مختصر الطحاوی کی" بعض مشکل عبارات کی توضیح "الحاوی علی مشکلات الطحاوی" بھی ان کے قلم سے ہے۔



عبدالرحیم کوٹلوی

عبدالرحیم کوٹلوی ۱۸۹۰ء/۱۳۰۷ھ میں موضع "بن تودلہ" ضلع قصور میں پیدا ہوئے۔ نسباً اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کی عمر چھ برس تھی کہ اُن کا خاندان ترکِ سکونت کر کے "کوٹلی رائے ابوبکر" چلا گیا۔ اُنہوں نے مڈل کا امتحان کھیم کرن سے پاس کیا اور دینی تعلیم کے لیے "لکھوکے" چلے گئے۔ لکھوکے میں اُن کے ہم سبق طلبہ میں مولانا محمد عمر اچھروی بھی شامل تھے۔ لکھوکے کی درس گاہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اسی عرصے میں طب پڑھا اور ذریعہ معاش کے طور پر منڈی عثمان والا میں مطب شروع کیا۔ بعد میں مطب کو تبلیغی اور سیاسی سرگرمیوں میں مانع سمجھتے ہوئے ختم کر دیا۔ سیاسی طور پر مجلس احرارِ اسلام سے وابستہ رہے تھے۔

۱۹۴۷ء کے آغاز میں پتوکی آ گئے تھے اور اپنی خدمات جمعیت اہل حدیث کے سپرد کر دیں۔ مدت العمر جمعیت اہل حدیث ضلع لاہور کے ناظم اعلیٰ رہے اور جمعیت کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اپنے مسلک میں بہت سخت تھے۔ مناظروں اور مباحثوں میں دلچسپی لیتے تھے۔ اپنے پرانے دوست مولانا محمد عمر اچھروی سے چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ طویل عرصہ بیمار رہ کر ۴ دسمبر ۱۹۶۹ء/۲۴ رمضان ۱۳۸۹ھ کو وفات پائی۔



قاضی عبدالرحیم

قاضی عبدالرحیم بن قاضی عبداللہ بن قاضی نظام الدین ۷ ر دسمبر ۱۸۸۴ء / ۲۸ ر صفر ۱۳۰۲ھ کو ضلع گوجرانوالہ کے معروف قصبہ "کوٹ قاضی" میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان کے بعض افراد گلاب سنگھ اور رنبیر سنگھ والیانِ کشمیر کے ہاں معزز عہدوں پر فائز تھے۔ قاضی نظام الدین کو سید امیر حیدر شاہ خانپوری ہزاروی سے عقیدت تھی اور اُن کے توسط سے مولانا عبداللہ غزنوی سے متعارف ہوئے۔ دونوں بزرگوں کے زیر اثر اہلِ حدیث ہو گئے تھے اور اس طرح قاضی خاندان میں تحریکِ اہلِ حدیث عام ہوئی۔

قاضی عبدالرحیم نے ابتدائی درسی کتب گھر پر پڑھ کر ۱۸۹۵ء / ۱۳۱۲ - ۱۳ ھ میں حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے حلقۂ درس میں شمولیت اختیار کی اور سات سال بعد اُن سے سندِ فراغت حاصل کی۔ ۱۹۰۵ء میں مولانا عبدالجبار غزنویؒ سے صحیح بخاری کا اعادہ کیا۔ اسی طرح مولانا عبدالاوّل غزنویؒ سے ابوداؤد پڑھی۔ مدرسہ تقویت الاسلام امرتسر کے مدرس مولانا محمد معصوم ہزاروی سے بھی اکتساب فیض کیا۔ ۱۹۰۶ء تا ۱۹۰۸ء دہلی کے مدرسہ طبیہ میں زیرِ تعلیم رہے۔

حصولِ تعلیم سے فارغ ہو کر گوجرانوالہ میں مطب شروع کیا اور آخر دم تک خلقِ خدا کو فیض پہنچاتے رہے۔ پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے ساتھ ملک کی دینی اور سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے۔ تحریکِ مجاہدین کے ہمدردوں میں سے تھے۔ مولوی فضل الٰہی وزیر آبادی سے تعلقِ ارادت تھا اور دامے درمے تحریک کا تعاون کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق خلافت کمیٹی گوجرانوالہ کے سیکرٹری جنرل رہے تھے۔ ۲ ر محرم ۱۳۹۱ھ / ۲۷ ر فروری ۱۹۷۱ء کو فوت ہوئے۔



عبدالرسول قصوری

مولانا حافظ عبدالرسول بن مولانا غلام محی الدین قصوری ۱۲۳۵ھ/۲۰-۱۸۱۹ء میں قصور میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور والد ماجد سے علوم مروّجہ کی تحصیل کی۔ اُن ہی کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی۔ سندِ فضیلت اور سلسلۂ نقشبندیہ میں خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا عبدالرسول نے وعظ و ارشاد اور درس و تدریس میں زندگی گزاری۔ اپنے وقت کے بلند پایہ علماء میں شمار ہوتے تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری کو اُن سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ مفتی صاحب اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت (غلام محی الدین قصوری) کے صاحبزادے شیخ عبدالرسول بھی عالم اعلم و فاضل افضل و کامل اکمل، جامع شرافت و نجابت، ہادیٔ شریعت و طریقت، واقف حقیقت و معرفت ہیں۔ حضرت کی ذات بابرکات ایسے زمانہ میں کہ مردانِ خدا عنقا ہو گئے ہیں۔ مغتنماتِ وقت سے ہے مؤلف کتاب بھی اُن کے دیدارِ پُرانوار سے مشرف ہوا ہے۔ سبحان اللہ کیسے مردِ خدا ہیں۔ جن کی زیارت کرنے سے خدا یاد آتا ہے۔ اللہ اُن کو دیر تک سلامت رکھے۔ حضرت کا وعظ ایسا پُر مذاق و پُر تاثیر ہے کہ سُننے والے کے دل پر اس کے مضامین نقش ہو جاتے ہیں اور جب تک حضرت وعظ میں مصروف رہتے ہیں آنکھوں سے آنسو نہیں تھمتے اور اخلاقِ حسنہ کی تعریف کیا کی جائے۔ حضرت کے اخلاق کو محمدی اخلاق سے کمال نسبت ہے۔"[1]

---

[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۴۱-۱۴۲

مولانا قصوری مہمان نواز، محبِ فقرا اور فیاض تھے۔ طبعاً حلیم اور متواضع تھے۔

۲۱۔ محرم ۱۲۹۴ھ/ ۵ فروری ۱۸۷۷ء کو فوت ہوئے۔ مولانا غلام دستگیر قصوری نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مولانا غلام محی الدین قصوری کے احاطۂ مزار میں دفنائے گئے۔ "رضی اللہ الحمید عنہ"[1]

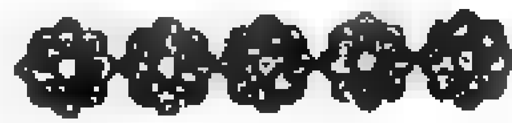
۱۲۹۴ھ

سے سالِ وفات نکلتا ہے۔ مولانا غلام رسول شائق رسول نگری نے عربی میں قطعہ تاریخِ وفات کہا جو لوحِ مزار پر کندہ ہے:

الا عبدالرسول الشیخ قدمات!
ہوالکامل بلانقص ولا عیب
فان تسألن عن عام ارتحالہ
اقل تاریخہ نعوث بلا ریب[2]

۱۵۰۶ - ۲۱۲ = ۱۲۹۴ھ

مولانا عبدالرسول قصوریؒ نے تصنیف و تالیف کی طرف چنداں توجہ نہیں دی تاہم اُن سے "خطباتِ جمعہ و عیدین" یادگار ہیں۔ اُن کی اولاد میں صرف دو صاحبزادیاں ہیں۔



---

[1] احسن الکلام گوہر نظام ص ۶۱

[2] انوار محی الدین ص ۲۳۰

عبدالرشید نسیم

مولانا عبدالرشید نسیمؔ بن مولانا محمد بخش علمی دنیا میں علامہ طالوت کے نام سے معروف ہیں۔ یکم فروری ۱۹۰۹ء/ ۷ر محرم ۲۷ ۱۳ھ کو ڈیرہ غازی خان کے نواحی گاؤں چوٹی زیریں جمال خان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والدِ ماجد مولانا محمد بخش فارسی اور عربی کے فاضل تھے۔ دبیر الملک مولانا عزیز الرحمان عزیزؔ نے لکھا ہے:

"حضرت مولانا مولوی محمد بخش صاحب قدس سرہ العزیز جو اپنے وقت کے فقیہِ اعظم، بہت بڑے صوفی اور ولی اللہ تھے۔ خود خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ (غلام فریدؒ) کے تربیّت یافتہ تھے۔ اُس شخص کے مقام کی بلندی کا اندازہ تخیّلِ پرشکستہ کیا کر سکتا ہے جو حضرت خواجہ محمد بخش صاحب نازک کریم کا ہم نام و ہم درس تھا اور مغفور خواجہ غلام فرید صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خصوصی درس کا بہترین طالب علم تھا۔"[1]

مولانا محمد بخش مرحوم نے اپنے منجھلے صاحبزادے مولانا عبدالرشید کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم ڈیرہ غازی خان میں حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے "مولوی فاضل" کا امتحان پاس کیا۔ فنِ طب میں "زبدۃ الحکماء" کا درجہ رکھتے تھے۔

مولانا عبدالرشید فارغ التحصیل ہوئے تو محکمۂ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ مختلف

---

[1] دیوانِ فرید (مترجم، شرح اور مصوّر) ص ۷

تعلیمی اداروں میں کام کیا۔ آخری زمانۂ حیات میں گورنمنٹ نارمل سکول ملتان میں السنۂ شرقیہ کے استاد تھے۔ انہوں نے خاموش علمی زندگی گزاری۔ بیسیوں مضامین لکھے جو برِ صغیر پاک و ہند کے معروف اور بلند پایہ رسائل و جرائد مثلاً خیام (لاہور)، عالمگیر (لاہور)، معارف (اعظم گڑھ) اور العزیز (بہاول پور) میں شائع ہوئے۔

مولانا عبدالرشید نسیم کی اہم علمی یادگاریں یہ ہیں:

۱۔ مقدمہ دیوانِ فرید (ص ۱۲ - ۱۱۰) مرتبہ و مشرحہ مولانا عزیز الرحمان عزیز

۲۔ تاریخ ادبِ عربی (غیر مطبوعہ)

مولانا عبدالرشید کے اہم کارناموں میں سے ایک علامہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی کے درمیان مفاہمت کرانا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ۸ر جنوری ۱۹۳۸ء/ ۶ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ کی شب مولانا حسین احمد مدنیؒ نے صدر بازار دہلی کے ایک جلسہ میں تقریر کی۔ جس کا بڑا حصہ ۹ر جنوری کے روزنامہ "تیج" (لاہور) اور روزنامہ "انصاری" (دہلی) میں شائع ہوا۔ چند روز بعد "الامان" (دہلی) اور "وحدت" (دہلی) نے اس تقریر کو قطع و برید کے بعد اپنے صفحات میں جگہ دی۔ ان پرچوں سے "زمیندار" (لاہور) اور "انقلاب" (لاہور) نے اس تقریر کو نقل کیا اور یہ جملے مولانا مدنیؒ کی طرف منسوب کیے کہ:

"اس زمانے میں قومیں وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ بھی اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں"[1]

---

[1] مولانا سید حسین احمد مدنی .... اور علامہ اقبال، انوار مدینہ ج ۸ش ۷، ص ۴۳

ان اخباری اطلاعات سے متاثر ہو کر علامہ اقبالؒ نے حسبِ ذیل اشعار کہے ع

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ!
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبیست
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدؐ عربی ست
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بو لہبی است[1]

ان اشعار سے برصغیر کے علمی و دینی حلقوں میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ مولانا عبدالرشید نے "طالوت" کے قلمی نام سے دونوں بزرگوں سے خط و کتابت کی اور دونوں کو ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ کیا۔ جب مولانا مدنی نے یہ واضح کر دیا کہ انہوں نے مسلمانانِ برِّ صغیر کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں بلکہ صرف امرِ واقعہ بیان کیا ہے کہ آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں تو علامہ نے روزنامہ "احسان" کے مدیر کو خط لکھا جس میں ارشاد فرمایا:

"مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانانِ ہند کو جدید نظریۂ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اعتراض کا نہیں رہتا۔"[2]

مولانا عبدالرشید اُردو اور فارسی کے کامیاب شاعر تھے۔ گاہے نسیم اور

---

[1] ارمغانِ حجاز ص ۲۷۸

[2] انوارِ اقبال ص ۱۶۸

گا۔ ہے طالوت تخلص کرتے تھے۔

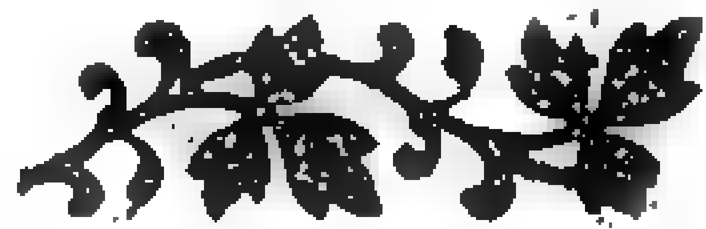
۳۰ رمارچ ۱۹۶۳ء/ ۵ر ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ کو فوت ہوئے۔ جناب عاصی کرنالی نے حسبِ ذیل قطعۂ وفات کہا ع

شعر و سخن کی موت، مذاقِ طلب کی موت

طالوت کی وفات ہے علم و ادب کی موت

آج ایک پُر خلوص انسان مر گیا

ملتان کا اک عظیم تر انسان مر گیا



عبدالستار شیخوپوری

مولانا عبدالستار شیخوپوری بن میاں مردان ۱۸۸۳ء/۱۳۰۰ھ میں ضلع شیخوپورہ کے گاؤں "کھاریاں والا" میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد میاں مردان اپنا آبائی مذہب ترک کر کے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور رفوگروں کا کام کرتے تھے۔

مولانا عبدالستار ذرا بڑے ہوئے تو اپنے والد کا ہاتھ بٹانے لگے اور چالیس سال کی عمر تک آبائی پیشہ سے منسلک رہے۔ شاعرانہ مزاج پایا تھا اور دینی موضوعات پر اظہارِ خیال کرتے رہتے تھے۔ چالیس سال کی عمر میں باقاعدگی سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اُن کی شہرت عام ہوئی تو اُن کے مرتبہ شناسوں نے اُنہیں فکرِ معاش سے بے نیاز کر دیا۔ موضع بگھیاڑی کے رہنے والوں نے اُنہیں کچھ زمین ہدیۃً دے دی جس سے اُن کی گزر اوقات ہوتی تھی۔

مولانا عبدالستار آخری ایامِ زندگی میں فیروز وٹواں ضلع شیخوپورہ آ گئے تھے۔ اُن کا زیادہ وقت وعظ و نصیحت اور شعر و شاعری میں گزرتا تھا۔ دینی موضوعات کو عوام کی زبان اور لہجے میں ادا کرنے کا سلیقہ رکھتے تھے۔ ۲۱ مارچ ۱۹۱۳ء/۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ کو فیروز وٹواں میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔

مولانا عبدالستار سے حسبِ ذیل منظوم پنجابی کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ اکرامِ محمدی (سورۂ والضحیٰ کی تفسیر)

۲۔ یوسف زلیخا

۳۔ مجموعہ اشعار عبدالستار

۴۔ مہین نامہ

۵۔ عبرت نامہ

۶۔ نین نامہ

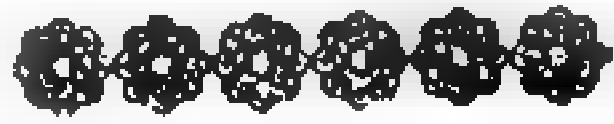
۷۔ بارہ ماہ

۸۔ چرخہ رنگ رنگیلا

۹۔ سی حرفیاں

۱۰۔ مدح نبی کریمؐ

۱۱۔ مدح پیرانِ پیر



عبدالعزیز پرہاروی

علّامہ ابوعبدالرحمان عبدالعزیز بن احمد بن حامد قریشی اندازاً ۱۲۰۹ھ/۹۵-۱۷۹۴ء میں کوٹ ادّو کی مضافاتی بستی بڑھیاراں میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان افغانستان کے راستے برصغیر میں منتقل ہوا تھا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی اور اُن ہی سے قرآن مجید حفظ کیا۔ بعد میں مولانا محمد جمال ملتانی کے مدرسہ میں پہنچے اور اُن کے سامنے زانوئے تلمّذ تہہ کیا۔

علّامہ عبدالعزیز کو اللہ تعالےٰ نے ذکاوفہم کا وافر حصّہ دیا تھا۔ سالوں کا کام مہینوں میں کر لیتے تھے۔ تیسیر محمد نادر نے اُن کے تعارف میں لکھا ہے کہ:

"حافظ عبدالعزیز در ادراک حقائق علوم لبا صاحب تمیز بودہ قوتِ حفظ بغایت قوی داشت وہنگام مطالعہ و مذاکرہ صفحہ بل اوراق کتبِ معتبرہ را کہ از بر میخواند واز مذاقِ تحریر دلپذیر نیز حظی بسیار بہم رسانیدہ"[1]

قلم میں اس قدر روانی تھی کہ یوسف زلیخا (جامی) لکھنے بیٹھے تو ایک دن میں دو جزو کم پوری کتاب لکھ ڈالی۔

علّامہ عبدالعزیز کے علم وفضل کی ایک دنیا معترف ہے مگر زندگی میں اُنہیں حاسدوں سے سابقہ پڑا۔ "ایمانِ کامل" کے خاتمہ میں لکھتے ہیں:

شکر للہ این کتاب دل فروز — شد تمام از فضل دریک سہ روز
دیدۂ انصاف بکشا و ببین — بر مصنّف کن دعا و آفرین
گر خطا بینی باصلاحش بپوش — عیب جوئی نیست کار اہلِ ہوش

---

[1] زبدۃ الاخبار ص ۸۵

احمقانے چند بے عقل و خرد — عیب میگرند بر من از حسد
این نمی دانند این قوم عنود — کایں حسد بر فضلِ ربانی چہ سود
علم ایشاں نظری و کسبی بود — علم ما اشراقی و حسبی بود
نسبتے با من ندارند ایں چناں — بر زمینند و منم بر آسماں[1]

علامہ موصوف علوم مروجہ۔ تفسیر، حدیث، فقہ و اصول فقہ، عقائد و کلام، منطق و فلسفہ، طب و فلکیات وغیرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ان سب ہی موضوعات پر اُن کی تحریریں موجود ہیں۔ موصوف بلند پایہ طبیب تھے۔

علامہ عبدالعزیز سلسلہ چشتیہ میں اپنے اُستادِ گرامی مولانا محمد جمال ملتانی سے بیعت تھے اور اُن کے خلفاء میں شامل تھے۔ چشتی صوفیاء عام طور پر امراء کے درباروں سے دُور رہے ہیں۔ علامہ موصوف بھی امراء سے مستغنی تھے[2] تاہم جہاں علم اور دین کی لگن نظر آتی تھی۔ وہاں تعلق رکھتے تھے۔

علامہ موصوف ۱۲۳۹ھ/۲۴-۱۸۲۳ء کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ اس سال کے بعد اُن کی کوئی تالیف نہیں ملتی۔

علامہ مرحوم کی تصنیفات کی مختصر فہرست یہ ہے:

۱۔ نبراس (عربی۔ عقائد)

علامہ ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد معروف بہ نجم النسفی (م ۵۳۷ھ) نے عقائد اہلسنت پر ایک مختصر رسالہ لکھا۔ اس رسالہ کی کثرت سے شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سے علامہ سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ) کی شرح متداول ہے۔

۱۔ ایمانِ کامل (نسخہ خطی کتاب خانہ گنج بخش اسلام آباد) ص ۲۸-۲۹

۲۔ مولانا محمد عبدالواسع (ناشر "نعم الوجیز") نے لکھا ہے کہ "کان یستغنی بالعلم من الامراء"

علامہ عبدالعزیز نے سعد الدین تفتازانی کی شرح عقائد" پر شرح لکھی جو "نبراس" کے نام سے مقبول و متعارف ہے۔ پہلی بار میں طبع ہوئی تھی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی (م ۱۳۷۵ھ) اپنی "محسن کتابوں" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب شرح عقائد شروع ہوئی تو میرے ایک پنجابی ملتانی اُستاد مولانا محمد اشرف مرحوم نے شرح عقائد کی ایک گمنام شرح کا پتہ دیا اس کا نام نبراس ہے........ کتاب منگائی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب میں عام درسی مذاق سے زیادہ مفید چیزیں ملنے لگیں اور اس کے مطالعہ میں زیادہ لذت ملنے لگی میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ علم کلام کا تصوف کے نظری حصہ سے جو تعلق ہے سب سے پہلے اس کا سراغ مجھے نبراس ہی کے چراغ کی روشنی میں ملا۔ اس میں کتابی اُلجھنوں سے زیادہ واقعات سے دماغوں کو قریب کرنے کی کوشش کی گئی ہے[1]"

نبراس کے خطی نسخے بکثرت ملتے ہیں۔ دوسری بار لاہور سے حال ہی میں طبع ہو چکی ہے۔

۲۔ کوثر النبی (عربی۔ حدیث)

اصولِ حدیث اور مصطلحاتِ حدیث پر ضخیم اور وقیع تالیف ہے۔ کوثر النبی کا ابتدائی حصہ مکتبہ قاسمیہ ملتان نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کی تلخیص "منتخب کوثر النبی" کے نام سے "محمد جی" نامی ایک عالم نے کی ہے جس کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ ۱۲۸۴ھ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے[2]

---

[1] مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں ص ۴۴

[2] فہرست مفصل جلد اوّل ص ۴۲-۴۴

۳۔ الناھیہ عن طعن معاویہؓ (عربی)

فضائلِ صحابہ اور خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل پر یہ رسالہ ۳ ر رمضان ۱۳۳۲ھ کو مکمل ہوا۔ ملتان سے طبع ہوا جس کا عکس ترکی سے شائع ہوا ہے۔

۴۔ ایمانِ کامل (علم کلام۔ فارسی منظوم)

ایک سو دس اشعار کا یہ رسالہ ایک تہائی روز میں مکمل کیا۔ ۱۳۴۰ھ/۲۲-۱۹۲۱ء میں اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے طبع ہوا۔

۵۔ انوارِ جمالیہ (سوانح و مناقب۔ عربی)

یہ رسالہ مؤلف نے اپنے مرشدِ طریقت حافظ محمد جمال ملتانی کے سوانح و مناقب میں اُن کی وفات کے تیسرے دن لکھا۔ مؤلف نے رسالہ کا کوئی نام نہیں رکھا۔ ان الفاظ سے آغاز کیا ہے:

"فہذہ الخصال الرضیہ والشمائل السنیہ لمولینا و مرشدنا و ہادینا قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز"[1]

جناب خلیق احمد نظامی نے "فضائلِ رضیہ"[2] اور مترجم محمد برخوردار نے "انوارِ جمالیہ" یا "رسالہ جمالیہ" کے نام سے ذکر کیا ہے۔ محمد برخوردار نے عربی سے فارسی اور اُردو ترجمہ کیا ہے اور مختصر حواشی لکھے ہیں۔ ۱۳۲۵ھ میں آگرہ سے طبع ہوا۔ دوسری بار پہلی اشاعت کا عکس مکتبہ جمال چک ۱۱۴/۱۰-آر تحصیل خانیوال نے شائع کیا۔

۶۔ نعم الوجیز فی البیان والبدیع (عربی)

---

[1] گلزارِ جمالیہ ص ۳-۴

[2] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۰۶

یہ رسالہ ۷ ار ربیع الاولیٰ ۱۲۳۶ھ کو مکمل ہوا۔ مکتبہ سلفیہ ملتان سے شائع ہوا ہے۔

۷۔ الصمصام فی اصول تفسیر القرآن (عربی)

اصول تفسیر کے موضوع پر یہ رسالہ "نعم الوجیز" کے حاشیہ پر طبع ہوا ہے۔ ناشر کو اس کا ناقص نسخہ ہاتھ آیا جس کے درمیان سے چند صفحات غائب تھے۔ اسی صورت میں چھاپ دیا گیا۔

۸۔ مرام الکلام فی عقائد الاسلام (فارسی)

۹۔ زمرد الطب (طب۔ عربی)

طب کے موضوع پر یہ کتاب ۱۲۲۸ھ کے ماہ شوال و ماہ ذوالقعدہ میں تالیف ہوئی۔ اس کی تالیف محمد شاہنواز خان (یکی از امرائے ملتان) کے ایماء پر ہوئی تھی۔ اس کا ایک خطی نسخہ مکتوبہ تیرھویں صدی ہجری پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں محفوظ ہے[1]۔

۱۰۔ کتاب الاکسیر = اکسیر اعظم

تین جلدوں میں ضخیم کتاب ہے۔ ۱۲۳۰ھ میں تالیف ہوئی۔ پنجاب پبلک لائبریری لاہور[2] اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور[3] میں خطی نسخے ہیں۔

"کتاب الاکسیر" کا اردو ترجمہ مولانا شمس الدین علوی بہاول پوری نے "مخزنِ سلیمانیہ" کے نام سے کیا ہے جو طبع ہو چکا ہے۔

۱۱۔ سر السماء (علم ہیئت) کتب خانہ سعدیہ خانقاہ سراجیہ کندیاں میں خطی نسخہ

۱؎ تفصیلی فہرست مخطوطاتِ عربیہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور ص ۲۴۰

۲؎ ایضاً ص ۲۳۷ - ۲۳۹

۳؎ فہرست مفصل جلد اوّل ص ۴۲ (حاشیہ)

ہے۔[1]

۱۲- السر المکتوم ما اخفاہ المتقدمون

۱۳- درمکنون (عملیات - عربی)

۱۴- یاقوت احمر (طب)

۱۵- یاقوت التاویل (فارسی)

متذکرۃ الصدر کتابوں کے علاوہ مندرجہ ذیل نام صاحب "نزہت الخواطر" نے مزید لکھے ہیں۔[2]

۱۶- البحر المحیط ۱۷- سلسبیل

۱۸- رسالہ فی اثبات رفع السبابہ فی التشہد ۱۹- سدرۃ المنتہیٰ

۲۰- الحاشیۃ العزیزیہ علی الیساغوجی ۲۱- التریاق

۲۲- فرہنگ مصطلحاتِ طبیہ ۲۳- مذمت تقلید

۲۴- العقیق ۲۵- معدن الجواہر

۲۶- الاوقیانوس ۲۷- الیواقیت فی علم المواقیت

۲۸- رسالہ فی الکسوت ۲۹- لوح المحفوظ

۳۰- منتہی الکمال

---

[1] ڈیلار کتاب خانہ ہائے پاکستان ص ۱۶۵

[2] نزہت الخواطر جلد ۸ ص

عبدالعزیز چاچڑوی

مولانا عبدالعزیز بن مولانا فضل الدین بن احمد یار کے آباؤ اجداد کا وطن بستی لنگر ضلع جھنگ تھا۔ احمد یار ترکِ سکونت کر کے چاچڑ شریف ضلع سرگودھا میں مقیم ہوئے۔

مولانا عبدالعزیز کے خاندان میں علمی، دینی اور تبلیغی ذوق موجود تھا۔ اُن کے والد ماجد مولانا فضل الدین، خواجہ شمس الدین سیالوی کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ مولانا فضل الدین کی رحلت پر ان کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد نصیر الدین جانشین ہوئے۔ مولانا محمد نصیر الدین یکم رجب ۱۳۳۲ھ/ ۲۶ رمئی ۱۹۱۴ء کو فوت ہوئے تو مولانا عبدالعزیز چاچڑوی مسند نشین ہوئے۔

مولانا عبدالعزیز کی روحانی تربیت بھی خواجہ شمس الدین سیالویؒ کی نگرانی میں ہوئی اور حضرت سیالوی کے خلفائے مجاز میں سے تھے۔ ۸ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۵۷ھ/۶ ر جولائی ۱۹۳۸ء کو فوت ہوئے۔ چاچڑ شریف میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ آج کل مولانا عبدالعزیز کے بھانجے مسند نشین ہیں۔



عبدالعزیز سہالوی

مولانا عبدالعزیز موضع سہال ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا غلام رسول المعروف "بابا انہی والا" سے حاصل کی۔ ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے حدیث پڑھی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو مسلم ہائی سکول گوجرانوالہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ اُن کے تفقہ فی الدین اور تبحر فی العلوم کے پیشِ نظر گوجرانوالہ کے عوام نے جامع مسجد شیرانوالہ باغ کی خطابت پیش کی۔ اس مسجد کے ساتھ مدرسہ "انوار العلوم" کا اجرا ہوا۔ مولانا مدرسہ کے مہتمم اور صدر مدرّس تھے۔ اہالیانِ گوجرانوالہ نے طویل مدت تک مولانا عبدالعزیز کے مواعظِ حسنہ سے استفادہ کیا۔

علمِ حدیث سے بے پناہ محبت تھی۔ انہوں نے مسند امام احمد بن حنبل اور صحیح بخاری کی فہرستیں بطور اطراف بہت محنت سے تیار کی تھیں۔ وسیع المطالعہ اور محقق عالم تھے۔

مولانا حسین علی (ساکن واں بچھراں) کے مرید اور خلیفہ تھے۔ تحریکِ آزادی میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۱۹ء میں برطانوی حکومت کے خلاف جذبات شدت سے اُبھرے تو گوجرانوالہ میں ہنگامہ ہوا۔ ریلوے اسٹیشن کو آگ لگا دی گئی تھی اور کئی دوسری سرکاری عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا۔ مارشل لا نافذ کر کے اس ہنگامہ پر قابو پایا گیا تھا۔ اس موقع پر مولانا عبدالعزیز گرفتار ہوئے اور قید بامشقت کی سزا پائی تھی۔

۱۹۳۳ء میں "قرأتِ خلف الامام" کے موضوع پر مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (م ۱۳۶۷ھ) سے اُن کا تحریری مناظرہ ہوا۔ یہ تحریری بحث العدل (گوجرانوالہ) اور اہلِ حدیث (امرتسر) کے صفحات پر چلتی رہی۔ مولانا عبدالعزیز نے ایک موقع پر یہ لکھا کہ صحیح مسلم میں حدیث

ہے کہ "اذا قراء فانصتوا" مولانا امرتسری نے اسے صحیح مسلم کی حدیث ماننے سے انکار کر دیا۔ بحث طول پکڑ گئی آخر دونوں حضرات نے سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) کو حکم مان لیا۔ مولانا ندوی نے مولانا عبدالعزیز کے حق میں فیصلہ دیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے انتقال پر مولانا ندوی نے لکھا تھا:

"مرحوم کو ایک دفعہ مجھ سے شکایت بھی پیدا ہوئی، اُس کی صورت یہ ہوئی کہ دس پندرہ برس ہوئے مرحوم اور اُن کے حنفی حریف مولانا عبدالعزیز خطیب گوجرانوالہ مصنف اطراف بخاری کے درمیان حدیث واذا قرا الامام فانصتوا کے صحیح مسلم میں موجود ہونے یا نہ ہونے پر اخبارات میں تحریری مناظرہ ہو رہا تھا۔ فریقین نے اس باب میں مجھے حکم مانا۔ میں نے مولانا مرحوم سے کچھ پوچھے بغیر صرف دونوں کی تحریروں کو دیکھ کر فیصلہ مرحوم کے خلاف اور مولانا عبدالعزیز کے موافق کیا"[۱]

مولانا موصوف فرقِ باطلہ کی سرکوبی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ قادیانیت کی تردید میں بہت پُرجوش تھے۔ ۱۹۳۰ء میں جب انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے "امیر شریعت" کے لیے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام تجویز کیا تو مولانا عبدالعزیز پہلے شخص تھے جنہوں نے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

رمضان ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں فوت ہوئے اور اپنے آبائی گاؤں سہال میں مدفون ہوئے۔ مرحوم سے حسبِ ذیل تالیفات یادگار ہیں۔

۱۔ فہرست مسند امام احمد بن حنبل (غیر مطبوعہ)

---

[۱] یادِ رفتگاں ص ۴۲۰

مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کے بارے میں لکھا تھا کہ:

"مرحوم نے مجھے لکھا تھا کہ مسند ابن حنبل کی بھی ایک فہرست بنائی ہے اور وہ اس کے چھپوانے کی فکر میں تھے۔ کیا اچھا ہو اگر ان کی یادگاریں اُن کی یہ کتاب گوجرانوالہ کے قدردان چھپوا سکیں یا وہ اس نسخہ کو کسی قدرشناس کے سپرد کریں کہ وہ اس کو چھپوا کر اس فیض کو عام کرے"[1]

۲۔ نبراس الساری علی اطراف البخاری

۳۔ حاشیہ علی الطحاوی (غیر مطبوعہ)

۴۔ حاشیہ نصب الرایہ للزیلعی تاکتاب الحج

۵۔ بلغیۃ الالمعی

۶۔ مسئلہ تقلید

۷۔ اظہار الحق (ترکِ قرأت خلف الامام)

۸۔ کیفیت مناظرہ تحریری (مابین عبدالعزیز رح و مولانا ثناء اللہ امرتسری رح) ۔ یہ رسالہ مولانا احمد علی گجراتی[2] (فاضل دیو بند) مدیر ہفت روزہ "الہلال" (گوجرانوالہ)

---

[1] یادرفتگاں ص ۲۲۸

[2] مولانا احمد علی بن حیات بخش موضع گورسیاں ضلع گجرات کی گوجر برادری میں ۱۸۹۱ء/۱۳۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مولانا عبداللہ بٹالوی، مولانا فضل الرحمان رہدانی، مولانا سلطان احمد گنجوی اور مولانا حمید الدین مانسہروی سے اکتسابِ فیض کیا۔ ۱۹۱۹ء/۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند گئے اور دو سال بعد سندِ فضیلت حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تو نہانقاہ فاضلیہ بٹالہ کے سجادہ نشین سید بدر معین الدین کے اتالیق مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ سے منسلک ہو گئے۔ اسی سال مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۵ء میں منشی فاضل کی سند

اور جناب منظور حسنؒ نے مرتب کیا تھا۔



حاصل کی۔ ۱۹۲۷ء میں مدرسہ انوار العلوم سے مستعفی ہو کر اسلامیہ محبوب عالم ہائی سکول میں مدرس عربی ہو گئے۔ ۱۹۲۹ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے او۔ٹی کی پیشہ ورانہ سند کی۔ ۱۹۶۴ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

علمائے دیوبند کے مسلک کے نقیب و داعی تھے۔ ۱۹۲۶ء میں اخبار "العدل" (گوجرانوالہ) کے مدیر مقرر ہوئے اور چند سال با حسن وجوہ اخبار کی ادارت کی۔ اخبار میں حنفی مسلک کی تائید اور اہل حدیث کی مخالفت میں مضامین چھپتے رہتے تھے۔

مولانا احمد علی با اخلاق، خوش مزاج اور محفل آرا بزرگ ہیں۔ ان دنوں بینائی ختم ہو چکی ہے اور آبائی وطن میں مقیم ہیں۔

مفتی عبدالعزیز مزنگوی

مفتی عبدالعزیز بن میاں محمد فضل الدین (م ۱۳۲۳ھ) بن محمد عطا اللہ موضع چانگاں والی (نزد جلال پور جٹاں) کے ایک دیندار اور صاحب علم خانوادے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔ کچھ عرصہ ٹھٹھہ موسٰی میں بغرض تعلیم مقیم رہے۔ یہاں سے لاہور آئے۔ مدرسہ رحیمیہ (مسجد نیلا گنبد) میں مولانا محمد عالم رامپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ کچھ عرصہ انجمن حمایت اسلام کی دینی درسگاہ مدرسہ حمیدیہ میں کریم بخش سے استفادہ کیا۔ بعد میں مولانا کریم بخش کے صاحبزادے فضل میراں کی خدمت میں دس بارہ سال رہے اور علوم مروجہ کی تکمیل کی۔ مفتی عبدالعزیز ان کے نامور شاگرد اور داماد تھے۔

زمانہ تعلیم ہی میں مزنگ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جامع مسجد چاہ جھنڈی والی میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بعد میں ایک دوسری مسجد قلعہ مادھو میں درس قرآن شروع کیا اور آخر دم تک اس مسجد کو اپنی دینی سرگرمیوں کے لیے مخصوص رکھا۔ زندگی بھر دینی خدمات کے مشاہرہ سے اجتناب کیا اور اکل حلال کے لیے تصنیف و تالیف اور پروف ریڈنگ کرتے رہے۔

مفتی عبدالعزیز وسیع المطالعہ عالم تھے۔ ان کا زیادہ وقت مطالعہ اور تصنیف میں گزرتا تھا۔ کتابوں سے از حد لگاؤ تھا۔ عمدہ اور نادر کتابیں خریدتے اور خود ہی خوبصورت جلد بندی کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کے کاموں سے فرصت ملتی تو اصلاح و تبلیغ میں مصروف رہتے۔ مزنگ میں "انجمن اسلامیہ" بنائی جس نے تبلیغ و اصلاح کے میدان میں اچھی خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان سے پہلے مفتی صاحب مسلمان قیدیوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے جیل جاتے اور ان سے خطاب کرتے تھے۔

۳۰ رجب ۱۳۸۳ھ/۱۶ دسمبر ۱۹۶۳ء کو لاہور میں واصل بحق ہوئے اور قبرستان

یاں ہی دفنائے گئے۔ مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حیات ہیں۔ بڑے صاحبزادے مولانا عبدالرشید اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینی و تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مفتی صاحب مرحوم کثیر التصانیف صاحب قلم تھے۔ جناب عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے ان کی حسب ذیل تیرہ کتابوں کا ذکر کیا ہے[1]

۱۔ الافتاء فی جواب الاستفتاء ۲۔ عزیز المعظم فی اکرام المکرم

۳۔ عزیز البیان فی تفسیر القرآن۔ بہ اشتراک مولانا ابو المظفر فضل الرحمان

۴۔ ترجمہ عہد نامہ

۵۔ اربعین عزیزی المعروف بہ احسن الاقوال فی احوال الابدال

۶۔ آفتاب ہدایت ۷۔ سیرۃ النبی الخلیل

۸۔ عزیز المجلی (ترجمہ و تشریح منیۃ المصلی المعروف بہ مکمل صلوٰۃ الرحمان)

۹۔ قربانی کے احکام ۱۰۔ مسائل زکوٰۃ

۱۱۔ نسب نامہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۲۔ زاد الآخرۃ فی مسائل الجنازہ

۱۳۔ تصحیح و تحشیہ عزیز المرقاۃ الی مطالب المشکوٰۃ



---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۲۳۳

عبدالعزیز شاہ جالندھری

سید عبدالعزیز بن پیر حیدر علی شاہ کا آبائی وطن بدو شیخ سادہ" ضلع قصور تھا۔ اُن کی ولادت مارچ ۱۹۰۱ء / ۱۳۱۸ھ میں موضع داہاکے ضلع فیروزپور میں ہوئی۔ مدرسہ رشیدیہ رائے پور اور مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ میں تعلیم پا کر ۱۹۲۱ء / ۱۳۳۹ھ میں فاتحہ فراغ پڑھا۔ ان کے اساتذہ میں مولانا فضل احمد، مفتی فقیر اللہ رائے پوری اور مولانا رحمت علی لدھیانوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوری کے دورۂ تفسیر میں شریک ہو کر سند حاصل کی۔ فنِ طب اپنے والد ماجد اور حکیم مشتاق احمد پروفیسر طبیہ کالج لاہور سے سیکھا۔

اُنہوں نے عملی زندگی کا آغاز کھنکانہ صاحب میں خطابت سے کیا۔ یہاں سے ضلع فیصل آباد منتقل ہو گئے۔ دو سال یہاں رہ کر مولانا احمد علی لاہوری کے حکم پر جالندھر بحیثیت خطابت و امامت قبول کی۔ مسجد کے منتظمین سے اختلاف کی بنیاد پر ہندو آبادی میں گھری ہوئی ایک ویران مسجد میں منتقل ہو گئے اور اپنی محنت اور شوق سے اللہ کے اس ویران گھر کو مسلمانوں کے سجدوں سے آباد کیا۔ قیام پاکستان تک جالندھر میں قیام پذیر رہے۔

جالندھر سے ہجرت کر کے ساہیوال آئے جہاں ۱۹۵۰ء میں جامع نور کی بنیاد رکھی۔ سات سال بعد "مدرسہ انوریہ" قائم کیا جس سے ہزاروں بچوں نے قرآن مجید پڑھنا سیکھا۔ سید عبدالعزیز بڑے اچھے واعظ تھے۔ اثر آفرین اشعار سے سامعین کو گرماتے اور رلاتے تھے۔ اندرونِ ملک کئی تبلیغی سفر کیے۔ دو بار انگلستان اور بلادِ یورپ کا سفر کیا۔ پانچ بار فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

ابتداء میں میاں شیر محمد شرقپوری سے بیعت ہوئے۔ بعد میں مولانا احمد علی لاہوری سے قادری سلسلہ میں منسلک ہوئے۔ مؤخر الذکر نے ۱۹۴۶ء میں انہیں اپنا خلیفہ مجاز نامزد کیا۔

مولانا چاند صاحب کو ۱۹۷۱ء سے پیشاب کی تکلیف تھی۔ مثانے میں پتھری پیدا ہوگئی تھی آپریشن کے باوجود تکلیف دور نہ ہوئی۔ دوسری بار ۱۱ اپریل ۱۹۷۲ء کو میو ہسپتال لاہور میں آپریشن ہوا جو کامیاب نہ ہوسکا اور تیسرے دن ۱۵ مئی ۱۹۷۲ء یکم ربیع الاخریٰ ۱۳۹۲ھ کو ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ مولانا عبید اللہ انور نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان میانی صاحب میں سپردِ خاک کئے گئے۔

مولانا مرحوم سے حسبِ ذیل اصلاحی و تبلیغی کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ حقیقت البر
۲۔ حقیقت المعاصی
۳۔ نفحات الجنت
۴۔ نمازِ حنفی (مترجم)
۵۔ جامِ توحید
۶۔ حلِ مشکلات
۷۔ رہنمائے حج

مولانا مرحوم کی پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔ جن میں سے صاحبزادہ سید سعید احمد شاہ اور سید عبدالحمید شاہ درسِ نظامی کے فاضل اور حافظِ قرآن ہیں۔



عبدالعزیز مرتضائی

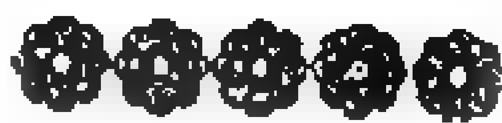
مولانا عبدالعزیز مرتضائی بن میاں گوہر علی ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء کے لگ بھگ حسین خان والا چک نمبر ۸ ضلع لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد صوفی صافی تھے اور خواجہ نور محمد نقشبندی (متوطن تلعہ لال سنگھ) کے مُرید تھے۔

مولانا عبدالعزیز نے گاؤں کی مسجد میں قرآن مجید پڑھا اور درسِ نظامی کی کتب مختلف مدارس میں پڑھیں۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے دورۂ حدیث کیا۔

خواجہ نور محمد نقشبندی بن خواجہ غلام مرتضیٰ سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے۔ ان ہی سے خلافت حاصل کی اور اس نسبت کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ "مرتضائی" لکھتے تھے۔

مولانا عبدالعزیز فارغ التحصیل ہوئے تو آبائی گاؤں میں مسندِ درس بچھائی۔ کچھ عرصہ کوٹ غلام محمد خان (قصور) میں فرائضِ امامت وخطابت انجام دیئے۔ مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

۵ ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ/۱۸ اپریل ۱۹۷۵ء کو قصور میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔[۱] لواحقین میں تین بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں۔ اُن کے فرزند ارجمند محمد عبدالرسول سجادہ نشین ہوئے۔



---

[۱] ماہنامہ "انوار الصوفیہ" (قصور) بابت مئی۔ جون ۱۹۷۵ء، ص ۱۰

عبدالعزیز خان بلوچ

مولانا عبدالعزیز خان بلوچ بن غلام رسول ضلع ڈیرہ غازی خاں کے ایک گاؤں چوٹ کے رہنے والے تھے۔ ان کے اساتذہ میں مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا نام ملتا ہے۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے بحیثیت واعظ وابستہ تھے۔ تقریباً ۲۵ سال پنجاب کے طول و عرض میں تبلیغِ دین کے لیے دورے کرتے رہے۔ مناظرانہ ذوق رکھتے تھے اور اس فن میں خوب منجھے ہوئے تھے۔ طبعاً بہت سادہ اور جری شخص تھے۔

دارالحدیث محمدیہ ملتان کے تقریباً پندرہ سال مہتمم رہے۔ کچھ عرصہ تدریسی شغل بھی اختیار کیا۔ ملتان میں مسلکِ اہل حدیث کے فعال عالمِ دین تھے۔ ۱۰ر جولائی ۱۹۶۶ء/۲۴ر ربیع الاخریٰ ۱۳۸۶ھ کو وفات پائی۔ بوقتِ رحلت ان کی عمر ۷۰ سال کے قریب تھی۔ مرحوم سے تبلیغی اور مناظرانہ رنگ کے کئی کتابچے یادگار ہیں۔ چند ایک یہ ہیں:

۱۔ اہتمام جنازہ خیر الانام
۲۔ فیصلہ نکاح اُم کلثوم
۳۔ فیصلہ حدیثِ قرطاس
۴۔ باغِ فدک
۵۔ فضائل خلفائے ثلاثہ
۶۔ قرأۃ خلف الامام
۷۔ فضائل درود



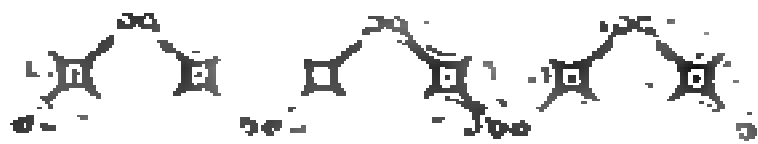
قاری عبدالعزیز شوقیؔ

قاری عبدالعزیز شوقیؔ انبالہ کے رہنے والے تھے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور اور دار العلوم دیوبند سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ دیوبند میں انہوں نے فنِ تجوید مولانا قاری حفظ الرحمان سے سیکھا اور دار العلوم دیوبند کی مسجد میں فرائضِ امامت انجام دیتے تھے۔ قاری صاحب نے مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اعزاز علی، قاری محمد طیّب، مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا شمس الحق افغانی سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

قاری صاحب نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ عربی، اُردو اور فارسی کے اچھے ادیب تھے۔ اُردو میں شعر کہتے اور شوقیؔ تخلص کرتے تھے۔ سہارن پور کے زمانۂ طالب علمی میں مولانا اسعد اللہ سے اصلاح لی تھی۔

پاکستان بننے پر ترکِ سکونت کر کے راولپنڈی آ گئے اور ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد لاہور آ گئے۔ آغاز میں مسلم مسجد لوہاری گیٹ میں بطور شیخ التجوید کام کیا۔ بعد میں دار العلوم الاسلامیہ (پرانی انار کلی) سے وابستہ ہوئے۔ قاری عبدالمالک لکھنوی مرحوم دسمبر ۱۹۵۹ء/۱۳۷۹ھ میں فوت ہوئے تو دار العلوم کے صدر مدرّس مقرر ہوئے اور آخر دم تک اس منصب پر فائز رہے۔

مولانا مرحوم مسلکِ اہلِ سنّت کے پُرجوش داعی تھے۔ "تنظیم اہلِ سنّت" کی تشکیل میں اُنہوں نے نمایاں حصّہ لیا تھا۔ تنظیم کے آرگن سہ روزہ "دعوت" کے کچھ عرصہ مدیر بھی رہے۔ ۳ شعبان ۱۳۹۱ھ/۲۰ ستمبر ۱۹۷۱ء کو گلے کے سرطان میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔



عبدالعلی ہروی

شیخ عبدالعلی ہروی بن شیخ ملا محمد بن شیخ حاجی آخوند مشہد (ایران) میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباؤ اجداد ہرات کے رہنے والے تھے۔ اسی سبب ”ہروی“ کی صفتِ نسبتی سے یاد کیے جاتے ہیں۔

شیخ عبدالعلی کے والد مشہد کے جیّد عالم اور متوسط زمیندار تھے۔ شیخ عبدالعلی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور مدرسہ فیض المدارس مشہد میں داخل ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ذہانت و فطانت سے بہرۂ وافر عطا کیا تھا۔ درس انہماک سے سنتے اور اکثر بحث و مباحثہ میں شریک ہوتے تھے۔ بعض اوقات ان کی نکتہ سنجی سے اُن کے اساتذہ بھی لاجواب ہو جاتے۔ قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اساتذہ کی طویل تقریریں یاد کر لیتے تھے۔

شیخ عبدالعلی نے علومِ ظاہری کے ساتھ تزکیہ نفس اور صفائے باطن کے لئے محمد اکبر ترشیزی سے ربط و تعلق قائم کیا اور ترشیزی مرحوم سے چھ سال استفادہ کیا۔

شیخ عبدالعلی کے علم و تبحر کی شہرت بہت جلد پورے ایران میں پھیل گئی۔ ناصر الدین شاہ قاچار نے اُنہیں نائب وزیر کا عہدہ پیش کیا جو اُنہوں نے قبول کر لیا تھا۔ شاہ نے اُن کے علوم کا فیضِ عام کرنے کی خاطر اُن کی نگرانی میں ”ادارۃ المعارف“ قائم کیا جس نے علمی و کلامی خدمات انجام دیں۔ اسی زمانے میں محمد علی باب کا فتنہ اُٹھا۔ شیخ موصوف نے بابیوں کے کفر کا فتویٰ دیا اور اُن کی گمراہیوں پر کڑی نکتہ چینی کی۔

ناصرالدین شاہ قاچار ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء میں ایک بابی کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اُس کا جانشین مظفرالدین شاہ قاچار ہوا۔ مظفرالدین نے ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء میں روس سے آٹھ لاکھ تومان کا قرضہ لیا تو علماء نے اُس کی شدید مخالفت کی۔ شیخ عبدالعلی بھی اُن علماء میں شامل تھے۔ یہ تنقید و گرفت شاہ کو ناگوار گزری اور شیخ موصوف کو ایران چھوڑنا پڑا۔

شیخ عبدالعلی ایران سے نکل کر یورپ کے دورے پر چلے گئے۔ واپسی پر ترکی اور عراق ہوتے ہوئے ۱۳۲۰ھ/۰۳-۱۹۰۲ء میں کراچی تشریف لائے۔ کچھ عرصہ کراچی اور شکارپور میں مقیم رہے۔ یہاں کے اہل علم نے اُنہیں خوش آمدید کہا۔ بالخصوص سندھ اور پنجاب کے اہل تشیع نے اُنہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔

اُنہوں نے پہلی مجلس مالیرکوٹلہ میں پڑھی۔ اس کے بعد پٹیالہ میں مقیم رہے۔ ۱۹۰۶ء/ ۱۳۲۴ھ میں پنجاب اُن کے وعظ سے گونجنے لگا۔ موصوف فارسی میں خطاب کرتے تھے اور مقامی علماء اُن کی ترجمانی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ مگر موصوف اپنے مترجمین سے مطمئن نہ تھے۔ دو سال بعد اُنہیں سید محمد سبطین سرسوی کی صورت میں کامیاب مترجم مل گیا اور اُن کی زبان فیض ترجمان کے جوہروں سے عوام آگاہ ہوئے۔

شیخ عبدالعلی نے تقریباً سولہ سال پنجاب میں دینی و اصلاحی خدمات انجام دیں۔ اُن کا زیادہ تر قیام لاہور اور پٹیالہ میں رہتا تھا۔ اُنہوں نے لاہور سے ایک رسالہ "البرہان" جاری کیا تھا۔ ۹ دسمبر ۱۹۲۲ء/ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۴۱ھ کو لاہور میں فوت ہوئے۔

شیخ مرحوم وسیع المطالعہ اور دقیق النظر عالم تھے۔ تفسیر و حدیث کے ساتھ علوم عقلی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ دینیات کے ساتھ عربی و فارسی کے ادبی سرمائے سے واقف تھے۔ طویل سیاحت کی بدولت نظر میں وسعت اور فکر میں گہرائی تھی۔

کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ ترکی، فرانسیسی اور روسی میں لکھنے پڑھنے تھے۔ انگریزی بقدر ضرورت جانتے تھے۔ برصغیر کی زبانوں میں سے سندھی اور پشتو سمجھ لیتے تھے اردو میں بھی درک حاصل کر لیا تھا۔ ۱۳۴۰ھ/ ۲۲-۱۹۲۱ء میں آگرہ کی مجالس میں اردو میں خطاب کیا تھا۔

شیخ مرحوم سے حسب ذیل تحریریں یادگار ہیں:

۱۔ تفسیر قرآن (سورۂ فاتحہ تا آیت اہدنا الصراط المستقیم)

ناصر الدین شاہ قاچار کی مالی سرپرستی میں انہوں نے جید علماء کا ایک بورڈ بنایا تھا جس نے قرآن مجید کی ایک جامع تفسیر لکھنا شروع کی۔ ایک سال کے عرصے میں صرف اتنا ہوا تھا کہ ناصر الدین شاہ قاچار قتل کر دیا گیا اور یہ سلسلہ ترک گیا۔

۲۔ تفسیر آیت انا کل شیئٍ خلقناہ بقدر "البرہان" (لاہور) میں طبع ہوئی۔

۳۔ تفسیر سورۂ کہف (غیر مطبوعہ) ۴۔ ثبوت معاد جسمانی بدلائل فلسفۂ طبیعیہ

۵۔ رسالۂ اعمال ۶۔ مسئلہ قضا و قدر

۷۔ رسالۂ نور ۸۔ مواعظ حسنہ مرتبہ سید محمد سبطین سرسوی

۹۔ مسئلہ امامت (غیر مطبوعہ) ۱۰۔ ہدایت و اقسام ہدایت (غیر مطبوعہ)

شیخ مرحوم کی اولاد میں دو صاحبزادے تھے۔ ایک صاحبزادے تہران میں رہتے تھے دوسرے صاحبزادے حجۃ الاسلام شیخ نصر اللہ مشہد میں مقیم تھے اور اپنے والد ماجد کی طرح صاحب علم تھے۔



پیر عبدالغفار شاہ کاشمیری

پیر عبدالغفار شاہ بن پیر احمد شاہ بن مصطفٰی شاہ کے آبا و اجداد بغداد سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے۔ آج کل اس خاندان کے افراد سری نگر، مظفر آباد، پونچھ، دیوبند اور لاہور میں مقیم ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مرحوم مولانا انور شاہ کاشمیریؒ اسی خاندان کے گلِ سرسبد تھے۔

پیر عبدالغفار شاہ کے دادا مصطفٰی شاہ کشمیر سے ترکِ سکونت کر کے ضلع ملتان کے ایک ویرانے میں آ گئے۔ اس مقام پر چک ۷/۵/۱۵ ارسی کی بنیاد رکھی گئی۔ اُن کا مزار اسی چک میں ہے[1]۔

پیر عبدالغفار شاہ چک ۷/۵/۱۵ ارسی (ضلع ملتان) میں پیدا ہوئے۔ بچپن وہیں گزارا۔ گیارہ سال کی عمر میں اپنے والدِ ماجد پیر احمد شاہ کے ساتھ لاہور آئے۔ مدرسہ واقع مسجد نکین خان اندرون موچی دروازہ میں تعلیم حاصل کی۔

پیر صاحب مسجد تکیہ سادھواں کے امام و خطیب تھے۔ اسی مسجد میں ۷ر جنوری ۱۹۱۵ء/۲۰ر صفر ۱۳۳۳ھ کو "مدرسہ عالیہ غوثیہ" کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ نے اُن کے اہتمام و انصرام میں بہت ترقّی کی اور کئی نامور علماء پیدا ہوئے جن میں سے ایک مولانا نبی بخش حلوائی ہیں۔ افسوس کہ پیر صاحب کی رحلت کے بعد یہ مدرسہ اپنی شان و شوکت کھو بیٹھا۔

پیر عبدالغفار کاشمیری سلسلۂ قادریہ میں مجاز تھے[2] مگر کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔

---

[1] نقوش (لاہور نمبر) ص ۱۸۱ [2] مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے انہیں نقشبندی لکھا ہے۔

اس کے باوجود اُن کے عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔ مثنوی مولانا روم سے دلچسپی تھی اور "درود و سلام"، کی اشاعت و ترغیب میں لگے رہتے تھے۔ اپنی تالیفات میں اپنے نام کے ساتھ "حامیٔ اشاعت درود شریف" کے الفاظ لکھتے تھے۔

۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۰ھ / ۲۶ جنوری ۱۹۲۲ء کو وفات پائی۔ اُن کے دوست ڈاکٹر محمد دین ناظر نے قطعۂ تاریخ کہا اور واقعہ وفات نظم کیا ع،

بشنو حالِ وصالِ عبداللہ
پیر عبدالغفار عالی جاہ
در وضوئے نمازِ وقتِ عشاء
ناگہاں داد جاں بحکمِ الٰہ
بہر سالِ وصال ناظر گفت
پیر عبدالغفار نورِ الٰہ

۱۹۲۲ء
بہر سالِ وصالِ او ناظر
گفت سرمستِ جامِ عشقِ الٰہ

اُن کا جسدِ خاکی امانتاً تکیہ ساد ھواں میں دفنایا گیا۔ بعد میں اُن کے فرزند نے ۱۸ اگست ۱۹۳۵ء / ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کو قبرستان میانی صاحب میں منتقل

(تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۲۴۳) مگر مولانا نبی بخش حلوائی اُن کے بارے میں لکھتے ہیں:

چہرے انور اُپر اُسدے ففروں نور چمکدا
قادریاں دے گلشن اندر سوہنا پھل لٹکدا

کر دیا۔ جہاں وہ ابدی نیند سو رہے ہیں۔

پیر صاحب کی تالیفات میں سے حسب ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ خزائن البرکات (غیر مطبوعہ)

۲۔ فارسی ترجمہ قصیدہ بانت سعاد (منظوم)

فضائل درود و سلام پر متعدد رسائل بھی وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہے۔

پیر صاحب کی اولاد میں اکلوتے فرزند پیر محمد اشرف (م ۱۳۸۴ھ) تھے۔

****

عبدالغفور ہزاروی

ابوالحقائق عبدالغفور بن عبدالحمید بن محمد عالم یکم اپریل ۱۹۱۰ء / ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ کو کوسو ضلع چنبہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی درویش صفت عالم تھے۔ اُن سے ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ مولانا احمد الدین (ساکن بھوئی گاڑ) اور ان کے صاحبزادے مولانا محب النبی سے استفادہ کیا۔ غورغشتی میں مولانا قطب الدین غورغشتوی اور میاں عبدالحق غورغشتوی[1] سے بعض کتابیں پڑھیں۔ میرٹھ اور مراد آباد میں علامہ مشتاق احمد کانپوری سے استفادہ کیا۔ ان کے ہم درسوں میں مفتی احمد یار خاں گجراتی کا نام بہت نمایاں ہے[2]۔

حصولِ علم کی خاطر طویل سفر کئے۔ دارالعلوم دیوبند پہنچے وہاں امتحان ہو رہے تھے داخلہ کا وقت نہ تھا اس لیے داخلہ نہ مل سکا[3]۔ وہاں سے دہلی گئے اور مدرسہ جامع مسجد فتحپوری میں داخل ہوئے۔ کچھ عرصہ یہاں رہ کر دارالعلوم رضویہ بریلی تشریف لے گئے جہاں مولانا حامد رضا خان (فرزند مولانا احمد رضا خان) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ انہوں نے "ابوالحقائق" کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ دارالعلوم رضویہ سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد وہیں ایک سال تدریسی خدمات انجام دیں۔

بریلی سے گجرات آ گئے اور مدرسہ خدام الصوفیہ میں بطور معلّم کام کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ شیشیانوالہ دروازہ کی مسجد اُن کی خطابت سے گونجنے لگی۔ ۱۹۳۵ء میں وزیر آباد آ گئے۔ یہیں اُن کے جوہر کھلے۔ خطابت کے میدان میں نام پیدا کیا۔ اور

---

[1] خود نوشت میاں عبدالحق غورغشتوی مدظلہ العالی

[2] حیاتِ سالک ص ۱۰۱، ۱۰۵

[3] حضرت شیخ القرآن ص ۳۰

مدرسہ نظامیہ قائم کر کے درسِ نظامی کی تدریس کی۔ آخری زمانے میں رمضان المبارک میں خصوصی دورۂ قرآن کا اہتمام کرتے تھے۔

مولانا ہزاروی نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ان کے علاوہ سائیں گوہر دین (ساکن جیندھڑ۔ ضلع گجرات) سے بھی منازلِ سلوک طے کی تھیں اور اُن کے خلیفہ مجاز تھے۔

اُنھوں نے تحریکِ آزادی میں اپنے جوشِ خطابت سے عوام کو جگایا۔ تحریک شہید گنج میں مولانا ظفر علی خان کے ساتھی تھے۔ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں اُن کی تقریر سُن کر مولانا ظفر علی خان نے کہا تھا ؂

میں آج سے مرید ہوں عبدالغفور کا چشمہ اُبل رہا ہے محمدؐ کے نور کا

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے تاریخی اجلاس لاہور میں شریک ہوئے تھے اور اس کے بعد ہمہ تن تحریکِ پاکستان میں جذب ہو گئے تھے۔ ۱۹۴۶ء کی تحریک سول نافرمانی میں گرفتار ہوئے۔ بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں شریک ہو کر پاکستان کے لیے کام کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے تاہم تحریکِ تحفظ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء) اور ایوب خان کے خلاف عوامی تحریک میں بھرپور حصّہ لیا۔ اپنے معمولات کے سختی سے پابند تھے۔ صبح و شام باقاعدگی سے سیر کے لیے جاتے تھے۔ ۷ اکتوبر ۱۹۷۰ء/۶ شعبان ۱۳۹۰ھ کو نمازِ فجر کے بعد سیر کے لیے جا رہے تھے کہ جی۔ ٹی روڈ کے کنارے ایک ٹرک کی زد میں آکر شدید زخمی ہو گئے۔ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مولانا شرافت نوشاہی نے قطعہ تاریخ کہا۔ آخری دو شعر یہ ہیں۔[۱]

---

[۱] منتخب اعجاز التوار یخ ص ۵۱

بہ تاریخ آں فاضل راست گو ¦ زہ "مغفور ناجی" وصالش بجو

۱۳۹۰ھ

شرافت بہ سالِ مسیحی ضرور ¦ بخوانی "کرم پیشہ عبد الغفور"

۱۹۷۰ء

مولانا ہزاروی فارسی، اُردو اور پنجابی کے مشہور شعراء کے سینکڑوں اشعار یاد تھے۔ اور تقریریں برمحل پڑھ کر سماں باندھ دیتے تھے۔ اچھا شعری ذوق تھا۔ گاہے گاہے خود بھی مشقِ سخن کرتے تھے۔ چشتی تخلص تھا۔ بطور نمونہ ایک نعت کے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں:

محمد مصطفٰے اور رحمۃ اللعالمین تم ہو ¦ حبیبِ کبریا تم ہو امام المرسلین تم ہو
شبِ اسریٰ کے دولہا رونقِ بزم جہاں تم ہو ¦ شہنشاہِ دو عالم زینتِ عرش بریں تم ہو
شبِ دیجور میں کوہِ الم جب ٹوٹ پڑتے ہیں ¦ قرارِ بے قراراں مونسِ قلبِ حزیں تم ہو
ہوا دل مطمئن اور شاد چشتی کا تُنا جب سے ¦ سہارا روزِ محشر کا شفیع المذنبین تم ہو



عبدالقادر دین پوری

مولانا عبدالقادر بن دولت خان ٹبی کورائیاں ضلع رحیم یار خان کے رہنے والے تھے۔ بچپن میں دولت خان مرحوم نے اُنہیں مویشی چرانے کا کام سونپا اور اُن کے بڑے بھائی کو دینی تعلیم کے لئے وقف کیا مگر اللہ تعالےٰ کو اس کے برعکس منظور تھا۔ بڑا بھائی تعلیم سے محروم رہا اور مویشی چرانے والا "عبدالقادر" عالم و فاضل مشہور ہوا۔

مولانا عبدالقادر نے ابتدا میں مولانا محمد صدیق بھرچونڈوی (م ۱۳۰۸ھ) سے بیعت کی۔ اُن کی رحلت پر مولانا غلام محمد دین پوری سے تجدید بیعت کی اور اُن کی بارگاہ میں رہنے لگے۔ موصوف دنیوی اور سیاسی اُمور میں مولانا غلام محمد دین پوری کے دستِ راست تھے۔ صبح و شام مسجد میں قرآن مجید اور صحیح بخاری کا درس دیتے تھے۔ مولانا عبدالقادر "بہت بڑے عالم دین، خدا ترس اور عابد شب زندہ دار تھے"[1]

مولانا عبیداللہ سندھی نے اُن ہی سے عربی زبان کی صرف و نحو کی کتابیں پڑھی تھیں۔

مولانا عبدالقادر "تحریک ریشمی رومال" کے اہم کارکن تھے۔ اسی سلسلے میں ستمبر ۱۹۱۶ء / ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ میں گرفتار ہوئے اور قید و بند میں رہے۔ تحریکِ آزادی میں فعال کردار ادا کیا۔

موصوف مطالعۂ کتب کے بے حد شائق تھے۔ رسائل و جرائد سے عشق کی حد تک لگاؤ تھے۔ اندرونِ ملک چھپنے والے تمام علمی و سیاسی رسائل اُن کے زیرِ مطالعہ رہتے

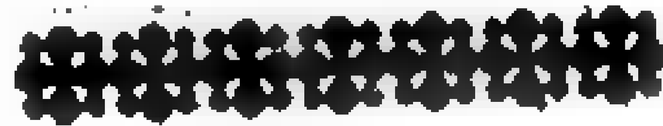
---

[1] یدِ بیضا ص ۱۴۸

تھے ایک اچھا کتب خانہ فراہم کیا تھا۔

۲۰ مارچ ۱۹۴۹ء/۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ کو ایک بجے شب وفات پائی اور دین پور (نزد خان پور) میں دفنائے گئے۔ مولانا عبدالقادر نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں۔ پہلی اہلیہ سے مولانا عبداللہ پیدا ہوئے جو عالم و فاضل انسان تھے۔ مولانا عبداللہ کے فرزند مولانا عبدالشکور دین پوری دینی حلقوں کی متعارف اور روشناس شخصیت ہیں۔

مولانا عبدالقادر کی دوسری اور تیسری اہلیہ، مولانا غلام محمد دین پوری کی صاحبزادیاں تھیں۔ اُن کی اولاد میں مولانا عبدالمنان، مولانا محمد بشیر، مولانا عبدالرحمان اور مولانا حبیب الرحمان ہیں۔



حافظ عبدالکریم

مولانا حافظ عبدالکریم بن میاں نذر محمد ۱۱ اپریل ۱۸۴۸ء/ ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۲۶۴ھ کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ابھی تین ماہ کے تھے کہ اُن کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا اور عمر کے ابھی دو سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ والدِ ماجد بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اُن کی پرورش اُن کے عمِ محترم میاں پیر بخش اور پھوپھی نے کی۔

آٹھ سال کی عمر میں مکتب میں قاضی محمد زمان سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ اُن ہی سے کتبِ درسیہ پڑھیں۔ سولہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرنے کا شوق پیدا ہوا اور ۱۲ سال کی محنت سے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ فنِ تجوید مولانا محمد حسین مکی سے سیکھا۔ حافظ اُن کے نام کا جزو بن گیا۔ قرآن مجید اس خوبی سے پڑھتے تھے کہ جس مسجد میں وہ تراویح کی نماز پڑھاتے تھے، نمازیوں کو جگہ نہیں ملتی تھی۔

خواجہ فقیر محمد چوروی راولپنڈی تشریف لائے تو اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سلسلہ نقشبندیہ کے اشغال و اذکار میں مصروف رہے اور خواجہ فقیر محمد چوروی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ راولپنڈی اور گرد و نواح میں اُن کی ذات سے سلسلۂ نقشبندیہ کو کافی فروغ ہوا۔ اُن کی تلقین و ارشاد سے سینکڑوں افراد ذکر و فکر کی لذت سے آشنا ہوئے اور بہت سے بے نماز تہجد گزار بن گئے۔

حافظ عبدالکریم ابتدائے جوانی میں کاروبار کرتے تھے لیکن جب ہجوم خلائق رہنے لگا تو کاروبار لپیٹ دیا اور ہمہ تن وعظ و ارشاد میں لگ گئے۔ معاصرین میں پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی، میاں شیر محمد شرقپوری، سائیں توکل شاہ انبالوی اور پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری سے مراسم محبت رکھتے تھے۔

حافظ عبدالکریم ۲۸ صفر ۱۳۵۵ھ/۲۰ مئی ۱۹۳۶ء کو راولپنڈی میں فوت ہوئے اور عیدگاہ راولپنڈی میں دفنائے گئے۔ مولانا محمد شریف کوٹلوی نے زیر نظر قطعۂ تاریخ کہا ع

قبلۂ دین و کعبۂ ایمان   ناصرِ دین و مذہب نعمانؒ
وارثِ علم مصطفوی   قطبِ دہر و غوثِ زمانؒ
چشمۂ فیض و عارفِ کامل   مطلعِ نور و معدنِ عرفانؒ
یعنی شیخ عبدِ کریم   واقفِ علم و حافظِ قرآنؒ
در شبِ بستم ماہِ مئی   گشت از چشم ما پنہانؒ

ہاتف گفت سالِ وصلش
پیرِ عظیم زیبِ جنانؒ!

۱۳۵۵ھ

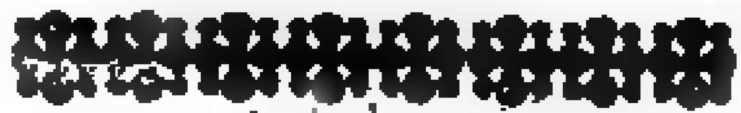
حافظ عبدالکریمؒ سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ ہدایت الانسان الی سبیل العرفان   ۲۔ فیض الکریم
۳۔ مجموعہ گلزارِ کریم   ۴۔ ترتیب و تصحیح دعائے حزب البحر

حافظ صاحب کی اولاد میں چار صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا عبدالعزیز (م ۱۳۴۲ھ)   ۲۔ مولانا عبدالرحیم (م ۱۳۴۸ھ)
۳۔ مولانا عبدالحق   ۴۔ مولانا عبدالرحمان (جانشین)

حافظ صاحب نے ۲۷ افراد کو خلافت و اجازتِ بیعت سے سرفراز کیا۔ ان میں سے مولانا حافظ محمد شریف کوٹلوی، صوفی نواب الدین (موہڑی شریف) مولانا عبدالرحمان (فرزند حافظ صاحب) اور مولانا قاضی عالم الدین کے نام نمایاں ہیں:



عبدالکریم جامپوری

مولانا عبدالکریم بن مولوی صدیق محمد کی ولادت بمقام آدم گڑھ (نزد جامپور) ضلع ڈیرہ غازیخان میں ۱۲ ربیع الاولی ۱۳۱۶ھ / ۳۱ جولائی ۱۸۹۸ء کو ہوئی۔ ابتدائی درسیات والد ماجد مولوی صدیق محمد سے پڑھیں۔ سندِ فضیلت مولانا مشتاق حسین کانپوری سے حاصل کی۔

خواجہ غلام حسن نقشبندی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور اُن کے خلفائے مجازین سے تھے۔ پانچ سال لنگر خانقاہ حسن آباد کے منصرم رہے۔ خواجہ غلام حسن کے صاحبزادوں کے اتالیق اور خانقاہ کے امام مسجد تھے۔ اُن کے بارے میں خواجہ غلام حسن کہتے تھے کہ "مولوی صاحب نے حقِ خدمت وحقِ درویشی جس طرح ادا کیا ہے ایسا کسی نے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو خوش رکھے۔ اُس نے کبھی خلافِ حکم نہیں کیا، اور چپ چاپ خدمت کرتا رہا۔ وہ سالکانِ قدیم کی فطرت پر واقعی عامل رہا"[1]

ملتان میں سکونت اختیار کی اور مدرسہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان میں صدر مدرس تھے۔

اُن کی تالیفات میں یہ نام ملتے ہیں:

۱۔ کتاب الہدیٰ فی اعتقاد اللحیٰ

۲۔ فیوضاتِ حسنیہ (فارسی)

****

---

[1] فیوضاتِ حسنیہ ص ۶۹

عبدالکریم قلعداری

مولانا عبدالکریم بن مولانا فضل احمد بن حافظ خان محمد لبتی قلعدار ضلع گجرات کے ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب بنو قریش سے جا ملتا ہے۔ اُنہوں نے اپنے دور کے جیّد علماء، مولانا کلیم اللہ چھپانوی، مولانا عبداللہ ٹونکی اور مولانا عبدالحکیم کلانوری سے استفادہ کیا۔ مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات اعزاز وامتیاز کے ساتھ پاس کیے۔

۱۸۹۶ء/۱۴-۱۳۱۳ھ میں مشن ہائی سکول جلالپور جٹاں میں بحیثیت مدرس عربی عملی زندگی کا آغاز کیا اور ۱۹۳۱ء/۵۰-۱۳۴۹ھ میں گورنمنٹ ہائی سکول پنڈدادن خان سے سبکدوش ہوئے۔ فرائضِ منصبی کے ساتھ فارغ اوقات میں فی سبیل اللہ علومِ دینیہ کی تدریس کرتے تھے۔

صوفی منش عالم تھے۔ پیر سیّد حیدر علی شاہ جلالپوری سے بیعت تھے۔ اُنہوں نے خاموشی سے تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا اور اشاعت وطباعت کی طرف کوئی خاص توجّہ نہ دی۔ کتابوں کا عمدہ ذخیرہ جمع کیا تھا اور خود بہت سی کتابوں کی نقلیں تیار کی تھیں جو اُن کے خاندانی کتب خانہ میں موجود ہیں:

۲۴ صفر ۱۳۷۷ھ/ ۱۹ ستمبر ۱۹۵۷ء کو فوت ہوئے۔ مولانا محمد فاضل (ساکن جھیوانوالی) نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے:[1]

حیف حضرت مولوی عبدالکریم — کرد رحلت جانبِ دارالنعیم
جستجو کردم کہ ہاتف گفت یار — "فخرِ ملت زاہدے" سالش شمار

۱۳۷۷ھ

---

[1] یادِ سلف ص ۴۶

ڈاکٹر تبسم قریشی مرحوم نے "موت العالم کذا موت العالم" سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ مولانا عبدالکریم کی مدح میں مولا بخش واصف گجراتی نے کہا ہے:

مرحبا اے مولوی عبدالکریم — بر تو بادا رحمتِ ربِ رحیم

نے ز عربی فارسی تو قاصرے — بر نوشت و خواند آنہا قادرے

در گلستانِ فصاحت بلبلے — در خیابانِ بلاغت صلصلے

بر چراغ دینِ حق پروانہ ای — از ریا و زرق تو بیگانہ ای

چوں کنی اسرار قرآنی بیاں — صاحبِ کشاف گوید مرحبا[1]

مولانا عبدالکریم کی مندرجہ ذیل تالیفات معلوم ہو سکی ہیں۔ ان میں سے صرف آخر الذکر مطبوعہ ہے۔

۱۔ تفسیر سورۂ فاتحہ (عربی)
۲۔ فحوی البیّنات فی مسائل الاموات
۳۔ خیر الخبر فی مسائل سنت الفجر
۴۔ القول العاضد فی حکم ایقاع الطلقات الثلاث فی المجلس الواحد
۵۔ تاج المومنین
۶۔ دیوان الکریم (عربی)
۷۔ دیوان الکریم (فارسی)
۸۔ تاریخ صلح حدیبیہ و فتح مکہ
۹۔ روح العباد فی ذکر المیلاد

مولانا عبدالکریم فارسی اور عربی میں شعر کہتے تھے۔ اُن کے غیر مطبوعہ دیوان میں سے

---

[1] تذکرہ شعرائے پنجاب ص ۳۸۲

چند اشعار یہ ہیں۔

زہ پلشیم ناگہاں چوں باصبا افراختی رفتی ‌ ‌ ‌ ‌ بجانم از قصا تیر بلا انداختی رفتی
براندازے کہ در جانِ تمنا آمدی گاہے ‌ ‌ ‌ ‌ خسے اندوختی و آتشے انداختی رفتی
فریبِ عشوۂ تو اللہ اللہ ناتوانم گفت ‌ ‌ ‌ ‌ بجاں کعبۂ دل سومناتے ساختی رفتی

****

عبداللہ وزیرآبادی

مولانا عبداللہ بن غلام علی بن محمد عابد بن غلام رسول عہدِ خالصہ کے علماء میں سے تھے۔ اُن کے خاندان میں علمی روایت کا سراغ ملتا ہے۔ مولانا عبداللہ کے دادا حافظ محمد عابد وزیرآبادی بارہویں صدی کے معروف عالم اور پنجابی زبان کے شاعر تھے۔ حافظ محمد عابد کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات نہیں ملتی البتہ اُن کے ایک فتوٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۹۵ھ/۸۱-۱۷۸۰ء میں زندہ تھے[۱]۔ حافظ محمد عابد وزیرآبادی سے حسبِ ذیل تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ حل المشکلات۔ (عربی و فارسی) قصیدہ غوثیہ کی شرح ہے۔

۲۔ نجات السالکین (فارسی)

۳۔ مرغوب القلوب (فارسی) حرمتِ تمباکو کے موضوع پر رسالہ ہے۔

۴۔ رسالہ عقیقہ (پنجابی نظم) ۵۔ شرح ایساغوجی

حافظ محمد عابد وزیرآبادی کے پوتے مولانا عبداللہ وزیرآباد کی بازار والی مسجد کے امام و خطیب تھے۔ اُن کی مسجد بازار کی توسیع میں بحکمِ سرکار مسمار کر دی گئی تھی۔ اُن کی تگ و دو کے نتیجے میں خالصہ حکومت نے رام کٹڑہ میں پہلی مسجد کے متبادل نئی مسجد تعمیر کرائی[۲]۔



---

[۱] یہ فتوٰی قریشی احمد حسین احمد قلعداری کے کتب خانے محفوظ ہے۔

[۲] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو ORIENTAL STUDIES

عبداللہ جامی

مولانا عبداللہ جامیؒ بن نور محمد بن حافظ لعل دین لاڑ قبیلے کے جلیل القدر فرزند تھے۔
اُن کے جدامجد حافظ لعل دین، حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی (م ۱۱۹۷ھ) سے تعلق بیعت رکھتے تھے اور صاحبِ حال بزرگوں میں سے تھے۔ حافظ لعل دین کے صاحبزادے اور مولانا عبداللہ جامیؒ کے والد محترم مولوی نور محمد، مولانا قاضی عاقل محمد کے شاگرد تھے۔ آخری عمر میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے تھے وہیں ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ / ۲۶ جولائی ۱۸۵۹ء کو وفات پائی۔[1]

مولانا عبداللہ جامی بہاول پور کے بلند پایہ علماء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی زندگی نہایت پاکبازانہ رہی۔ اسوۂ حسنہ کے باعث مشہور تھا کہ انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل تھا۔[1]

ان سے مندرجہ ذیل تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ شرح قدوری۔ فقہ حنفی کی معروف کتاب "المختصر القدوری" کی عام فہم اور مفصل شرح ہے جو پنجاب بھر میں مقبول رہی ہے۔

۲۔ تعویذ بہاول خانی شرح قصیدہ حضرت محبوب سبحانیؒ

۱۸ شوال ۱۳۲۴ھ / ۵ دسمبر ۱۹۰۶ء کو بہاول پور میں وفات پائی۔[2]
اور موری دروازے کے اندر محلہ حکیم رحیم بخش میں مسجد کے متصل ان کا

---

[1] تذکرہ کرام ص ۶۸ (بہ تغییر الفاظ)

[2] تذکرہ اولیائے بہاول پور ص ۲۸۰

مزار ہے [1]۔

مرحوم کی اولاد میں مولوی عاشق محمد، مولوی شاکر محمد اور مولوی صادق محمد تبحر علمی میں اپنے والد کی یادگار رہتے اور مشاغل درس و تدریس میں مصروف رہے۔

[1] ذکر کرام ص ۶۸

شیخ عبداللہ گجراتی

مولانا شیخ عبداللہ بن مولانا صدرالدین اپنے ننھیال موضع دینہ (ضلع جہلمؔ) میں[1] ۱۲۴۹-۵۰ھ /۱۸۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن کے چند سال اپنے نانا حافظ نور جی کے زیرِ سایہ گزارے۔ ساڑھے چار سال کی عمر میں حافظ نوردین (ساکن چک عمر) سے قرآن مجید حفظ کیا اور والد مکرم مولانا صدرالدین (م ۱۲۶۹ھ) سے علوم مروّجہ کی تحصیل کی۔ اُن کے علاوہ میاں مخدوم عالم (چچا) اور حافظ غلام یحییٰ سے اکتسابِ فیض کیا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو چک عمر (کھاریاں) میں درس و تدریس شروع کی۔ چک عمر اُن کے پردادا حافظ شیخ شکراللہ کے زمانے سے مرکزِ علم چلا آرہا تھا مگر اُن کے زمانۂ تدریس میں چک عمر کی شہرت دُور و نزدیک پھیلی۔

شمس العارفین سیالویؒ سے بیعت تھے اور اُن کے خلفائے مجاز میں شامل تھے۔ یہ بلند پایہ مدّرس ۱۳۳۹-۴۰ھ /۱۹۲۱ء میں فوت ہوئے۔ اُن کے دو صاحبزادے مولانا محمد بقا (مولوی فاضل) اور حافظ محمد رضا اُن کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ اس لیے اُن کے بھتیجے محمد سلام اللہ شائقؔ بن امان اللہ جانشین ہوئے۔ شائقؔ نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ؎

چو مولائے ما قبلۂ اہلِ دیں	چراغِ ہدایت بروئے زمیں
چراغے نہ گویم کہ مہرِ جہاں	زبینندگاں گشت ناگہ نہاں

---

[1] جناب شرف قادری صاحب نے حکیم محمد مظفر علی صاحب کی مہیّا کردہ معلومات کے مطابق اُن کا مولد دینہ قرار دیا ہے۔ خواجہ عبدالرشید نے اُن کا مولد "چک عمر" بتایا ہے (تذکرہ شعرائے پنجاب ص ۲۳۴)

زفقدش سیاہ گشت عالم تمام — شدہ خواب در چشم شائق حرام
خدائش بجنات بخشد مقام — بحق محمد علیہ السلام
بسال مسیحی چو داری خیال — بگو کوچ شیخ المشائخ کمال

۱۹۲۱ء

شیخ عبداللہ سے بیسیوں افراد نے علمی و دینی استفادہ کیا۔ انہیں اگر اپنے دور کا "استاد پنجاب" قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ان کے چند اہم شاگردوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ محمد سلام اللہ شائق (م ۱۳ ستمبر ۱۹۴۵ء / ۵ شوال ۱۳۶۴ھ)
۲۔ مولانا عبدالمالک کھوڑوی
۳۔ مولانا نیاز احمد نھوڑوی
۴۔ مولانا حافظ نوردین جلالپوری
۵۔ مولانا نور احمد ساکن باگڑیانوالہ
۶۔ مولانا محمد عالم قریشی ساکن سرگودھا

شیخ عبداللہ کے قلمی آثار سے مندرجہ ذیل معلوم ہو سکے ہیں:

۱۔ تاریخ الدیوان۔ حالات حاجی عبداللہ دیوان جی قادری (م ۲۰ شوال ۱۰۷۲ھ) اس کا ایک خطی نسخہ عبدالرشید تاجر کتب نادرہ لاہور کے ہاں دیکھا گیا تھا۔

۲۔ نشان شیخ۔ مجموعہ کلام جو ۱۳۱۱ھ / ۹۴-۱۸۹۳ء میں مدون کیا گیا۔ "نشان شیخ" تاریخی نام ہے۔ ان کے دیوان میں قصائد، مرثیے اور قطعات ملتے ہیں۔

گجرات شہر کی تعریف میں ایک مثنوی کے چند اشعار یہ ہیں:

خوشا گجرات شہر شادولا — ز رشک او ملتان گردد گرما
بہ سبقت بردہ گوئے عزت و جاہ — سراپا گنج آہ گردید گنجاہ

شدہ ذنگہ بساز ارش کنجاراست	کہ کج با کج گراید راست باراست
زفضلِ او کند اقرار جہلم	سراسر بے شعورم بلکہ جہلم
چہ نسبت باشعرائے دانائے استاد	وزیر آباد را باکبیر آباد[1]

تاریخ گوئی میں کامل استعداد رکھتے تھے۔ ۱۸۹۶ء میں "پیسہ اخبار" نے تاریخ گوئی کا ایک مقابلہ منعقد کیا۔ جس میں شیخ عبداللہ مرحوم نے عربی، فارسی اور پنجابی قطعات کہہ کر انعامات حاصل کئے۔ اہم واقعات اور احباب کی وفات پر انہوں نے سینکڑوں مادہ ہائے تاریخ نکالے۔ مولانا نجم الدین گجراتی کا سالِ وفات "غروب النجوم = ۱۳۳۸ھ" اور غلام محی الدین کنجاہی کا سالِ ارتحال "آہ جانِ غلام محی الدین" = ۱۲۸۴ھ" سے نکالا ہے[2]

****

[1] تذکرہ شعرائے پنجاب ص ۲۳۴

[2] " " ص ۲۶۴، ۲۶۷۔

سیّد عبداللہ شاہ سیالکوٹیؒ

مولانا حافظ سیّد عبداللہ شاہ بن مولانا سیّد چراغ شاہ نے ۱۲۷۴ھ/۵۸-۱۸۵۷ء میں کشمیری محلّہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور ابتدائی کتب درسیہ مولانا علم الدین سیالکوٹی سے پڑھیں۔ خواجہ عبدالعلیم ملتانی سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔

۱۳۰۰ھ/۸۳-۱۸۸۲ء میں مولانا قاضی سلطان محمود (ساکن اعوان شریف) سے قادری سلسلۂ طریقت میں بیعت ہوئے۔ قاضی صاحب اُن پر بے حد شفقت کرتے تھے۔ معاصر علماء میں سے مولانا محمد حسن فیضی، مولانا محمود گنجوی، مولانا کرم الدین دبیر اور مولانا قادر بخش ملتانی سے دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ زندگی کے آخری سالوں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ ۸۴ سال کی عمر میں ۴ دسمبر ۱۹۴۱ء/۱۶ ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ کو جان، جانِ آفرین کے سپرد کی۔ چک نمبر ۱۵ شمالی ضلع گجرات میں مدفون ہیں۔ اُن کے فرزندِ ارجمند مولانا سیّد نور محمد قادری دینی اور علمی حلقوں میں متعارف شخصیت ہیں۔

مولانا سید عبداللہ شاہ سیالکوٹی صاحبِ مطالعہ شخص تھے۔ نادر و نایاب کتابوں کے حصول میں لگے رہتے تھے۔ نیز نایاب کتابوں کی نقل خود تیار کر لیتے تھے۔ اُن کے چھوڑے ہوئے کتب خانہ میں اب بھی بعض بلند پایہ نوادر موجود ہیں۔

مولانا موصوف کی اپنی تالیفات میں سورۂ آلِ عمران کی چند آیات کی غیر مطبوعہ تفسیر (فارسی) ہے جو بڑے سائز کے تقریباً دو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

****

عبداللہ بہلوی

مولانا عبداللہ بن محمد مسلم بن نور محمد یکم رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ / ۱۵ فروری ۱۸۹۶ء کو موضع بہلی تحصیل شجاع آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں دینی علوم اور وعظ و ارشاد کی روایت چند پشتوں سے چلی آرہی تھی۔ مولانا عبداللہ نے مولانا قادر بخش سے قرآن مجید اور ابتدائی فارسی کتابیں پڑھیں۔ دس سال کی عمر میں پرائمری تعلیم سے فارغ ہوئے اور "تحفۃ الاحرار" (جامی) تک فارسی کتابیں پڑھ لی تھیں۔

مولانا غلام محمد (ساکن جھنڈا) سے قرآن مجید حفظ کیا۔ مولانا عبدالرحمان (ساکن بیٹ قیصر) سے درسِ نظامی کی متوسطات تک تعلیم پائی۔ ہدایہ، حسامی اور مشکوٰۃ المصابیح اپنے زمانے کے متبحر عالم مولانا غلام رسول پونٹوی سے پڑھیں۔ اس عرصہ میں "متن متین" مولانا محمد عظیم سے پڑھی۔ دارالعلوم دیوبند میں دو سال زیرِ تعلیم رہ کر آخری کتابیں پڑھیں اور دورۂ حدیث کیا۔ غالباً ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ مولانا حسین علی واں بچھرانوی اور مولانا احمد علی لاہوری سے دورۂ تفسیر کیا۔

فارغ التحصیل ہو کر وطن آئے اور "موضع بہلی" میں "مدرسہ منظہر العلوم" میں تدریس شروع کی۔ ۷-۱۳۶۶ھ / ۸-۱۹۴۷ء تک تدریسی شغل جاری رکھا بعد میں وعظ و ارشاد کی مصروفیات کے پیشِ نظر تدریس سے ہاتھ اُٹھا لیا۔

مولانا عبداللہ بہلوی نے مولانا فضل علی قریشی مسکین پوری کے ہاتھ پر سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی اور اُن کے خلفائے مجازین سے تھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے اہلِ دل مولانا محمد امیر دامانی، مولانا حسین علی، مولانا تاج محمود امروٹی اور مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی روحانی استفادہ کیا تھا۔ سات بار فریضۂ حج

ادا کیا اور ایک بار عمرہ کیا تھا۔ ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء میں وطن مالوف ہیں وفات پائی۔

مولانا عبداللہ بہلوی سے تفسیر و حدیث، تصوّف و سلوک اور فقہی مسائل پر مندرجہ ذیل تحریریں یادگار ہیں۔ تبلیغی نقطۂ نظر سے لکھے گئے رسائل اور چارٹ ان پر مستزاد ہیں:

تفسیر

۱۔ فوائد القرآن المعروف اصطلاحات القرآن (غیر مطبوعہ۔ گیارہ پارے)

۲۔ تفسیر سورۃ الفاتحہ (الکلمات الراجحہ فی تفسیر سورۃ الفاتحہ۔ فارسی)

حدیث

۳۔ المستدلات الاحناف

سیرت النبی

۴۔ الشجرۃ الطیبہ (حضرت آدمؑ تا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

۵۔ خیر الاذکار

تصوّف و سلوک

۶۔ عمدۃ الاذکار فی علاج قلوب الابرار

۷۔ طب روحانی المعروف بہ خدائی رنگ

۸۔ فیض روحانی۔ رحمت صمدانی

۹۔ الوفا بعہد الاولیاء

۱۰۔ مہمات التصوّف در دفع مغالطات

۱۱۔ معارف السلوک

۱۲۔ التصرف فی حقیقت البیعت والتصوّف،

۱۳۔ انکشاف الاحوال والاوہام

۱۴۔ محاسبۃ الاعمال

۱۵۔ التبیین فی ہمزات الشیاطین

۱۶۔ اطاعت الالہ فیما یتعلق بہ الاعضاء

۱۷۔ رسالہ تصوف اہلِ صفا

۱۸۔ تصفیۃ الاعمال

فقہ

۱۹۔ تحفۃ الفقیر الی اللہ (مسائلِ حج)

۲۰۔ رسالہ ترک المنکرات

۲۱۔ پچیس مسائل

۲۲۔ دعا بعد الجنازہ

۲۳۔ محاکمہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی

۲۴۔ تین مسائل کا استفتاء

عبداللہ دھرم کوٹی

مولانا عبداللہ بن میاں محمد بخش موضع دھرم کوٹ ضلع فیروز پور کے ایک ارائیں خاندان میں پیدا ہوئے۔ والدین کے اکلوتے فرزند تھے۔ اُن کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرنے کی خاطر مکتب میں بٹھائے گئے۔ مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری (خلیفہ مجاز مولانا عبدالقادر رائے پوری) سے ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ اُن کے توسط سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ چار سال دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم رہ کر ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ) کا نام بہت نمایاں ہے۔

مولانا عبداللہ کے اُستادِ گرامی مولانا محمد ابراہیم سلیم پوری جگراؤں ضلع لدھیانہ میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ مولانا عبداللہ کو انہوں نے جگراؤں بلالیا اور اپنا نائب مدرس بنا دیا۔

مولانا عبداللہ نے سلسلۂ قادریہ میں مولانا اللہ بخش بہاول نگری کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اُن کی رحلت کے بعد مولانا عبدالقادر رائے پوری کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت کی۔ مولانا عبدالقادر رائے پوری نے انہیں اپنا خلیفہ مجاز نامزد کیا۔

تقسیمِ ہند کے بعد آبائی وطن سے چک نمبر ۱۲۶ ۔ ایم ۔ بی تحصیل خوشاب آگئے۔ یہیں علمی و دینی سرگرمیوں میں مصروف ۶ رمضان ۱۳۸۳ھ/ ۲۲ ؍جنوری ۱۹۶۴ء کو فوت ہوئے۔

مولانا عبداللہ مرحوم کی اولاد میں مولانا حاجی عبدالرحیم اور مولانا فضل الرحمان ان کی دینی و علمی روایت قائم رکھے ہوئے ہیں۔

عبداللہ روپڑی

حافظ عبداللہ بن میاں روشن دین موضع کمیر پور ضلع امرتسر میں ۱۳۰۲ھ/۸۵-۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے موضع ڈوبہ تحصیل چونیاں ضلع لاہور میں تعلیم کا آغاز کیا۔ مولانا عبداللہ (ساکن چھانگا مانگا) سے آٹھ پارے حفظ کر کے مدرسہ غزنویہ امرتسر چلے گئے۔ جہاں مولانا عبدالجبار غزنوی سے استفادہ کیا۔ ۱۹۱۰ء/۱۳۲۸ھ میں دہلی چلے گئے اور درسِ نظامی کی بعض آخری کتابیں مولانا محمد اسحاق منطقی سے پڑھیں۔ دو اڑھائی سال بعد مدرسہ عالیہ رامپور چلے گئے۔ وہیں سے سندِ فضیلت حاصل کی اور رامپور کے زمانۂ قیام میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ حافظ عبدالمنّان وزیر آبادی سے بھی اجازتِ حدیث حاصل کی تھی۔

۱۹۱۴ء/۳۳-۱۳۳۲ھ میں امرتسر آئے اور ایک سال بعد روپڑ (ضلع انبالہ) میں سکونت اختیار کی۔ روپڑ میں مسلکِ اہل حدیث کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے۔ "مدرسہ اہل حدیث" قائم کیا اور ایک اخبار "تنظیم اہل حدیث" جاری کیا۔ "روپڑ" میں قیام کی وجہ سے روپڑی اُن کے نام کا لاحقہ بن گیا تھا حالانکہ وہ مولداً کمیر پوری تھے اور خود امرتسری کی صفت نسبتی لکھتے تھے۔

۱۹۳۴ء/۵۳-۱۳۵۲ھ کے لگ بھگ روپڑ میں اپنے برادر زادہ حافظ عبدالقادر روپڑی کو تبلیغی و تدریسی کام سپرد کر کے خود امرتسر آ گئے۔ پاکستان بننے پر لاہور آ گئے اور چوک دالگراں میں "مسجد قدس" اور مدرسہ اہل حدیث کی بنیاد رکھی۔ خطابت و تدریس کے فرائض کے ساتھ تصنیف و تالیف بھی کرتے تھے۔ ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۸۴ھ/ ۲۰ اگست ۱۹۶۴ء کو لاہور میں رحلت کی اور گارڈن ٹاؤن میں دفنائے گئے۔

حافظ عبداللہ روپڑی سے پچاس کے لگ بھگ چھوٹی بڑی کتابیں یادگار ہیں۔
جن میں زیادہ تر اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر ہیں۔ چند اہم کتابیں یہ ہیں:

۱۔ تفسیر قرآن (دو پارے۔ غیر مطبوعہ)
۲۔ اُردو ترجمہ و حواشی مشکوٰۃ المصابیح تاکتاب القدر (غیر مطبوعہ)
۳۔ وراثتِ اسلامی
۴۔ حکومت اور علمائے ربّانی
۵۔ اہل حدیث کے امتیازی مسائل
۶۔ ارشادالوریٰ فی جمعۃ القریٰ (عربی)
۷۔ مرزائیت اور اسلام
۸۔ تحقیق التراویح
۹۔ ردِّ بدعات
۱۰۔ المرشد والامام
۱۱۔ تکبیراتِ عیدین
۱۲۔ تعلیم الصلوٰۃ

پاکستان آکر ہفت روزہ "تنظیم اہل حدیث" دوبارہ شروع کیا تھا اور اس کی نگرانی کے فرائض انجام دیتے تھے۔

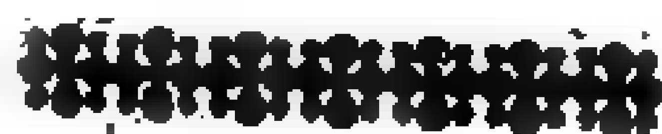
****

عبداللہ کلسوی

مولانا عبداللہ کلسوی ۱۹۱۲ء/۳۱-۱۳۳۰ھ کے لگ بھگ موضع کلس راجپوتاں (حال ضلع امرتسر) میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان زراعت پیشہ تھا۔ بارہ برس کے تھے کہ محمد سلیمان نامی ایک دیہاتی دوست کے ساتھ سیّد محمد شریف گھڑیالویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن سے استفادہ کرنے کے بعد مولانا محمد ابراہیم باقی پوری کی خدمت میں ویرووال ضلع امرتسر تشریف لے گئے۔ اُن سے اڑھائی سال استفادہ کیا۔ آخر میں مدرسہ تقویت الاسلام امرتسر میں داخل ہوئے اور فاتحہ فراغ پڑھا۔ مدرسہ تقویت الاسلام میں مولانا نیک محمد سے خصوصی استفادہ کیا۔ اسی زمانے میں مولانا محمد حسین روپڑی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

مولانا عبداللہ تحصیلِ تعلیم کے بعد اپنے گاؤں "کلس" آ گئے اور درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد سر کالی کلاں (ضلع قصور) ہجرت کر آئے۔ ۱۹۵۶ء/۷۶-۱۳۷۵ھ میں مولانا محمد اسماعیل سلفی کے ایماء پر حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کی مسندِ درس کو رونق بخشی اور پانچ سال وزیر آباد میں رہے۔ وزیر آباد سے وہاڑی گئے۔ دو سال بعد دھرم پورہ (لاہور) آ گئے اور یہاں مسندِ تدریس سجائی۔ مسلسل درس و تدریس سے صحت گر گئی اور اپنے صاحبزادے پروفیسر حافظ ثناء اللہ کے ہاں آ گئے۔

لاہور میں ۱۱ر جنوری ۱۹۷۱ء/۱۳ر ذی قعدہ ۱۳۹۰ھ کو جان، جانِ آفرین کے حوالے کی۔[1]
مرحوم سے کوئی تصنیف یادگار نہیں مگر اُن کے بیسیوں شاگرد دینی خدمات میں مصروف ہیں۔



---

[1] ماہنامہ "محدث"، (لاہور) بابت جنوری۔ فروری ۱۹۷۱ء

عبداللہ جھنگوی

مولانا عبداللہ بن احمد یار ۱۲ار محرم ۱۳۴۰ھ/۱۵ ستمبر ۱۹۲۱ء کو لنگرانہ چک ۲۳۷ نزد محمدی شریف (ضلع جھنگ) میں پیدا ہوئے۔ بصیرہ میں مولانا سعید الرحمان ہزاروی اور موضع کفری ضلع سرگودہا میں مولانا خدا بخش سے علوم مروجہ کی تکمیل کی۔ دورۂ حدیث مولانا سردار احمد لائل پوری (فیصل آبادی) سے بریلی کے زمانۂ قیام میں کیا تھا۔ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی صاحب کے ارادت مندوں میں سے تھے۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد خانقاہ چشتیہ سیال شریف کے مدرسے "ضیاء شمس الاسلام" میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۷ء/۷۷-۱۳۷۶ھ میں چند ماہ استادِ گرامی مولانا سردار احمد کے اصرار پر فیصل آباد میں رہے۔ ایک سال جامعہ حنفیہ قصور اور دو تین سال جامعہ مظفریہ رضویہ واں بچھراں (ضلع میانوالی) میں مدرس رہے۔ زندگی کا زیادہ حصہ خانقاہ سیال شریف میں گزارا۔

تدریس و تبلیغ میں مصروف ۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ/۱۹ر جنوری ۱۹۷۴ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

****

ساہ تذکرہ اکابر اہلسنت (ملخص) ص ۲۷۰-۲۷۱

عبداللہ لدھیانوی

مولانا ابو احمد عبداللہ بن مولانا محمد اسماعیل ضلع لدھیانہ کے موضع "بلیہ والی" کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ مکرم سے حاصل کی۔ والد ماجد کی وفات کے بعد کچھ عرصہ لدھیانہ میں تعلیم حاصل کر کے امرتسر چلے گئے۔ مولانا نور احمد امرتسری (م ۱۳۴۸ھ) اور مفتی محمد حسن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ بعد میں ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور چار سال بعد واپس لدھیانہ آ کر تعلیم و تدریس کے کام میں مشغول ہوئے۔

زمانہ قیام دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے بیعت ہوئے۔ اُن سے ہی سندِ اجازت حدیث حاصل کی۔

دیوبند سے آنے کے بعد مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ میں مدرس ہو گئے۔ مگر مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے درسِ حدیث سے استفادہ کی خواہش تھی۔ چنانچہ دوسری بار مع اہل و عیال دیوبند چلے گئے۔ دار العلوم کے منتظمین نے ابتدائی اور درمیانے درجے کے کچھ اسباق اُن کے سپرد کر دیئے۔ پانچ روپے ماہانہ وظیفہ اور دو وقت درمیانے درجے کا کھانا مقرر کیا۔ دو سال حضرت کاشمیریؒ سے استفادہ کے بعد لدھیانہ آ گئے "مدرسہ اللہ والا" میں مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی کے ساتھ مل کر تبلیغ و تدریس کا کام شروع کیا۔

"مدرسہ اللہ والا" کے سالانہ جلسے کے موقع پر مولانا انور شاہ کاشمیریؒ تشریف لائے اور ایک عظیم الشان اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے مولانا عبداللہ کے بارے میں فرمایا:

"مجھے اس شخص کے علم و دیانت پر پورا اعتماد ہے"

یہ مولانا عبداللہ کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔

مولانا عبداللہ اسی مدرسے میں مصروفِ تدریس تھے کہ اُن کے بڑے بھائی مولانا محمدؒ کا انتقال ہوگیا جو آبائی گاؤں میں اسلاف کے مسند نشین تھے۔ اہلِ دیہہ کے اصرار پر مولانا عبداللہ کو "بلیر دائی" جانا پڑا۔ وہاں "مدرسہ انواریہ عربیہ" کے نام سے دینی مدرسہ قائم کیا۔ بعد میں یہ مدرسہ لدھیانہ کی شاہی مسجد میں منتقل ہوگیا۔ لدھیانہ کے زمانۂ تدریس میں "مدرسہ انواریہ عربیہ" کی کمیٹی سے بعض اختلافات پیدا ہوئے اور وہ مدرسہ سے الگ ہوگئے۔ ایک نیا ادارہ "دارالعلوم نعمانیہ" قائم کیا اور تقسیم ہند تک فرائضِ تدریس انجام دیتے رہے۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان آگئے۔ اگست ۱۹۷۵ء/۱۳۹۵ھ میں علمی و دینی خدمات میں مصروف جان، جانِ آفرین کے حوالے کی۔

مولانا عبداللہ نے اپنے استاذ مفتی محمد حسن کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن کے خلفاء میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔

مولانا عبداللہ لدھیانوی سے کم و بیش اٹھائیس کتابیں اور پمفلٹ یادگار ہیں۔



محمد عبداللہ فاروقی

مولانا محمد عبداللہ فاروقی بن مولانا محمد کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضؓ سے ملتا ہے۔
وہ کوٹ بادل خان ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد ماجد مولانا محمد، بانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا محمد ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں کوٹ بادل خان میں فوت ہوئے۔

مولانا محمد عبداللہ فاروقی نے ابتدائی درسیات اپنے والد ماجد اور علاقے کے نامور اساتذہ سے پڑھیں۔ اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن سے استفادہ کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعتِ طریقت کی۔ اُن کی رحلت پر مولانا عبدالقادر رائے پوری سے منسلک ہوئے۔ مولانا رائے پوری نے انہیں خلافت سے سرفراز کیا۔

مولانا محمد عبداللہ فارغ التحصیل ہوئے تو چندماہ دیوبند میں مقیم رہے بعد میں وطنِ مالوف آکر دینی و تبلیغی کام میں مصروف ہو گئے۔ شیخ الہند کی "تحریک ریشمی رومال" میں شریک تھے اُن کا ایک بازو کلائی سے کٹا ہوا تھا اور خفیہ رپورٹ میں ان کا ذکر "عبداللہ مولوی ٹنڈا کوٹ بادل خان" کے نام سے کیا گیا ہے۔ تحریک کے ناکام ہوجانے پر لاہور آ گئے اور مسلم ہائی سکول بھاٹی گیٹ میں فارسی کے اُستاد مقرر ہو گئے۔

رمضان ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء میں میو ہسپتال لاہور میں فوت ہوئے۔ عبدالعزیز گمتھلوی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان میانی صاحب میں دفنائے گئے۔



عبداللہ جان

مولانا عبداللہ جان بن محمد قاسم بن صدر الدین ۸۲-۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء میں موضع جلالیہ ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ زبانی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے جدِ امجد جلال خان ان سپاہی پیشہ لوگوں میں شامل تھے جو سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے ہمراہ برصغیر میں وارد ہوئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے تھے۔ موضع جلالیہ کے بانی بھی یہی "جلال خان" ہیں۔

مولانا عبداللہ جان کے والد محترم محمد قاسم اپنے علاقے کے اچھے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا عبداللہ جان نے ابتدائی کتابیں اُن ہی سے پڑھیں۔ کچھ بڑے ہوئے تو اپنے بھائی مولوی عبدالمالکؒ کے ہمراہ پشاور، قاضی پور، سرائے صالح اور بعض دوسرے مقامات پر حصولِ تعلیم کے لیے مقیم رہے۔ امروہہ اور دہلی کا سفر بھی کیا تھا۔ دہلی میں مدرسہ فتح پوری میں کچھ عرصہ قیام رہا۔ دہلی کے زمانۂ اقامت میں مولانا عبدالحق حقانی (م ۱۳۳۵ھ) مؤلف تفسیر حقانی سے بھی استفادہ کیا۔

حصولِ تعلیم سے فارغ ہو کر جلالیہ میں سکونت اختیار کی اور زندگی بھر افتاء و درس میں مشغول رہے۔ درسِ نظامی کی سب ہی کتابیں پڑھاتے تھے مگر "نحو و معانی" میں اپنی مثال آپ تھے۔ طلبہ میں "نحوی بابا" کے عُرف سے پہچانے جاتے تھے اور علم معانی میں "سیبویہ ثانی" کہلاتے تھے۔

جمعیت علمائے ہند سے منسلک تھے اور ہر دینی تحریک میں دامے، درمے، قدمے اور سخنے تعاون کرتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت میں شریک رہے۔ اس سے پہلے حاجی فضلِ واحد معروف بہ حاجی صاحب ترنگ زئی کی تحریکِ اصلاح و جہاد سے وابستہ

رہے تھے۔

یکم جنوری ۱۹۶۳ء/۵ رشعبان ۱۳۸۲ھ کو فوت ہوئے۔ نماز جنازہ مولانا نصیر الدین غورغشتوی نے پڑھائی اور جلالیہ کے قبرستان میں دفنائے گئے۔

مرحوم کی نرینہ اولاد میں دو صاحبزادے ہیں۔



ابوالبرکات عبدالمالک کھوڑوی

ابوالبرکات عبدالمالک بن مولوی محمد عالم بن گوہر خان موضع کھوڑی متصل ڈنگہ ضلع گجرات کے گوجر چوہان خاندان میں متولّد ہوئے۔ مولوی محمد عالم جیّد عالم دین اور اچھے خوشنویس تھے۔ مولانا جان محمد قادری لاہوری سے بیعت تھے اور اُن کے خلیفۂ مجاز تھے۔ مولوی محمد عالم سے پنجابی سی حرفی "فریادِ عالم در فراق غوث اعظم رح" یادگار ہے اس کے علاوہ "حسابِ عالم" (ریاضی) اُن کی تالیف ہے جو زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔[1]

مولانا عبدالمالک نے ابتدائی درسیات والد ماجد اور اپنے بھائی غلام غوث سے پڑھیں۔ درسِ نظامی کی آخری کتابیں مولانا شیخ عبداللہ (ساکن چک عمر نزد لالہ موسیٰ) سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

انہوں نے عملی زندگی کا آغاز "مددگار پٹواری" کی معمولی اسامی سے کیا اور ترقی کرتے کرتے افسرِ مال کے عہدہ پر پہنچے۔ نواب صادق محمد خان خامس والیٔ بہاولپور نے اُن کی شہرت سن کر بہاولپور بلا بھیجا اور سابق ریاست بہاولپور میں مشیرِ مالیات مقرر ہوئے انہوں نے فرائضِ منصبی بطریقِ احسن انجام دیئے۔ حکومتِ برطانیہ نے انہیں "خان صاحب" کا خطاب دیا تھا۔ مسجدِ اقصیٰ بہاولپور کی تعمیر اور نہر صادقیہ کی کھدائی اُن کی نگرانی میں ہوئی تھی۔

۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ھ میں والیٔ بہاولپور کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا۔ ملازمت

---

[1] دیباچہ الجواہر المضیہ ص ۴

سے الگ ہو کر وطنِ مالوف آ گئے۔ ایک عربی مدرسہ اور خانقاہ نہر اپر جہلم کے کنارے متصل موضع توون اپنی مملوکہ اراضی میں بنوائی۔ علمی اور دینی خدمات میں مصروف رہے۔ ۲۴ر جون ۱۹۴۱ء / ۲۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ کو موضع کھوڑی میں فوت ہوئے[1] نمازِ جنازہ مولانا محمد سلام اللہ شائق تونوی (رئیس چک عمر) نے پڑھائی۔ جناب حکیم مظفر علی صاحب نے حسبِ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے:

فخرِ گوہر عبدالمالک نیک نام — کرد رحلت جانبِ دارالسلام
بود عالم با عمل از اب و جد — فیضیاب از خانۂ اش ہر خاص و عام
گفت شائق با مظفر ایں چنیں — کن رقم تاریخ آں در ذی احترام[2]
۱۳۶۰ھ

مولانا عبدالمالک فارسی اور اُردو کے ایک اچھے شاعر تھے۔ صادق تخلص کرتے تھے۔ تاریخ گوئی میں کمال تھا۔ انہوں نے نواب محمد صادق خامس (والی بہاول پور) کی مدح میں ایک تاریخی قصیدہ (۱۳۱۰ھ) لکھا جس کے تیس شعروں میں ۱۴۷ مادہ ہائے تاریخ آتے تھے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

مصلحِ جود و صداقت منبعِ سرِّ نہاں
۱۳۱۰ھ
ہمدمِ عدل و جلالت صادق صاحبقراں[3]
۱۳۱۰ھ

---

[1] جناب شرف قادری صاحب نے ماہنامہ "العزیز" (بہاول پور) کے حوالے سے تاریخ وفات ۲۱ر جولائی ۱۹۴۱ء / ۲۶ر جمادی الاخریٰ ۱۳۶۰ھ لکھی ہے۔ (ص ۲۷۶)

[2] دیباچہ الجواہر المضیئہ ص ۸

[3] قصیدہ میں یہ صنعت بھی پیشِ نظر رہی ہے کہ دونوں مصرعوں کے حروفِ منقوط یا حروفِ غیر منقوط کو الگ الگ جمع کیا جائے تو مادۂ تاریخ ۱۳۱۰ھ حاصل ہوتا ہے۔

مرحوم کے ایک نعتیہ قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں :

اے بردہ برعرش بریں نقش قدم را — وز نام تو علم ازلی لوح و قلم را
اے فخر بذات تو صنادید عرب را — وے ناز بنام تو اقالیم عجم را
مشاطہ رخ حسن تو آراست — تا ہست تماشا بکند حسن عدم را

مولانا مرحوم سے حسب ذیل تالیفات یادگار ہیں:[1]

۱۔ الطباق الشردہ فی شرح القصیدہ البردہ
۲۔ حسن الجردہ فی شرح القصیدہ البردہ ۔ اول الذکر شرح میں اضافوں اور منظوم فارسی ترجمہ کے ساتھ یہ شرح مرتب کی گئی ہے ۔
۳۔ شرع محمدی (علم الفرائض)
۴۔ الجواہر المضیہ فی شرح القصیدہ الغوثیہ (قصیدہ غوثیہ کی اردو شرح)
۵۔ شرح درود کبریت احمر
۶۔ التنور (سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)
۷۔ المزمل (" ")
۸۔ النکاح (فقہ ۔ نکاح و طلاق کے متعارف مسائل)
۹۔ النبوت والرسالت
۱۰۔ صادق الارشاد فی شرح بانت سعاد
۱۱۔ شاہان گوجر (مطبوعہ مطبع معارف ۔ اعظم گڑھ)

****

[1] اشتہار حسن الجردہ ص ۲۴۶

عبدالمجید خادم سوہدروی

مولانا عبدالمجید خادم بن مولانا عبدالحمید بن مولانا غلام نبی ۱۹۰۱ء/ ۱۳۱۸ھ میں سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے ننھیال اور ددھیال دونوں خانوادوں میں علمی و دینی روایت چلی آ رہی تھی۔ مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی اُن کے نانا تھے۔

مولانا عبدالمجید ابھی کم سن تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اُن کی پرورش مولانا غلام نبی (دادا) نے کی۔ انہیں سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبدالمجید نے حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے درسِ نظامی کی تکمیل کی بیس سال کی عمر میں مروّجہ درسیات سے فارغ ہو کر اصلاحی و تبلیغی کاموں میں مشغول ہوئے۔

مولانا عبدالمجید نے سوہدرہ سے ایک پرچہ "مسلمان" جاری کیا۔ اور "مسلمان کمپنی" کے نام سے اشاعتی ادارہ قائم کیا۔ اس کے ساتھ ذریعہ معاش کے طور پر طبابت کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان تک "مسلمان" اُن کی ادارت میں طبع ہوتا رہا۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ) کا ہفت روزہ "اہلِ حدیث" (امرتسر) مسلکِ اہلِ حدیث کا مقبول ترین ترجمان تھا۔ تقسیمِ ہند کے وقت مولانا امرتسری ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور "اہلِ حدیث" دم توڑ گیا۔ مولانا عبدالمجید نے اس کی تجدید سوہدرہ سے کی جو اُن کی رحلت تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

مولانا عبدالمجید اچھے خطیب، قلمکار اور بلند نظر عالم تھے۔ علمی و دینی کام کرتے ہوئے نومبر ۱۹۵۹ء/ ۱۳۷۹ھ میں فوت ہوئے اور سوہدرہ میں اپنے جدِّ امجد کے پہلو میں دفنائے گئے۔ مرحوم سے طبّی اور دینی موضوعات پر کم و بیش ساٹھ کتابیں یادگار ہیں۔ چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ رہبرِ کامل (سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۔ انگریز اور وہابی

۳۔ دولت مند صحابہؓ

۴۔ سیرتِ عائشہؓ

۵۔ سیرتِ فاطمہؓ

۶۔ سیرت امام ابو حنیفہؒ

۷۔ سیرتِ ثنائیؒ

۸۔ سیرت سلمانؒ (مولانا محمد سلیمان منصور پوری مؤلف "رحمۃ اللعالمین" کی سوانح حیات) غیر مطبوعہ۔



حافظ عبدالمجید نابینا

مولانا حافظ عبدالمجید نابینا بن چوہدری وزیر خان ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء کے لگ بھگ چک ۲۲۴ ر۔ب ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان زراعت پیشہ تھا اور دولت وثروت کے اعتبار سے خاصا نمایاں تھا۔

بچپن میں بینائی سے محروم ہو گئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور فنِ تجوید میں درک حاصل کیا۔ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل میں دینی تعلیم حاصل کی۔ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے عزیز ترین تلامذہ میں سے تھے۔ بلا کا حافظہ پایا تھا۔ درس میں شامل ہونے سے پہلے کسی ہم جماعت سے عبارت سُن لیتے اور دورانِ سبق احادیث پڑھتے اور بحث میں حصہ لیتے تھے۔ مولانا انور شاہ صاحب ان کی یادداشت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

"جب معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ نابینا ہونے کے باوجود حافظِ حدیث تھے تو حیرت ہوتی تھی لیکن اب ان حافظ عبدالمجید کو دیکھ کر وہ حیرت جاتی رہی"[1]

علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد لکھنؤ میں فنِ طب کی تعلیم حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے فارسی، عربی اور اُردو کے امتحاناتِ فاضل پاس کیے۔ یہیں سے بی۔ اے کی سند لی۔ عملی زندگی کا آغاز فیصل آباد میں بطور طبیب کیا اور "شفاخانہ نقشبندیہ" کے نام سے مطب کھولا۔ بہت اچھے نباض تھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی۔

تحریکِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ مجلس احرارِ اسلام کے نمایاں افراد میں شمار ہوتے تھے۔ شہر و ضلع مجلس احرار اسلام کے صدر اور مرکزی ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔ ۱۹۲۹ء

---

[1] ہفت روزہ "خدام الدین" (لاہور) بابت ۱۲ جولائی ۱۹۷۲ء

میں مجلس احرار اسلام نے فوجی بھرتی کے خلاف تحریک چلائی تو اس میں گرفتار ہوئے اور ایک سال راولپنڈی جیل میں قید رہے۔

حافظ صاحب مخیّر اور مہمان نواز بزرگ تھے۔ دینی سرگرمیوں میں قول و عمل سے شریک ہوتے تھے۔ امام ابن حزم رح کے خیالات سے متاثر تھے اور مروّجہ نظام معیشت کو ناپسند کرتے تھے۔ ۱۲ر فروری ۱۹۷۲ء/ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کو فوت ہوئے۔



حافظ عبدالمنان وزیرآبادی

حافظ عبدالمنّان بن شرف الدین بن نورخان، اعوان خاندان میں ۱۲۶۷ھ/۵۱-۱۸۵۰ء میں موضع کرولی سیداں تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے۔ تحصیل علم کے لیے مختلف مقامات کے سفر کیے۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا قادر بخش احمد آبادی، سیّد فاضل شاہ بھلوالی، مولانا برہان الدین (ساکن بوریا نوالہ ضلع جہلم) اور گل احمد (ساکن چک شیخ جی۔ بنوں) کے نام ملتے ہیں تحصیلِ علم کے شوق میں سندھ گئے۔ پیر محفوظ اللہ سرہندی کے ہاں قیام کیا اور اُن کی وساطت سے نواب مراد علی خان (والیٔ خیرپور) سے تعارف ہوا۔ نواب صاحب کے اصرار پر ایک سال خیرپور میں رہے۔ مولانا محمد محدّث سہارنپوری اور مولانا عبدالحق بنارسی (م ۱۲۸۶ھ) سے ملاقاتیں کیں اور آخرالذکر کے مشورے پر بھوپال تشریف لے گئے۔ ایک سال بھوپال میں رہ کر اہلِ علم سے استفادہ کیا۔ بھوپال سے واپسی پر دہلی میں رُکے۔ ایک سال اور چند ماہ مولانا سیّد نذیر حسین محدّث دہلوی سے حدیث پڑھی اور ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں سندِ حدیث لے کر واپس وطن مالوف آئے۔

وہ پہلے عالم تھے جنہوں نے ضلع جہلم میں تقلید کے خلاف آواز بلند کی۔ احناف میں سے مولانا گل احمد للہی، مولانا غلام حسین چکوالی اور بعض دوسرے علماء نے شدید مخالفت کی۔ طرفین کے درمیان مباحثے ہوتے رہے۔

حافظ عبدالمنّان صاحب وطن مالوف سے لاہور آ گئے۔ یہاں سے لدھیانہ گئے مگر لدھیانہ میں دل نہ لگا۔ واپس لاہور آئے اور ایک سال قیام کے بعد مولانا

عبداللہ غزنویؒ سے استفادہ کے لئے امرتسر چلے گئے۔

دو سال امرتسر میں گزار کر بمبانوالہ ضلع سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ آخر میں وزیرآباد آئے اور یہیں کے ہو گئے۔ ابتدا میں محلہ شیخاں کی مسجد میں درس کا آغاز کیا بعد میں سیالکوٹی دروازہ کے قریب ایک مسجد اور مدرسہ "دارالحدیث" کی بنیاد رکھی اور تقریباً چالیس سال قرآن وحدیث کی تعلیم دی۔ ۱۶ر رمضان ۱۳۳۴ھ/۱۸ر جولائی ۱۹۱۶ء کو وفات پائی۔ مولانا غلام حسن سیالکوٹیؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور وزیرآباد میں دفنائے گئے۔ عبدالحفیظ (ساکن گلزار باغ۔ پٹنہ) نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخِ وفات کہا ہے۔

حافظ علم حدیثِ مصطفےٰ	عبدِ منّان اُس کا تھا مشہور نام
احاطۂ پنجاب کا وہ شیرِ دیں	تھا وزیرآباد میں اُس کا مقام
ہوگیا واصل بحق مردِ خدا	ختم ہونے پر جو تھا ماہِ صیام
بولا ہاتف سالِ رحلت اے حفیظ	مولوی باخدا جنّت مقام

۱۳۳۴ھ

حافظ صاحب مرحوم سے سینکڑوں افراد نے استفادہ کیا۔ چند اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا ثناءاللہ امرتسری
۲۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
۳۔ مولانا محمد علی لکھوی
۴۔ مولانا عبدالقادر لکھوی
۵۔ مولانا عبدالعزیز قلعوی (فرزند مولانا غلام رسول قلعوی)
۶۔ مولانا عبدالحمید سوہدروی
۷۔ مولانا عبدالحکیم سوہدروی

۸۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی

۹۔ مولانا عبدالرحمان نظام آبادی

حافظ صاحب مرحوم نے تین شادیاں کی تھیں۔ جن سے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہوئیں۔ پہلی زوجہ سے لڑکی، دوسری زوجہ سے تین لڑکیاں اور پانچ لڑکے ہوئے۔ تیسری زوجہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حکیم عبدالجبار

۲۔ مولوی عبدالستار

۳۔ مولوی محمد حسین آزاد

۴۔ مولوی عبدالرشید

۵۔ مولوی عبدالباسط

****

قاضی عبدالنبی کوکب

قاضی عبدالنبی کوکب بن قاضی عبدالحکیم گجرات کے رہنے والے تھے۔ قاضی عبدالحکیم کا شمار گجرات شہر کے اہلِ علم اور متدین اصحاب میں ہوتا تھا مسلم بازار گجرات میں اُن کی کتابوں کی دکان تھی۔

مفتی احمد یار خان مرحوم گجرات آئے تو قاضی عبدالحکیم سے اُن کی دوستی ہوگئی مفتی صاحب کے ایماء پر عمر کے چھٹے سال میں قاضی عبدالنبی کو اُن کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ قاضی عبدالنبی نے مدرسہ خدام الصوفیہ گجرات میں درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ اُن کے اساتذہ میں مفتی احمد یار خاں مرحوم کے علاوہ قاضی عبدالسبحان ہزاروی، مولانا محمد اکرام، مولانا حضرت امیر، مولانا نور محمد، مولانا مفتی امین الدین اور مولانا ظہیر احمد صاحبان شامل ہیں۔

درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد ذاتی مطالعہ سے پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات منشی فاضل، مولوی فاضل اور ادیب فاضل پاس کئے۔ بعد میں لاہور آکر اُردو اور عربی میں ایم اے کی اسناد حاصل کیں۔

قاضی صاحب نے عملی زندگی کا آغاز جامعہ نعیمیہ لاہور میں تدریس سے کیا۔ فاضل عربی کی جماعت اُن کے ذمّہ تھی۔ دو سال جامعہ گنج بخش میں بھی تدریسی فرائض انجام دیئے۔ بعد میں پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں فہرست مخطوطات کی تیاری کے کام پر مامور ہوئے۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے یونیورسٹی اورینٹل کالج میں عربی زبان و ادبیات کے لیکچرار مقرر ہوئے مگر اس سے پہلے کہ نئے منصب کی ذمّہ داریاں سنبھالتے ۱۹ جنوری ۱۹۷۸ء/۹ صفر ۱۳۹۸ھ کو پنجاب پبلک لائبریری لاہور سے واپس

آتے ہوئے ایک کار اُن سے ٹکرا گئی اور یہ حادثہ جانکاہ ثابت ہوا۔

قاضی عبد النبی ایک اچھے ادیب، شاعر اور خطیب تھے۔ اسلام کے نڈر اور بے باک سپاہی تھے اور حق بات کہنے میں جری تھے۔ قاضی صاحب جامع مسجد تاجے شاہ میں ایک عرصہ تک بلامعاوضہ درسِ قرآن دیتے رہے۔ محلّے کے بچّے اُن سے از حد مانوس تھے۔ کیونکہ وہ اُنہیں نماز پڑھنے پر ٹافیاں اور چاکلیٹ کھلاتے تھے۔ مرنجاں مرنج اور صُلح جو انسان تھے۔ اولیائے کرام اور اہل اللہ سے دلی محبّت رکھتے تھے اور اُن کے افکار و کردار سے عوام کو آگاہ کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ یومِ مجدّد اور یومِ رضا منانے میں پیش پیش رہتے تھے۔

قاضی صاحب اچھے شاعر تھے اور کوکبؔ تخلص کرتے تھے۔ قاضی صاحب سے اُردو اور فارسی کلام کے علاوہ حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ زندگی کی راہیں قرآن میں

۲۔ تحقیقِ قربانی

۳۔ یادِ شہید

۴۔ شاہِ جیلاں

۵۔ مقالاتِ یومِ رضا (تین حصے)

۶۔ آٹھویں جماعت کے لیے عربی ریڈر

۷۔ الخزائن۔ پنجاب یونیورسٹی کے نادر عربی مخطوطات کی فہرست (جلد اوّل)

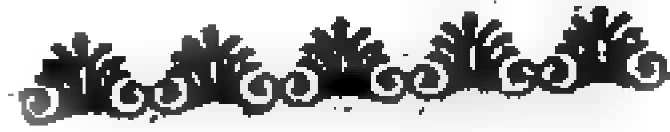
۸۔ مجمل فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی (غیر مطبوعہ)

۹۔ مجموعہ کتب سیرت (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین) بچوں کیلئے۔

۱۰۔ سیرتِ سالک (سوانح حیات مفتی احمد یار خاں گجراتی)

۱۱۔ ترتیب [illegible] الجمع بین السنۃ والکتاب، تالیف جمال الدین علی بن زکریا

بن مسعود حنفی (م ۶۸۶ھ) ستا الواب الوتر
قاضی صاحب نے ایم۔ اے (عربی) کے زمانۂ طالب علمی میں بطور "تحقیقی مقالہ"
یہ حصہ مرتب کیا۔ اُن کے نگران ڈاکٹر ضیاء الحق صوفی فرزند مولانا اصغر علی روحی تھے۔
اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔



عبدالہادی دین پوری

مولانا عبدالہادی دین پوری بن مولانا غلام محمد ۴ اور ۵ اپریل ۱۹۰۴ء کی درمیانی
شب/۱۸ محرم ۱۳۲۱ھ کو دین پور میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں میاں جی خیر محمد مرحوم
کے پاس قرآن مجید پڑھنے بیٹھے۔ قرآن مجید پڑھ کر درس نظامی کی کتابیں دین پور ہی میں
مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا عبدالقادر دین پوری، مولانا عبدا
لغاری، مولانا محمد سلیمان اور مولانا غلام صدیق خاجی پوری کے نام بہت نمایاں ہیں۔ دارالعلوم
دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ مولانا احمد علی لاہوری کے دورۂ قرآن میں شامل ہو
معارفِ قرآنی سے ذہن و فکر کو جلا دی۔

مولانا عبدالہادی کی تعلیم و تربیت، مولانا تاج محمود امروٹی (م ۱۳۴۸ھ) اور مولانا
دین پوری کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ بعد میں مولانا احمد علی لاہوری کے ہاتھ پر بیعت کی
اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

مولانا عبدالہادی اپنے والدِ ماجد کی زندگی ہی میں دینی خدمات انجام دینے لگے
تھے۔ اُنھوں نے وعظ و ارشاد اور اصلاح و تزکیہ کے ساتھ جہادِ آزادی میں بھرپور حصہ
لیا۔ تحریکِ خلافت میں پیش پیش رہے۔ جمعیت علمائے ہند سے وابستہ تھے اور مولانا
عبیداللہ سندھیؒ سے رشتۂ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اُنہیں تبلیغی اجتماعات
انعقاد میں لذت محسوس ہوتی تھی۔ مولانا غلام محمد دین پوریؒ کے آخری دورِ حیات
یادگار اور کامیاب اجتماعات اُن ہی کی سعی و جہد کا نتیجہ تھے۔

مولانا عبدالہادی نے زندگی کے آخری آٹھ نو سال بیماری میں گزارے۔ چلنا
پھرنا موقوف ہو گیا تھا۔ وضو اور نماز سب کچھ چارپائی پر ہوتا تھا۔ بوقتِ نماز اُن کی

چارپائی اُٹھا کر صف کے ساتھ لگادی جاتی تھی۔ ۷ر رمضان ۱۳۹۸ھ/ ۱۲ر اگست ۱۹۷۸ء کو وفات پائی اور دین پور میں دفنائے گئے۔

مولانا مرحوم کی شادی اس کے چچازاد بھائی حاجی محمد بخش خان مرحوم (ضلع جھنگ) کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ جن سے تین لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔ بڑے صاحبزادے میاں سراج احمد عالم باعمل ہیں۔



حافظ محمد عبید اللہ ملتانی

حافظ محمد عبید اللہ بن حافظ قدرت اللہ کے آباؤ اجداد عراق سے وارد ہند ہوئے تھے۔ خاندان میں پشت ہا پشت سے علمی روایت چلی آرہی تھی۔ اُن کے جدِ امجد مولانا عبد لطیف حضرت مخدوم سید محمد غوث قادری کے مرید اور اُن کے بچوں کے اتالیق تھے۔ پیر و مرشد کی نسبت سے "فقیر قادری" کہلاتے تھے۔ اُن کی آخری آرام گاہ چوک شاہ عباس (ملتان) کے قریب بیان کی جاتی ہے۔[1]

حافظ محمد عبید اللہ کے خانوادے کے ایک بزرگ مولانا داؤد سے رسالہ در شیر و شکر (فارسی مطبوعہ) یادگار ہے۔ اُن کے والد حافظ قدرت اللہ، حافظ محمد جمال ملتانی کے مرید و خلیفہ مجاز تھے۔ نیز اپنے دور کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ محمد عبید اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ ان کی رحلت کے بعد مولانا محمد خدا بخش ملتانی سے استفادہ کیا۔ جب ملتان پر سکھوں نے غلبہ حاصل کر لیا تو احمد پور چلے گئے اور مولانا گل محمد احمد پوری[2] سے علوم متداولہ کی تکمیل کی۔ احمد پور میں مولانا محمد خدا بخش خیر پوری سے بیعت ہوئے اور ان کے ساتھ خیر پور جا کر حساب و ہیئت، تصوف اور علم فرائض کی تحصیل کی۔ دس بارہ سال اُن کی خدمت میں رہ کر خلافت سے سرفراز ہوئے۔[3] مولانا موصوف متدین اور متقی عالم دین تھے۔ ان کا مدرسہ دور دور تک مشہور تھا

---

[1] تاریخ ملتان ج ۲، ص ۲۴۶

[2] از خلفاء حضرت قاضی صاحب مٹھن کوٹ

[3] جناب خلیق نظامی صاحب نے انہیں حافظ محمد جمال ملتانی کا خلیفہ بتایا ہے (تاریخ مشائخ چشت ص ۶۰۶) جو درست نہیں (درک، مناقب المحبوبین ص ۱۳۳)

علم فرائض میں اپنے وقت کے سراج الدین سجاوندی تھے۔ طلبہ درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد صرف علم فرائض پڑھنے اُن کے پاس آتے تھے اور سند حاصل کرتے تھے۔

بروز جمعہ ۶ رجمادی الاولی ۱۳۰۵ھ / ۲۰ جنوری ۱۸۸۸ء کو ملتان میں فوت ہوئے اُن کے جنازہ پر اس قدر خلقت جمع ہوئی کہ شمار ممکن نہیں[1]۔ مزار محلہ قدیر آباد میں ہے۔ "وصالہ قدر رضی اللہ عنہ" اور "فان المتقین فی جنت" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔

حافظ محمد عبیداللہ کی تصنیفات کی تعداد سو تک بیان کی جاتی ہے[2]۔ انہوں نے درسی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں اور علم الفرائض پر کئی رسائل قلمبند کیے ہیں۔ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں اہم ہیں:

۱۔ فتح العبید　　۲۔ رفیقیہ

۳۔ سیر السمار　　۴۔ اصولِ حافظیہ

۵۔ وفیات الاعیان　　۶۔ سر دلبراں

تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ فارسی، عربی، سرائیکی میں شعر بھی کہتے تھے۔



---

[1] گلزار جمالیہ ص ۳۲

[2] تاریخ ملتان ج ۲ ص ۲۲۷

عبیداللہ سندھی

مولانا عبیداللہ سندھی ۱۲؍محرم ۱۲۸۹ھ/۱۰؍مارچ ۱۸۷۲ء کو ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں "چیاں والی" میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام رام سنگھ ولد جسپت رائے تھا جو سکھ مذہب پر عامل تھے۔

مولانا عبیداللہ کی ولادت سے چار ماہ پہلے اُن کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ابھی دو سال کے تھے کہ دادا جان بھی فوت ہو گیا۔ اُن کی والدہ اُنہیں ننھیال لے آئی۔ کچھ عرصہ بعد نانا بھی فوت ہو گیا۔ مولانا عبیداللہ کے دو ماموں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں پٹواری تھے۔ چنانچہ مولانا کی والدہ اپنے بھائیوں کے پاس جام پور چلی گئی۔

مولانا عبیداللہ چھ سال کے تھے کہ جام پور کے اُردو مڈل سکول میں داخل ہوئے۔ بارہ سال کے تھے کہ اُنہیں ایک آریہ سماجی دوست کے پاس مولانا عبیداللہ پائلی (م ۱۳۱۰ھ) کی تالیف "تحفۃ الہند" دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اُن کے عقائد و نظریات پر زبردست چوٹ لگی۔ اس کے بعد شاہ اسماعیل شہیدؒ (م ۱۲۴۶ھ) کی "تقویت الایمان" اور مولانا محمدؐ لکھوی (م ۱۳۱۱ھ) کی پنجابی منظوم تالیف "احوال الآخرت" پڑھنے سے اسلام کی حقانیت نکھر کر سامنے آ گئی۔ موصوف مڈل کی تیسری جماعت میں پڑھتے تھے کہ اظہار اسلام کیلئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ مؤلف "تحفۃ الہند" کے نام پر اپنا نام "عبیداللہ" رکھا۔ اس دوران میں دو سال سیالکوٹ میں مقیم رہے۔

اظہارِ اسلام کے بعد ترکِ وطن کر کے سندھ چلے گئے اور مولانا محمد صدیق

بھرچونڈوی (م ۱۳۰۸ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن کے ہاتھ پر سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی اور سندھ میں اقامت اختیار کرلی۔

مولانا سندھی نے ابتدائی درسیات تا ہدایۃ النحو مولانا عبدالقادر دین پوری سے دین پور میں پڑھیں۔ شوال ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں دین پور سے کوٹلہ رحم شاہ ضلع منظفر گڑھ گئے اور مولوی خدا بخش سے کافیہ پڑھا۔ صفر ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ تخمیناً پانچ ماہ میں "قطبی" تک منطق کے رسائل متفرق اساتذہ اور شرح جامی مولانا حکیم محمد حسن سے پڑھی۔ منطق و حکمت کی کتابیں ختم کرنے کے لئے چند ماہ مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ) کے مدرسہ میں چلے گئے۔ اسی طرح چند ماہ مدرسہ عالیہ رامپور میں رہ کر مولوی ناظر الدین سے استفادہ کیا اور صفر ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں واپس دیوبند آگئے۔

شوال ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے دورہ حدیث میں شامل ہوئے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن (م ۱۳۳۹ھ) سے جامع ترمذی کے اسباق پڑھے۔ سنن ابی داؤد کا درس گنگوہ جاکر مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) سے لیا۔ دورۂ حدیث کے دوران میں بیمار ہوکر دہلی آگئے۔ یہیں حدیث کی باقی کتابیں مولانا عبدالکریم پنجابی سے پڑھیں۔ مولانا عبدالکریم، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے غیر معروف مگر محقق شاگرد تھے۔

تکمیل تعلیم کے بعد جمادی الاخریٰ ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء کو دہلی سے بھرچونڈی واپس آگئے۔ مولانا شیخ الہند رح نے اجازت نامہ تحریر فرما کر دہیں بھجوادیا۔ شوال ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء میں امروٹ شریف ضلع سکھر گئے۔ وہاں ایک مطبع قائم کر کے عربی اور سندھی کی بعض نایاب کتابیں شائع کیں۔ دو سال مطبع نے کام کیا اور ایک ماہنامہ "ہدایت الاخوان" چھپتا رہا۔ اسی عرصے میں اُن کی شادی ہوگئی اور انہوں نے اپنی والدہ کو اپنے پاس

بلا لیا جو آخر دم تک اپنے آبائی مذہب پر قائم رہیں۔ امروٹ شریف میں تقریباً سات سال قیام رکھا اور مولانا تاج محمود امروٹی (م ۱۳۴۸ھ) کے ظلِ عاطفت میں اُنہوں نے بھرپور مطالعہ کیا۔ اس زمانے میں تلاشِ کتب اور شوقِ مطالعہ میں گوٹھ پیر جھنڈا اُن کا آنا جانا تھا۔ مولانا رشید الدین صاحب العَلَم ثالث کی صحبت میں اٹھنا بیٹھنا تھا۔

۱۳۱۹ھ/۰۲-۱۹۰۱ء میں مولانا سندھی نے مولانا راشد اللہ صاحب العَلَم رابع کی مدد سے گوٹھ پیر جھنڈا میں ایک مدرسہ قائم کیا جسے سات سال چلایا۔ ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ایماء پر دیوبند چلے گئے اور چار سال مقیم رہے۔ وہاں "جمعیت الانصار" کے روح رواں رہے۔ اس جمعیت کا مقصد علی گڑھ اور دیوبند کو ایک دوسرے کے قریب لانا تھا۔ دیوبند سے دہلی آ گئے اور مسجد فتح پوری میں "نظارت المعارف القرآنیہ" کی بنیاد رکھی۔ جس کا مقصد جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قرآن مجید کے حقائق و معارف سے روشناس کرانا تھا۔

طرابلس اور بلقان کی جنگوں نے برصغیر کے مسلمانوں میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ مولانا سندھی اب تک علمی کاموں میں مصروف تھے اور کھل کر میدانِ سیاست میں نہیں آئے تھے۔ اس کے بعد اُن کی زندگی میں سیاسی پہلو غالب ہوتا چلا گیا۔ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء میں کابل گئے۔ اگلے سال انڈین نیشنل کانگرس میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۲۲ء/۴۱-۱۳۴۰ھ میں "کانگریس کمیٹی کابل" بنائی جس کے صدر رہے۔ انڈین نیشنل کانگرس نے "کانگرس کمیٹی کابل" کا باقاعدہ الحاق منظور کیا۔ کابل میں اُنہوں نے تحریک ریشمی رومال میں فعال کردار ادا کیا۔ سات سال کابل میں رہنے کے بعد مولانا سندھی ماسکو چلے گئے۔ لینن اُن دنوں اشتراکی روس کی بنیاد رکھ رہا تھا۔ موسیٰ جار اللہ کی روایت کے مطابق حکومت بالشویک مولانا کا بہت زیادہ احترام کرتی تھی اور اُن کے افکار و خیالات سے استفادہ کرتی تھی چنانچہ حکومت نے مولانا کے بعض ارشادات انگریزی زبان میں طبع کرائے تھے۔[۱۲]

کچھ عرصہ قیام کے بعد انگورہ گئے۔ تین سال ترکی میں گزارے۔ آخر ۱۳۴۵ھ/۲۷-۱۹۲۶ء میں ارضِ حجاز آ گئے۔ یہاں تیرہ چودہ سال علمی و دینی زندگی بسر کی۔

مولانا سندھی کی جلا وطنی برصغیر کے عوام پر شاق گزر رہی تھی چنانچہ ہر مکتب فکر کے راہنماؤں نے اُن کی واپسی کے لئے حکومت پر زور ڈالا۔ آخر اُنہیں واپس وطن آنے کی اجازت مل گئی۔ موصوف ۷ مارچ ۱۹۳۹ / ۱۵ محرم ۱۳۵۸ھ کو چوبیس سال کی جلا وطنی کے بعد واپس وطن آئے۔ دیوبند میں ان کا بے مثال استقبال کیا گیا۔ دیوبند میں ایک ہفتہ کے مختصر قیام کے بعد دہلی آ گئے اور جامعہ ملیہ میں مقیم ہوئے۔ وہیں "بیت الحکمت" کے نام سے "نظارت المعارف القرآنیہ" کی تجدید کی۔ "بیت الحکمت" کے بارے میں مولانا سندھی کا تخیل کیا تھا۔ اُن کے شاگرد موسیٰ جاراللہ نے لکھا ہے:

"حضرت مولانا سندھی کے نزدیک اُن کی مہتم بالشان آرزوں کی تکمیل کا اوّلیں طریقہ اور ابتدائی تدبیر یہ تھی کہ اُمّتِ اسلامیہ کے بچّوں اور بچیوں کی کامل تربیّت اسلامی اور عصری اصول کے مطابق مسلمانوں کی بہترین اسلامی درس گاہوں اور عالمِ تمدّن کی اعلیٰ جامعات میں کرائی جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت مولانا نے جو سب سے پہلا اقدام کیا وہ یہ تھا کہ دہلی اور لاہور میں آپ نے دارالحکمت کی ایک چھوٹے نمونے پر (MINIATURE MODEL) تاسیس کی اور اُن کی آرزو تھی کہ اس کو اپنی زندگی میں تمام کرّہ ارض کی بہترین یونیورسٹی دیکھیں جو اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ عہدِ حاضر کے کائناتی

(حاشیہ صفحہ سابقہ) لہ ماہنامہ "جامعہ" (دہلی) بابت دسمبر ۱۹۴۴ء ص ۲۵

اور اجتماعی علوم کی تعلیم کا واحد مرکز ہو۔"[1]

جلاوطنی سے واپس آ کر مولانا عبید اللہ سندھی نے تجدد پسندانہ خیالات کا اظہار کیا تو علماء میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور دوسرے علمائے دیوبند نے اُن کے افکار سے لاتعلقی کا اعلان کیا۔ تاہم مولانا سندھی پورے استقلال سے اپنے خیالات کی تلقین کرتے رہے۔

ایک روایت کے مطابق اسی زمانے میں اُن کے ایک بدبخت شاگرد نے اُنہیں زہر دیا اور اُن کی آنکھوں میں پسا ہوا سیسہ ڈالا گیا جس سے اُن کی بینائی جاتی رہی۔ اسی عالم میں ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء / ۳ رمضان ۱۳۶۳ھ کو دین پور میں فوت ہوئے اور وہیں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

مولانا سندھی کی علمی یادگاروں میں حسبِ ذیل اہم ہیں:

۱۔ امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف (مطبوعہ "الفرقان" شاہ ولی اللہ نمبر)

۲۔ شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک

۳۔ خطبات و مقالات (مرتبہ: پروفیسر محمد سرور)

۴۔ قرآن پاک کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟ (خطبہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ راولپنڈی)۔ مرتبہ عبدالرحمان

۵۔ التمہید

ان کے علاوہ مولانا عبید اللہ سندھی کے شاگردوں نے تفسیر قرآن سے متعلق اُن کی امالی قلمبند کی ہے۔



---

[1] ماہنامہ "جامعہ" (دہلی) بابت دسمبر ۱۹۴۴ء، ص ۲۷

عزیز الدین احمد عظامی

عزیز الدین احمد عظامی بن شیخ الٰہی بخش موضع بدلہ من مضافات ہوشیار پور کے ایک علمی خانوادہ میں ۱۳۱۵-۱۶ھ / ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد مولانا شیخ الٰہی بخش اپنے علاقے کے بلند پایہ عالم تھے۔ مولانا عظامی ابھی چھ سال کے تھے کہ ان کے والد نے دنیا سے منہ پھیر لیا۔ برادر بزرگ ظہیر الدین احمد نے تعلیم و تربیت کا ذمہ لیا۔ مگر مولانا عظامی نے ابھی گیارہویں سال میں قدم رکھا تھا کہ برادر بزرگ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مولانا عظامی نے نوشت و خواند کا آغاز والد ماجد سے کیا۔ بعد میں "رائے پور گوجراں" کے دینی مدرسے میں داخل ہوئے۔ وہاں سے گلاوٹھی (بلند شہر) گئے اور یہاں تین سال رہ کر علوم عالیہ کی تحصیل کی۔ انہوں نے حافظ محمد صالح اور مفتی فقیر اللہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ علم حدیث کی تحصیل کے لیے دار العلوم دیوبند گئے اور شیخ الحدیث مولٰینا محمود حسنؒ اور علامہ انور شاہ کاشمیری سے بطورِ خاص استفادہ کرتے ہوئے فارغ التحصیل ہوئے۔ بعد میں پنجاب یونیورسٹی سے "منشی فاضل" کا امتحان پاس کیا۔

تعلیم سے فارغ ہوئے تو اسلامیہ ہائی سکول ہوشیار پور میں ملازمت اختیار کر لی۔ بعد میں پنجاب کے مختلف شہروں میں تدریس کی۔ جس زمانے میں ہوشیار پور میں قیام تھا۔ مولانا غلام قادر گرامی (م ۱۳۴۵ھ) سے تعارف ہوا اور یہ تعارف شاگردی کی صورت اختیار کر گیا۔ ۱۹۲۳ء میں مولانا گرامی نے انہیں اپنا جانشین نامزد کیا۔ [۵]

ستارہ سفتہ گوش و چہرہ رخ پابوس زمین آمد
تعالی اللہ گرامی را عظامی جانشین آمد

---

[۵] دیوان گرامی ص ۲۱۱

۱۹۴۷ء میں مولانا عطاؔمی جالندھر میں تھے کہ برصغیر تقسیم ہوا۔ یہاں سے ترکِ سکونت کر کے ساہیوال چلے آئے اور یہاں بھی محکمۂ تعلیم سے منسلک رہے۔ ۱۹۵۳ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۴ار فروری ۱۹۵۷ء/ ۱۴ار رجب ۱۳۷۶ھ کو وفات پائی۔ مولانا عبدالرشید نسیمؔ نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا ؏

چیست وصفِ عطاؔمی مرحوم ... یادگارِ گرامی مرحوم

فاضلِ وقت آں عزیزالدین! ... رشکِ عطاؔر و جاؔمی مرحوم

بزمِ او چوں نظیرؔی مغفور ... رزمِ او چوں نظاؔمی مرحوم

آنی بود چوں بہ "آنی" شد ... سالِ فوتش "عطامی مرحوم"

۶۱ + ۱۳۱۵ھ

۱۳۷۶ھ

مولانا عطاؔمی کا اہم ترین کارنامہ آپ نے استاد مولانا گراؔمی کے کلام کی تدوین ہے ان ہی کی سعی و کوشش سے مولانا گراؔمی کا کلام منظرِ عام پر آیا۔

مولانا عطاؔمی نے ابتداء میں اُردو میں شعر کہے مگر بعد میں استاد کے تتبع میں محض فارسی کے ہو رہے۔ اُن کے غیر مطبوعہ دیوان میں قصیدہ، غزل، مثنوی اور رباعی سب ہی اقسامِ سخن ہیں۔ شیخ اکرام الحق اُن کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تا عہدِ عطاؔمی نخلِ شعر فارسی در شبہ قارہ مائل بہ خزاں بود و عطاؔمی آخریں ثمرِ آں نخل می باشد"[۱]

مولانا عطاؔمی کے دو شعر بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ شعر العجم فی الہند بحوالہ فارسی گویانِ پاکستان حصہ اوّل ص ۲

در شہرِ جفا دیدم کہ دستِ ستم کیشاں
ناداں بہ سرِ منبر، دانا بہ سرِ داری

سجادۂ پارینہ و این کہنہ کلاہی
با تختِ جم و تاجِ سکندر نفروشم



محمد عزیز الرحمان بہاولپوری

دبیر الملک محمد عزیز الرحمان بن مولانا غلام رسول ۹ صفر ۱۲۹۰ھ/۷ اپریل ۱۸۷۳ء کو بہاول پور میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام رسول بلند پایہ عالم دین تھے۔

مولانا محمد عزیز الرحمان ابھی سات سال کے تھے کہ اُن کے والدین کا انتقال ہو گیا۔ حافظ اللہ بخش سے قرآن مجید پڑھا۔ ابتدائی نوشت وخواند مشن سکول بہاول پور میں سیکھی۔ مرزا صاحب بیگ نامی مدرس سے فارسی ادب وانشاء کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۸۸۷ء/۰۵-۱۳۰۴ھ میں مدرسہ عربیہ بہاول پور میں داخل ہوئے۔ جہاں مولانا خلیل احمد انصاری سے استفادہ کیا۔ ۱۸۹۲ء/۱۰-۱۳۰۹ھ میں "مولوی" کا امتحان خاص امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔

"مولوی" کی سند حاصل کر کے عملی زندگی میں قدم رکھا۔ دسمبر ۱۸۹۴ء/۱۳۱۲ھ میں نواب بہاول پور کے کتب خانۂ خاص کے ناظم مقرر ہوئے اور تقریباً پانچ سال یہ خدمت انجام دی۔ کچھ عرصہ بیکار رہ کر مئی ۱۹۰۳ء/۱۳۲۱ھ میں فوج میں بحیثیت کلرک بھرتی ہو گئے۔ وہاں سے محکمہ مال اور پھر کونسل آف ریجنسی بہاول پور کے کلرک مقرر ہوئے۔

اپریل ۱۹۰۹ء/۱۳۲۷ھ میں سررشتہ دار چیف کورٹ بہاول پور کی اسامی پر فائز ہوئے۔ اس سلسلے میں منصفی کا امتحان پاس کیا۔ جون ۱۹۳۱ء/۱۳۵۰ھ میں ڈسٹرکٹ جج ہو گئے۔ ۱۲ مئی ۱۹۳۸ء/۱۲ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۷ھ کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا محمد عزیز الرحمان نے متنوع انداز کی خدمات انجام دیں۔ نواب بہاولپور

سے نے اُن کی خدمات کا بارہا اعتراف کیا اور انعام واکرام سے نوازا۔ نواب صادق محمد خان کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا۔ اور "حج صادق" کے نام سے سفر نامہ لکھا۔ نواب سے نے خوش ہو کر "دبیر الملک" کا خطاب عطا کیا۔

مولانا محمد عزیز الرحمان سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ حج صادق

۲۔ صبح صادق (نواب محمد صادق خان رابع کی سوانح حیات)

۳۔ مثنوی نور و نار

۴۔ نعتِ عزیز۔ مرتبہ محمد حفیظ الرحمان

۵۔ دیوان (فارسی، عربی، اُردو اور سرائیکی کلام)

۶۔ ترجمہ و شرح دیوانِ فرید۔ خواجہ غلام فرید کے کلام کا اُردو میں ترجمہ کیا اور شرح لکھی ہے۔

۷۔ ترجمہ سرائیکی قرآن مجید

متذکرۃ الصدر تالیفات کے علاوہ چند منظوم و منثور قصے ہیں جو ان کی زندگی میں طبع ہو گئے تھے لیکن کافی قصے ابھی تک سیٹھ عبید الرحمان کے ذاتی کتب خانے میں پڑے طباعت کا انتظار کر رہے ہیں"[۱]

مولانا محمد عزیز الرحمان کی ادارت میں ماہنامہ "العزیز" (بہاول پور) طبع ہوتا تھا جس میں اُردو اور سرائیکی کے معیاری مضامین طبع ہوتے تھے۔ اُنہوں نے فارسی عربی، اُردو اور سرائیکی چار زبانوں میں منظومات کا ذخیرہ چھوڑا ہے عزیز تخلص تھا ابتدا میں مولانا وحید الدین سلیم پانی پتی (م ۱۳۴۷ھ) سے اصلاح لی جوانی دنوں ایجرٹن کالج بہاولپور

۱۔ تاریخِ ملتان ج ۲، ص ۴۴۴

میں فارسی کے اعلیٰ مدرس تھے۔ ان کے علاوہ اپنے برادرِ بزرگ مولانا محمد عبدالرحمان آزاد سے اصلاح لی۔

مولانا محمد عزیزالرحمان نے تین شادیاں کیں۔ پہلی بیوی سے محمد حفیظ الرحمان پیدا ہوئے۔ جنہوں نے علمی دنیا میں نام پیدا کیا۔ دوسری اہلیہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ تیسری بیوی سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جو بچپن میں فوت ہو گیا۔



سید عطاء اللہ شاہ بخاری

سید عطاء اللہ شاہ بخاری بن سید ضیاء الدین احمد بن سید نور الدین احمد کے آباؤ اجداد بخارا سے ترکِ سکونت کر کے برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے۔ اس خانوادے کے کئی افراد نے علمی اور دینی حلقوں میں نام پیدا کیا ہے۔ اس خاندان کے پیش رو سید عبدالغفار بخاری، سلطان زین العابدین والیٔ کشمیر کے مرشد تھے۔

ایک دوسرے فرد سید اکمل الدین بخاری متوطن دہلی، حضرت شاہ غلام علی دہلوی (م ۱۲۴۰ھ) کے خلیفۂ مجاز تھے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں دہلی سے سرہالی ضلع گجرات آئے تھے۔ انہوں نے سرہالی میں سفرِ آخرت اختیار کیا اور ان کے پسماندگان یہیں آباد ہو گئے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے دادا، سید نور الدین احمد، خواجہ شمس الدین سیالوی کے ارادت مند تھے۔ وہ سرہالی سے ایک دوسرے گاؤں ناگڑیاں منتقل ہوئے۔ سید نور الدین احمد کے فرزند سید ضیاء الدین احمد پشمینے کا کاروبار کرتے تھے۔ اور اسی سلسلے میں ان کی پٹنہ میں آمد و رفت رہتی تھی۔ انہوں نے پٹنہ کے حکیم سید احمد اندرابی کی دختر نیک اختر سے شادی کی۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری یکم ربیع الاول ۱۳۰۱ھ/ ۲۳ ستمبر ۱۸۹۲ء کو اپنے ننھیال پٹنہ میں پیدا ہوئے[1]۔ شاہ صاحب کی عمر ابھی تین چار سال سے زیادہ نہ تھی کہ ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کی پرورش اور ابتدائی تعلیم ننھیال میں ہوئی۔

---

[1] بروایت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری صاحب

اُنھوں نے عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں اپنے نانا حکیم سید احمد اندرابی (جو طبیہ کالج لکھنؤ کے فارغ التحصیل تھے اور علومِ دینیہ پر گہری نظر رکھتے تھے) سے پڑھیں۔ شاہ صاحب سنِ بلوغت کو پہنچے تو پنجاب کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر میں اُنہیں کافی مشکلات و مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ امرتسر آئے اور اساتذۂ وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولانا نور احمد امرتسری (م ۱۳۴۸ھ) سے تفسیرِ قرآن، مولانا مفتی محمد حسن سے حدیث اور مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی (م ۱۳۵۲ھ) سے فقہ کے اسباق پڑھے۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے عملی زندگی کا آغاز امرتسر کی ایک چھوٹی سی مسجد میں فرائضِ امامت کی انجام دہی سے کیا۔ اللہ تعالےٰ نے آواز اور زبان میں بے پناہ تاثیر رکھی تھی۔ بحیثیت واعظ اُن کی شہرت امرتسر سے پھیل کر ملک گیر ہو گئی۔ اپنے دور کے عظیم مقرر تسلیم کئے گئے۔ شاہ صاحب کے سوانح نگار آغا شورش کاشمیری مرحوم نے بجا طور پر لکھا ہے:

> "جس طرح ہر بڑے آدمی کی خصوصیت اُس کا نام لیتے ہی حافظہ کی لوح پر آجاتی ہے۔ مثلاً غالب کا نام لیتے ہی ایک عظیم شاعر کا تصور بندھتا ہے۔ اسی طرح شاہ جی کی ذات خطابت سے مختص ہو گئی ہے۔ وہ سراپا خطابت ہیں۔"[۱]

۱۹۲۶ء/۴۵-۱۳۴۴ھ میں ایک جلسۂ عام دہلی دروازہ لاہور کے باغ میں مولانا محمد علی جوہر (م ۱۳۴۹ھ) کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس جلسے کے ایک مقرر شاہ صاحب تھے۔ مولانا جوہر نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

۱۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۱۸۳-۱۸۴

" کامیابی کا سہرا اس بے مثال مقرر کے سر رہا۔ جن کا نام سید عطاءاللہ شاہ بخاری ہے۔ اُن کی قرآن خوانی، اُن کی اُردو، اُن کی پنجابی، اُن کی متانت، اُن کی ظرافت، غرض ہر چیز نے سامعین کو مسحور کئے رکھا۔ لوگوں کا تقاضا تھا کہ شاہ صاحب اپنی تقریر جاری رکھیں۔ شاہ صاحب بھی تیار تھے مگر میرے کہنے سے انکار کر دیا۔ جلسہ غالباً دو بجے شب ختم ہوا۔ ورنہ وہیں صبح ہو جاتی۔"[1]

مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری نے تحریکِ خلافت کے زمانے میں سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور قید و بند زندگی کے معمولات میں شامل ہو گئی۔ پہلی بار اسی تحریک میں ۱۴ مارچ ۱۹۲۱ء / ۴ رجب ۱۳۳۹ھ کو گرفتار ہوئے اور تین سال قید بامشقت کی سزا کاٹی۔ اس کے بعد برِّ صغیر میں اُٹھنے والے ہر جذبۂ آزادی کو اپنایا۔ آریہ سماجیوں کی دریدہ دہنی جب حد سے گزر گئی تو میدانِ عمل میں آئے اور ۱۶ جولائی ۱۹۲۷ء / ۶ محرم ۱۳۴۶ھ کو ایک سال کے لئے جیل چلے گئے۔ ۱۹۳۰ء / ۴۹-۱۳۴۸ھ میں کانگرس کی نمکین ستیہ گرہ میں شمولیت کی پاداش میں چھ ماہ قید ہوئے۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۲۹ء / ۸ شعبان ۱۳۴۹ھ کو "مجلس احرارِ اسلام" کی بنیاد رکھی گئی تو مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری پہلے صدر چُنے گئے۔ احرار اسلام کی تحریکِ کشمیر میں دو سال پسِ دیوارِ زنداں رہے۔ دوسری عالمی جنگ کے آغاز سے چند دن پہلے مختلف سنگین الزامات کے تحت گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا تو پولیس رپورٹر کے انکشاف نے حکومت کی سازش عیاں کر دی۔ اور چھ ماہ قید رہ کر باعزت بری ہو گئے۔

شاہ صاحب کی سیاسی زندگی میں بنیادی اہمیت "انگریز دشمنی" کو حاصل

---

[1] سید عطاءاللہ شاہ بخاری ص ۱۸۹

تھی ۔ [redacted] خود کہا کرتے تھے:

"(میں) سپاہی ہوں ۔ تمام عمر انگریزوں سے لڑتا رہا اور لڑتا رہوں گا ۔ اگر اس مہم میں سؤر بھی میری مدد کریں گے تو میں اُن کا منہ چوم لوں گا ۔ میں تو اُن چیونٹیوں کو شکر کھلانے کے لئے تیار ہوں جو صاحب بہادر کو کاٹ کھائیں ۔ خدا کی قسم! میرا ایک ہی دشمن ہے ۔ انگریز ۔ اس ظالم نے نہ صرف مسلمان ملکوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی ۔ ہمیں غلام رکھا اور مقبوضات پیدا کئے بلکہ خیرہ چشمی کی حد ہو گئی کہ قرآن حکیم میں تحریف کے لئے مسلمانوں میں جعلی نبی پیدا کیا ۔ پھر اس خود کاشتہ پودے کی آبیاری کی اور اب اس کو چہیتے بچے کی طرح پال رہا ہے"[1]

قیام پاکستان سے چند ماہ پہلے سے فسادات شروع ہو گئے تھے شاہ صاحب مارچ ۱۹۴۷ء/۱۳۶۶ھ میں امرتسر سے لاہور آ گئے ۔ تقسیم ہند کے بعد وہ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے ۔ دو سال بعد مجلسِ احرار اسلام کو ہمہ تن تبلیغی جماعت بنا دیا اور قادیانیت کے تعاقب میں تیغ برہنہ ہو گئے ۔ تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصّہ لیا اور ایک سال سنّت یوسفی بھی ادا کی ۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ابتداء میں پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے بعد میں مولانا عبدالقادر رائے پوری (م ۱۳۸۲ھ) کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ۔

آخری ایام حیات میں ملتان منتقل ہو گئے تھے ۔ وہیں ۹ ربیع الاولیٰ ۱۳۸۱ھ/ ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو فوت ہوئے ۔

---

[1] سید عطاء اللہ شاہ بخاری

مولانا مرحوم کی اولاد میں چار صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا حافظ سید عطا المنعم بخاری (سید ابو معاویہ ابوذر بخاری)

۲۔ حافظ سید عطا المحسن بخاری

۳۔ حافظ سید عطا المومن بخاری

۴۔ حافظ سید عطا المہیمن بخاری

مولانا مرحوم کی قلمی یادگاروں میں اُن کا مجموعۂ کلام "سواطع الالہام" ہے۔ جو مولانا حافظ سید عطا المنعم بخاری نے ترتیب دیا ہے۔



سیّد عظیم الدین شاہ ملتانی

مولانا سیّد عظیم الدین شاہ ملتانی ارضِ حجاز کے رہنے والے تھے۔ مدینۃ النبیؐ میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاکروبی اور چراغ بندی کی خدمت پر مامور تھے۔ نواب مظفر خان والئی ملتان (م ۱۸۱۸ء/ ۱۲۳۳ھ) ۱۲۰۷ھ/ ۱۷۹۳ء میں حج کے لئے ارضِ حجاز گئے۔ مدینہ منوّرہ میں اُن کی مولانا سیّد عظیم الدین سے ملاقات ہوئی۔ نواب موصوف اُن کے زہد و تقویٰ اور علم و نظر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اُنہیں ملتان تشریف لے آنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ وہ ملتان آگئے۔ نواب موصوف نے کچھ رقبہ زمین بطور جاگیر عطا کیا اور وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے لگے۔

زندگی بھر قال اللہ اور قال الرسول کی اشاعت و ترویج کی۔ آخر ۱۲ ر جمادی الاخریٰ ۱۲۳۱ھ/ ۹ رمئی ۱۸۱۶ء کو فوت ہوئے۔ بیرون دولت گیٹ ملتان میں دفنائے گئے۔ اُن کے تعویذ پر حسبِ ذیل اشعار درج ہیں:

حاجی حرمین نیز واعظِ خلق — بود ز اولادِ غوث محی الدین
سیز دہم ماہ جمادی الثانی — روز شنبہ شُدہ بخلدِ بریں
چوں کہ در راہِ دیں قوی می بود — سالِ وصلش قوی عظیم الدین[1]

۱۲۳۱ھ



---

[1] اولیائے ملتان ص ۲۶۵

علاءالدین صدیقی

علامہ علاءالدین صدیقی بن فیروزالدین ۳؍نومبر ۱۹۰۷ء/۲۷؍رمضان ۱۳۲۵ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان چھ سات پشتوں سے لاہور میں مقیم ہے اور کئی پشتوں سے علم و فن کی روایت اُن کے خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ عہدِ مغلیہ میں اُن کے بعض بزرگوں کو شہزادوں کی اتالیقی کا شرف حاصل تھا اور اکثر بزرگ علم و فن کی خدمت میں مصروف رہے۔

علامہ صدیقی کے والد ماجد ایرانی طرز کی مصوری اور نقاشی میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور اس فن کے اُستادوں میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔ علامہ موصوف کے چار بھائیوں نے مصوری و نقاشی کا فن سیکھا البتہ انہوں نے علمی شغل کو ترجیح دی۔

علامہ موصوف نے اسلامیہ ہائی سکول (شیرانوالہ دروازہ)، مدرسہ قاسم العلوم (شیرانوالہ دروازہ)، فورمین کرسچین کالج لاہور اور لا کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ اُن کے اساتذہ میں ملک عبدالقیوم پرنسپل لا کالج، مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا عبیداللہ سندھی کے نام بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

علامہ موصوف کو بڑے شعور سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ عمدہ کتابیں خریدتے اور زیرِ مطالعہ رکھتے تھے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے مقرر اور خطیب کی حیثیت سے دینی جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ غلبۂ اسلام کی ہر ملی تحریک میں بقدرِ حیثیت و استطاعت حصہ لیتے رہے۔ تحریکِ آزادی میں مسلم لیگ کے پرچم تلے کام لیا۔ مسلم لیگ میں شمولیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سب سے پہلے بہار کے خونی واقعات کے زخم خوردہ مہاجرین کی خدمت کے لئے مسلم لیگ میں شریک ہوا اور جو بن پڑا، کیا۔ پھر

بعض احباب کے حسنِ ظن نے صوبائی مسلم لیگ کا سیکرٹری بھی چُن لیا۔[1]

تحریکِ پاکستان میں اُن کی خدمات ایک مستقل مضمون کی متقاضی ہیں۔ قیامِ پاکستان کے کچھ عرصہ بعد سیاسی دنیا سے واپس علمی دنیا میں آئے اور ملک کے بہت سے ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے۔ شعبہ علومِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے صدر رہے اور بعد میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے۔ اسلامی مشاورتی کونسل میں انہوں نے اہم خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ بیسیوں دینی و تبلیغی اداروں اور انجمنوں سے وابستہ رہے۔

علامہ صدیقی مسجد شاہ چراغ (ہائی کورٹ۔ لاہور) میں خطبہ جمعہ دیتے تھے اور مستقل طور پر عصر کے بعد درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ اُن کے درسِ قرآن میں مولانا احمد علی لاہوری کا مخصوص اندازِ فکر نمایاں تھا۔ تقابلِ ادیان کے فن پر اُن کی گہری نظر تھی۔ اس لئے قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے دوسرے مذاہب کی کتابوں کا ذکر بھی اُن کے درس میں ہوتا تھا۔ اور اسلامی تعلیمات کی برتری واضح کرتے تھے۔

علامہ موصوف گفتگو کے بادشاہ تھے:

"وہ جس محفل میں ہوتے سب کی توجہ کا مرکز بن جاتے۔ اُن کی بذلہ سنجی، حاضر جوابی، قادر الکلامی، شگفتگی اور بے تکان گفتگو کی قدرت سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی۔"[2]

اُن کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہر طبقے کی زبان اور لب و لہجہ میں گفتگو کرتے

---

[1] ماہنامہ "اُردو ڈائجسٹ" (لاہور) بابت فروری ۱۹۶۵ء، ص ۲۳

[2] روزنامہ "نوائے وقت" (لاہور) بابت ۱۲ جنوری ۱۹۸۰ء

تھے۔ انہیں عوام کی زبان میں بات کرنے کا سلیقہ تھا اور ایوانوں میں رہنے والوں کے بھی رمز شناس تھے۔ وہ محبت کے انداز بھی جانتے تھے اور دیوانوں کی سی بے باکی اور تندی سے بھی آشنا تھے۔ اُن کی سیرت و کردار کا نمایاں اور غالب پہلو "اعتدال پسندی" تھی۔ وہ خود ایک مسلک کے داعی تھے مگر دوسرے ہر مسلک و مشرب کے بزرگوں کا احترام کرتے تھے۔

علامہ موصوف جامع الحیثیات شخصیت کے حامل تھے۔ وہ خوش بیان خطیب اور دردِ دل کے مالک مبلغ، بلند پایہ اُستاذ اور سیاست دان تھے۔ ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۷ء/۱۶ر محرم ۱۳۹۸ھ کو میو ہسپتال میں انہوں نے آخری سانس لیا۔ نسیم صبا متھراوی نے حسب ذیل قطعہ تاریخ کہا ؎

چھپا اک اور سورج آسمانِ علم و دانش کا!
ہوئے جب دہر سے رخصت علاء الدین صدیقی
سروشِ خلد نے تاریخِ رحلت یوں کہی اُن کی
بنے ہیں رہبرِ جنّت علاء الدین صدیقی

۱۳۹۸ھ

نیز ع "علامہ علاء الدین صدیقی باغِ ارم میں جا بسے" سے سالِ عیسوی ۱۹۷۷ء برآمد ہوتا ہے۔



علم الدین سالکؔ

مولانا علم الدین سالکؔ بن حاجی جلال الدین ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں موضع سلامت پور نزد لاہور میں پیدا ہوئے۔ وہ ارائیں برادری کے ایک ذی حشم خاندان کے فرزند تھے۔ اُن کے والد نے آبائی پیشہ زمینداری چھوڑ کر گھوڑوں کی تجارت شروع کر دی تھی اور لاہور میں اکبری دروازے کے باہر نہر کے کنارے زمین خرید کر مکان بنا لیا تھا۔ اس طرح مولانا علم الدین سالکؔ بچپن میں لاہور آ گئے۔

اسلامیہ ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور دیال سنگھ کالج میں داخل ہوئے کالج کے ہونہار اور ذہین طلبہ میں سے تھے مگر ترکِ موالات کی تحریک میں تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔ کچھ عرصہ روزنامہ "امام" (لاہور) کی ادارت کی۔ جب وہ بند ہو گیا تو والد ماجد کے کہنے سننے پر ریلوے کے دفتر حصولِ اراضی میں ملازم ہو گئے۔ اسی ملازمت کے زمانے میں اُنہیں بی۔اے پاس کرنے کا خیال آیا۔ ملازمت سے الگ ہو کر امتحان میں بیٹھے اور کامیاب ہوئے۔

بی۔اے کرنے کے بعد ریاست سکیت چلے گئے۔ وہاں انگریزی دفتر میں سررشتہ دار رہے۔ چند ماہ ریاست سکیت میں گزارے تھے کہ لاہور میں دیوسماج کالج قائم ہوا اور یہاں لیکچرار مقرر ہو گئے۔ یہیں سے انہوں نے داخلہ بھیج کر علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے (فارسی) کا امتحان پاس کیا۔ بعد میں دیوسماج کالج سے اسلامیہ کالج لاہور آ گئے۔

اسلامیہ کالج میں اُنہوں نے ملّتِ اسلامیہ کی بھرپور خدمت کی۔ وہ تحریکِ پاکستان کے مخلص کارکن تھے۔ سماجی کاموں میں خاص دلچسپی لیتے تھے اور اپنی برادری کی تنظیم و اصلاح میں کوشاں رہتے تھے۔

مولانا علم الدین سالک سخن فہم اور سخن سنج تھے۔ کالج کے زمانے میں فارسی میں شعر کہنے لگے تھے مگر اپنے استاد پروفیسر کے۔ ایم۔ مترا کے مشورے پر شاعری ترک کر دی اور اپنی جولانیوں کے لئے نثر کا میدان منتخب کیا۔ انہوں نے ادب کی مختلف اصناف افسانہ، ڈرامہ اور تنقید پر قلم اٹھایا۔ عمر کے ساتھ ساتھ اُن کا ذوق ادب سے تاریخ اور اسلامیات کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ہندوپاک کی قرونِ وسطیٰ کی تاریخ پر اُن کی گہری نظر تھی۔ اُس دور کے فنون پر ماہرانہ گفتگو کرتے تھے۔

وہ بلند پایہ عالم، بالغ نظر مؤرخ تو تھے ہی مگر اُن کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو معلّمی ہے۔ وہ اسی کو اپنا سب سے بڑا کمال سمجھتے تھے۔ انہوں نے تین نسلوں کو پڑھایا۔ ہزاروں شاگرد پیدا کئے۔ اور سینکڑوں کی زندگیاں سنواریں۔ ۲۷ رجولائی ۱۹۷۳ء/ ۲۶ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ بروز جمعہ عالم جاودانی کو روانہ ہوئے۔

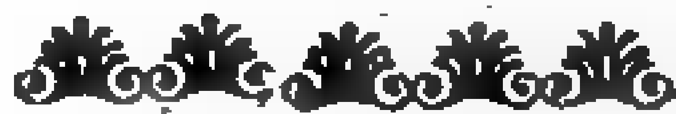
اُن کی حسبِ ذیل علمی یادگاریں ہیں۔

۱۔ تاریخ سکیت،

۲۔ سبدِ گل (افسانوں کا مجموعہ)

۳۔ نگارشات (تاریخ پاک و ہند کے مختلف ادوار پر پندرہ مقالات)

ان کے علاوہ انہوں نے دیوانِ حالی، دیوانِ غالب اور ہمایوں نامہ (گلبدن بیگم) کے عالمانہ مقدمے لکھے ہیں۔



سیّد علی الحائری

مولانا سیّد علی الحائری بن سیّد ابو القاسم ۱۲۹۸ھ/۸۱-۱۸۸۰ء میں لاہور میں پیدا ہوئے انہوں نے درسِ نظامی کی تکمیل والد ماجد سے کی۔ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے عراق و عرب کا سفر کیا۔ سامرہ میں ایک عرصے تک سرکار مرزا محمد حسن شیرازی اور مرزا حبیب اللہ رشتی نجفی کے درس میں شریک رہے۔ ان دونوں بزرگوں کے علاوہ آقا سیّد کاظم طباطبائی، آقا ماثر ندرانی، ملّا محمد کاظم خراسانی اور سیّد ابو القاسم طباطبائی سے اجازت نامے حاصل کئے۔

مسلمانانِ لاہور اور بالخصوص پنجاب کے اہلِ تشیع میں اُن کی دینی عظمت اور اثر و رسوخ تسلیم کیا جاتا تھا۔ دسمبر ۱۹۱۱ء/۱۳۲۹ھ میں "دربار دہلی" میں انہیں مدعو کیا گیا تھا۔ ۱۹۱۴ء/۱۳۳۲ھ میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ میں ہوا۔ سیّد علی الحائری اس کے صدر چُنے گئے۔ انہوں نے شیعہ کالج لکھنؤ کے قیام و ترقی کے لئے خوب کام کیا تھا۔ حکومت نے اُن کی خدمات کے پیشِ نظر "شمس العلماء" کے خطاب سے نوازا تھا۔

مولانا سیّد علی الحائری نہایت وجیہ، جامہ زیب اور خوش الحان واعظ تھے۔ اُن کا خطبہ وجد آفریں ہوتا تھا۔ ۲۸ جون ۱۹۴۱ء/۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۰ھ کو اس دارِ فانی سے رحلت کی اور کربلا گامے شاہ میں دفنائے گئے۔

مولانا مرحوم سے عربی، فارسی اور اُردو میں تقریباً پچاس کتابیں یادگار ہیں۔ جن میں مندرجہ ذیل بہت اہم ہیں:

۱۔ لوامع التنزیل و سواطع التاویل (فارسی)۔ سیّد ابو القاسم کی نامکمل تفسیر میں پندرہ جلدوں کا اضافہ کیا۔ ستائیسویں پارے کی تفسیر لکھ رہے تھے کہ پیغامِ اجل آگیا۔

۲۔ فتاویٰ علامہ حائری (۸ جلدیں)

۳۔ غایتہ المقصود (۴ جلدیں)

۴۔ منہاج السلام

۵۔ رسالۃ الغدیر

۶۔ تقریظات المشاہیر (۴ جلدیں)

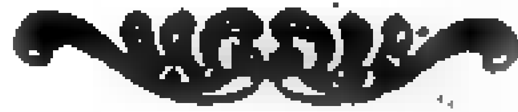
۷۔ رسالہ المؤید (ردِ نصاریٰ)

۸۔ مفید الصبیان

۹۔ سیف الفرقان در تحقیق فسق و ایمان

۱۰۔ عشرۂ کاملہ (مناظرہ)

۱۱۔ التنقید در اجتہاد و تقلید (فارسی)



سیّد علی احمد شاہ گیلانی

سیّد علی احمد شاہ گیلانی بن سیّد عبدالعلی شاہ ۱۲ر شعبان ۱۳۱۵ھ/ ۸ر جنوری ۱۸۹۸ء کو کیتھل شریف ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ وہ حضرت شاہ کمال کیتھلی کے اخلاف میں سے تھے۔ کیتھل کی شہرت کا باعث یہی خانوادۂ قادریہ ہے۔ کسی شاعر نے کیتھل کے بارے میں کہا ہے ع

اندر جہاں شہرے ندیدم ہمچو کیتھل خوش مقام
زانکہ آسودند در وے اولیائے خوش کرام

سیّد علی احمد شاہ تین سال کے تھے کہ اُن کے والدِ ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اُن کی تربیت اُن کے چچا میاں غلام رسول شاہ نے کی۔ اُنہوں نے بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے بعد دینی علوم میں کمال حاصل کیا۔ گھریلو ماحول اور تعلیم و تربیت کی وجہ سے تقویٰ، اعلیٰ اخلاق اور اسلامی کردار کے مالک ہوئے۔

کسبِ معاش کے لئے کچھ عرصہ محکمہ ریلوے میں ملازم رہے۔ اس کے بعد اسلامیہ ہائی سکول کیتھل میں مدرّس ہو گئے۔ آخر میں تدریس سے الگ ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ موصوف زندگی بھر مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اخوّت پر زور دیتے رہے۔ وہ مسلمانوں کے مِلّی تشخص اور جداگانہ قومیت کے قائل تھے۔ اُن کے دل میں آزادی اور اتحادِ مسلمین کی تڑپ بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ اُنہوں نے تحریکِ پاکستان میں فعال کردار ادا کیا۔

تقسیم ہندوستان کے ساتھ ہی ہندو اکثریت کے علاقوں سے مسلمانوں کا انخلاء شروع ہو گیا۔ کیتھل چاروں طرف سے ہندو آبادی میں گھرا ہوا تھا۔ سیّد صاحب کیتھل سے اُس وقت روانہ ہوئے جب شہر سے مسلمانوں کا انخلاء مکمل ہو گیا۔

پاکستان ہجرت کر کے آئے تو ابتداء میں تبولہ شریف میں مقیم ہوئے۔ پھر ملتان چلے گئے۔ یہاں کچھ دن قیام کے بعد ڈیرہ غازی خان گئے اور زندگی کے آخر دم تک وہیں مقیم رہے۔

سیّد علی احمد شاہ گیلانی، سلسلۂ قادریہ میں اپنے والدِ ماجد سے مجاز تھے۔

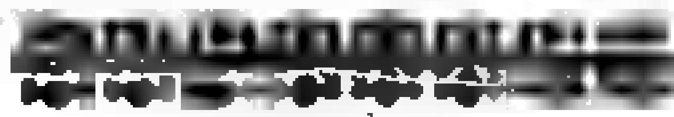
۲۲ رجب ۱۳۸۳ھ / ۱۲ دسمبر ۱۹۶۲ء کو ڈیرہ غازیخاں میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔

سیّد علی احمد شاہ گیلانی سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ رسالہ نورِ ایمان (غیر مطبوعہ)

۲۔ رسالہ حفظ الایمان (؍؍)

۳۔ قندِ نبات یعنی کلیاتِ سید (غیر مطبوعہ)



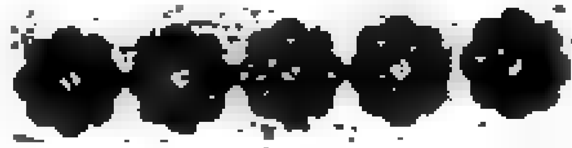
علی احمد قریشی بہاول نگری

مولانا علی احمد بن مولانا جمال الدین بن فضل الدین بن ہدایت اللہ قریشی ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدِ امجد مولانا ہدایت اللہ قریشی جیّد عالم دین تھے۔ اُن سے دینی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ شروع ہوا اور مولانا علی احمد قریشی تک یہ دینی روایت قائم تھی۔

مولانا علی احمد نے ابتدائی درسیات گھر پر پڑھیں۔ درسِ نظامی کی جُملہ کتب علاقے کے نامور اساتذہ سے پڑھ کر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے دورۂ حدیث کیا۔ ایک سال مظاہر العلوم میں گزار کر شعبان ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔

مولانا عبدالقادر رائے پوری سے بیعت ہوئے۔ اُن کی صحبت میں رہ کر تزکیۂ نفس و تصفیۂ باطن کیا۔ بہاول نگر میں ۲۲ مئی ۱۹۶۲ء/ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ کو فوت ہوئے۔ دین پور نزد بہاول نگر کے قبرستان میں دفنائے گئے۔

مولانا علی احمد قریشی مرحوم نے مولانا عبدالقادر رائے پوری کا مجموعۂ ملفوظات مرتّب کیا تھا۔ جس سے مولانا رائے پوری کے سوانح نگار مولانا ابوالحسن علی ندوی نے استفادہ کیا ہے۔



میاں علی محمد خان

حضرت میاں علی محمد خان بن محمد عمر خان ۱۲۹۹ھ/۸۲-۱۸۸۱ء میں بستی عمر خان ضلع ہوشیارپور میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک زمیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے والد ماجد محمد عمر خان صاحبِ علم و فضل اور صوفی منش انسان تھے۔ اُن کی قلمی یادگاروں میں "تہذیب دھرم" اور "یادِ پیر" کے نام ملتے ہیں۔

میاں علی محمد خان کی تربیت اُن کے نانا میاں محمد خان چشتی نظامی کی نگرانی میں ہوئی اُنھوں نے فاضل اساتذہ کی نگرانی میں مروّجہ دینی نصاب کی تکمیل کی، علم طب اور فنونِ سپہ گری میں کمال حاصل کیا۔ فارغ التحصیل ہوئے تو اپنے نانا سے تعلقِ ارادت قائم کیا اور ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں اُن کی رحلت کے بعد سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ کی مسند پر متمکن ہوئے۔ نظام حیدرآباد کے درباری شاعر مولانا غلام قادر گرامی نے قطعہ کہا ع

محرم نکتۂ خفی و جلی ۔۔۔ جانشین محمد است علی!

آفتاب آفتاب راست دلیل ۔۔۔ درخور مسندِ ولی است علی

حضرت میاں علی محمد خان خاموشی سے گراں قدر خدمات انجام دینے کے قائل تھے اور نمود و نمائش سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ رشد و ہدایت اور تعلیم و تبلیغ میں اپنا وقت گزارتے تھے۔ برصغیر کی تحریکِ آزادی اور مسلمانوں کے جداگانہ وطن "پاکستان" کے لئے کام کیا۔ ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء کے انتخاب میں اُنھوں نے اپنے نیازمندوں کو حکم دیا کہ وہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں۔ تحصیل امرتسر سے چودھری نصراللہ اور رانا نصراللہ خان کی کامیابی میں اُن کی تگ و دو بھی شامل تھی۔

قیامِ پاکستان کے بعد میاں صاحب اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کی سرزمین پاکستان

آ گئے اور ابتدائی طور پر لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ ڈیڑھ دو ماہ یہاں رہنے کے بعد حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے شہر پاکپتن میں قیام کیا۔

میاں صاحب کتبِ تصوف کے پڑھنے پڑھانے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کی تالیفات پر گہری نظر تھی۔ فصوص الحکم اور فتوحاتِ مکیہ کا درس دیتے تھے۔

یہ عابد و زاہد اور شب زندہ دار بزرگ دل کے عارضے میں مبتلا تھے۔ ۱۵ محرم ۱۳۹۵ھ/ ۲۸ جنوری ۱۹۷۵ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ میت پاکپتن لائی گئی۔ ہزاروں افراد نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور درگاہ خواجہ فریدالدین گنج شکر میں مدفون ہوئے۔

میاں صاحب کی علمی یادگاروں میں حسبِ ذیل تین رسائل ہیں،

۱۔ راہِ قرار
۲۔ تفسیر سورۂ نون
۳۔ مکتوب در مسئلہ وحدت الوجود



شاہ علی مردان ملتانی

مولانا شاہ علی مردان بن حافظ علی مدد بن حافظ عنایت اللہ بن فقیر عبدالقادر ملتان کے رہنے والے تھے۔ اُن کے جداعلیٰ فقیر عبدالقادر عرب کے رہنے والے تھے اور وہ اِس خاندان کے پہلے شخص تھے جو برّ صغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے تھے۔

مولانا شاہ علی مردان عہدِ مظفر خانی (۱۱۹۳ھ - ۱۲۳۳ھ) کے باکمال عالم تھے۔ حرم گیٹ کے باہر اپنی مسجد میں درس دیتے تھے "طالبانِ علم وادب اکنافِ عالم سے کشاں کشاں یہاں پہنچتے اور آپ سے تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس لیتے (تھے)"[1] قناعت پسند، بے نیاز اور اہل دولت سے دُور رہتے تھے۔ نواب مظفر خان (والیٔ ملتان) اور نواب محمد بہاول خان (والیٔ بہاول پور) نے اُن سے ملاقات کی کوشش کی مگر بوریا نشین عالم نے والیانِ ریاست سے ملاقات نہ کی۔ فقیروں اور معذور لوگوں کی مدد کرنے میں مستعد رہتے تھے۔

سلسلہ اویسیہ میں خواجہ محکم الدین سیرانی (م ۱۱۹۷ھ) کے خلیفہ خواجہ محمد مراد اویسی سے بیعت تھے۔

شاہ علی مردان چھیاسی[۸۶] سال کی عمر میں ۲۷ رجب ۱۲۸۲ھ/۱۶ دسمبر ۱۸۶۵ء کو فوت ہوئے اور بیرون حرم گیٹ ملتان میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" سے سالِ وفات برآمد ہوتا ہے۔ اُن کی اولاد میں دو صاحبزادے مولوی غوث بخش اور مولوی جندوڈہ تھے جن کی اولاد چلی آ رہی ہے۔

---

[1] اولیائے ملتان ص ۲۶۹

مولانا شاہ علی مردان سے چند تالیفات یادگار ہیں۔ ان میں معروف ترین "لطائف سیریہ" ہے جو خواجہ محکم الدین سیرانی (م ۱۱۹۷ھ) کے حالات میں معروف کتاب ہے۔ "لطائفِ سیریہ" میں بعض روایات ثقاہت سے گری ہوئی ہیں۔ خواجہ غلام فرید فرماتے ہیں:

"میاں علی مردان اکثر روایات از قاضی جیونؒ داجلی شنیدہ درج کردہ است و قاضی جیون بعضی حکایات از خود وضع کردہ است[1]"

ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

[1] ارشاداتِ فریدی ص ۱۱۳

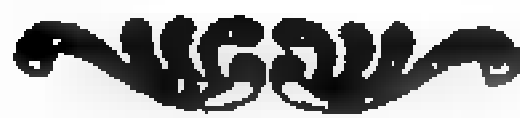
عمادالدین لاہوری

مولانا سید عمادالدین محمود حسینی مرعشی سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آباؤاجداد میں سلطان العلماء سید حسین مرعشی بلند پایہ عالم تھے۔ مولانا سید عمادالدین محمود حسینی لاہور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد تجارت پیشہ تھے۔ اُن کے ہمراہ مشہد گئے۔ مشہد میں علمائے وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ وہاں سے اصفہان گئے اور سید اسداللہ بن سید محمد باقر کے درس میں شریک ہوئے۔ سید ابراہیم موسوی (ساکن کربلائے معلیٰ) سے اجازت نامہ حاصل کیا۔

مولانا سید عمادالدین محمود حسینی کی زندگی پنجاب سے باہر گزری۔ ۱۲۹۷ھ/۸۰-۱۸۷۹ء میں مشہد میں فوت ہوئے۔ مرحوم زاہد و عابد اور فقیہ تھے۔ اُن کی علمی یادگاروں میں حسب ذیل معروف ہیں:

۱۔ المنہل الرائع فی شرح الشرائع

۲۔ شرح النتائج لسید ابراہیم قزوینی[1]



---

[1] مطلع انوار ص ۴۲۰

عنایت علی شاہ بخاری

مولانا عنایت علی شاہ بن سید مرتضیٰ شاہ ۱۸۷۰ء/۸۷-۱۲۸۶ھ میں طوہدرہ میں پیدا ہوئے یہ گاؤں وزیر آباد سیالکوٹ ریلوے لائن پر ادوگوکی سٹیشن سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے[1] آج کل یہ گاؤں "درِ نجف" کے نام سے معروف ہے۔

مولانا عنایت علی شاہ کے والد ماجد عالم و فاضل شخص تھے۔ منشی فاضل و مولوی فاضل تھے سیالکوٹ کے افاضل میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ مولانا عنایت علی شاہ نے اپنے والدِ گرامی کی نگرانی میں علوم مروّجہ کی تحصیل کی۔

مولانا عنایت علی شاہ نے ہوش سنبھالا تو مناظروں میں دلچسپی لینے لگے۔ زبان و قلم سے مسلکِ تشیع کی خدمت کی۔ اس مقصد کے لئے ۱۹۰۸ء میں اخبار ہفت روزہ "درِ نجف" جاری کیا۔ ۱۹۱۷ء میں اخبار کا دفتر لاہور منتقل کر دیا۔ تحریکِ کشمیر (۱۹۳۱ء) کے زمانے میں "درِ نجف" روزنامہ ہو گیا۔ تقریباً ایک سال روزنامہ کے طور پر شائع ہوتا رہا۔ پُرلطف بات یہ ہے کہ عنایت علی شاہ صاحب خود ہی خبریں مہیا کرتے، کتابت کرتے اور خود ہی خریداروں کو بھجواتے تھے۔

درِ نجف اثنا عشری رسائل میں بلند مقام رکھتا ہے۔ جو اُن کے رحلت کے بعد ایک عرصہ تک چھپتا رہا۔ "درِ نجف" کی چند خصوصی اشاعتیں بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

شاہ صاحب ۹۸ برس کی عمر میں ۳۰ جون ۱۹۶۸ء/۳ ربیع الآخر ۱۳۸۸ھ کو سیالکوٹ میں فوت ہوئے۔ اُن کے خلف الرشید سید شبیر حسین (م ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ) تھے۔ جنہوں

---

[1] مطلع انوار ص ۲۲۶

نے اپنے والدِ گرامی کی یادگار "درِ نجف" کو قائم رکھا۔ شاہ صاحب عربی، فارسی، اُردو اور پنجابی کے شاعر، مناظر اور مضمون نگار تھے۔ ان کی حسبِ ذیل تصانیف ملتی ہیں۔

۱۔ ذوالفقارِ صفدری مع سیفِ مرتضوی بجواب سیفِ مرتضوی (پنجابی نظم)

۲۔ جذبہ انتقام (دو حصے)۔ حصہ دوم غیر مطبوعہ ہے۔

۳۔ شمشیرِ ولایت

۴۔ مقدماتِ سیالکوٹ (غیر مطبوعہ)

۵۔ الحق مع علیؓ

۶۔ القرآن مع علیؓ

۷۔ تجزیۃ المسائل

۸۔ عنایتِ بخاری (مناظرہ قلمی۔ ۳ جلدیں)



غلام احمد حافظ آبادی

مولانا غلام احمد بن شیخ احمد ۱۲۷۳ھ / ۵۷-۱۸۵۶ء میں کوٹ اسحاق تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ مولانا غلام احمد نے تحصیل علم کے لئے پنجاب کے مختلف مقامات، دہلی اور دیوبند کے سفر کئے اور جلیل القدر علماء و فضلاء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اُن کے اساتذہ میں مولانا علاء الدین (ساکن بھابھڑ ضلع ہوشیارپور) مولانا شاہ دین، مولانا محمد الدین (ساکن احمد نگر۔ گوجرانوالہ)۔ مولانا ابو احمد مراد علی (کپور تھلہ) مولانا محمد عمر (ساکن رام پور متھاراں)۔ مولانا عبداللہ (ٹلونڈی)، مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا محمد یعقوب اور میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے نام ملتے ہیں۔

فارغ التحصیل ہو کر جامعہ نعمانیہ لاہور میں بحیثیت مدرس دوم کام شروع کیا۔ اُن کی کامیاب تدریس سے جامعہ نعمانیہ کی شہرت دُور و نزدیک پھیل گئی اور وہ جلد ہی صدر مدرس اور مفتی انجمن نعمانیہ مقرر ہو گئے۔ اُن کے زمانہ تدریس میں طلبہ کی تعداد تین سو کے لگ بھگ رہتی تھی۔

مولانا غلام احمد علوم مروّجہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور اس کے ساتھ فتویٰ نویسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ فتویٰ لکھنے میں ممکن احتیاط اور علمی تحقیق کرتے تھے۔ اُن کے سینکڑوں فتوے انجمن نعمانیہ کے رسالہ میں شائع ہوتے ہیں۔ مزاجاً اعتدال پسند تھے اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سالانہ اجلاسوں میں نمائندہ انجمن نعمانیہ کی حیثیت سے شرکت کرتے تھے۔

۱۳۲۵ھ میں طاعون کی وبا پھیلی تو بیمار ہوئے اور اپنے گاؤں تشریف لے

گئے وہیں ۱۶ اپریل ۱۹۰۷ء/۳ ربیع الاولیٰ ۱۳۲۵ھ کو وفات پائی۔ سید محمد زمان شاہ نیازی نے مصرعہ ہائے تاریخ کہے۔

بہر تاریخ تو نیازی گفت
دانش آموز شد نہاں در قبر

۱۳۲۵ھ

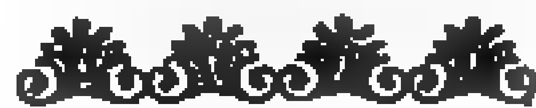
نیز ع

گفت نیازی پئے سالِ وفات
انجمن آرائی بہشت بریں[2]

۱۳۲۵ھ

مولانا غلام احمد مرحوم سے سینکڑوں تشنگانِ علم نے استفادہ کیا۔ اُن کے جو تلامذہ آسمانِ علم پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکتا ئے اُن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ مولانا فیض الحسن جہلمی
۲۔ مولانا محمد عالم آسی امرتسری
۳۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی
۴۔ مولانا شہاب الدین خطیب مسجد چو بُرجی کوارٹرز۔ لاہور
۵۔ پروفیسر مولانا عبداللہ (اسلامیہ کالج فیصل آباد)



۱۔ الیواقیت المہریہ ص ۱۳۷-۱۳۸

۲۔ ہم اور ہمارے اسلاف ص ۳۴۳

غلام العلی قصوری

مولانا غلام العلی بن حافظ محمد داؤد بن شیخ محمد بن مخدوم غلام مرتضٰی بن عبدالمالک صدیقی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء کے لگ بھگ قصور میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان میں چند پشتوں سے سے پیری مریدی کا سلسلہ چلا آرہا تھا۔

اُنھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور قصور کے معاصر علماء سے حاصل کی خانقاہی ماحول سے چنداں دلچسپی نہ تھی اس لیے فیروز پور چلے گئے اور فوج میں فرائض خطابت انجام دینے لگے۔ کچھ عرصہ بعد مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا احمد دین بگوی کی خدمت میں لاہور حاضر ہوئے اور اُن سے علوم مروجہ کی تکمیل کی۔

مولانا غلام العلی کے برادرِ بزرگ مولانا غلام رسول امرتسر میں مدرسِ دینیات تھے انہوں نے ۱۸۵۳ء میں مولانا غلام العلی کو اپنے پاس بلالیا اور ان کا تقرر مدرسہ میں بطورِ نائب مدرس ہوگیا۔ ۱۸۶۱ء تک فرائضِ معلمی ادا کیے۔

تبلیغی اور اصلاحی کاموں کے پیشِ نظر ملازمت ترک کردی اور ہمہ تن رشد و ہدایت میں لگ گئے۔ مسجد سر کی بنداں امرتسر ایک عرصے سے غیر آباد چلی آرہی تھی۔ انہوں نے اس مسجد کو مرکز بنا کر وعظ و تبلیغ شروع کی اور تھوڑے ہی عرصے میں مسجد قال اللہ اور قال الرسول سے گونجنے لگی۔ وعظ و تبلیغ اور اصلاح رسوم کے راستے پر چلتے چلتے عمل بالحدیث کا کا جذبہ بیدار ہوا۔ اسی زمانے میں اپنے آبائی نام "غلام علی" کو "غلام العلی" سے بدل دیا۔ وہ امرتسر میں پہلے معروف عامل بالحدیث تھے۔ ان کے مسلک میں تبدیلی سے امرتسر کی فضا تقلیدِ شخصی اور عدم تقلید کی بحثوں کا اکھاڑہ بن گئی۔ مسجد سر کی بنداں کے متولی بھی اُن کے مخالف ہوگئے۔ چنانچہ مولانا غلام العلی نے ایک نئی مسجد بنانے کا فیصلہ کیا۔ مسجد کی تعمیر کے لیے سرمایہ کی فراہمی ایک مسئلہ تھی۔ مولانا اپنے وطن قصور آئے اور

آبائی جائیداد سے اپنا حصہ فروخت کر کے امرتسر میں جگہ خریدی اور مسجد تعمیر کی۔

مولانا غلام العلی کی کوششوں سے امرتسر میں عمل بالحدیث کا چرچا ہوا۔ اس کے بعد مولانا عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ) یہاں فروکش ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق امرتسر میں ان کے قیام کا باعث مولانا غلام العلی ہی تھے۔ دونوں بزرگوں میں مخلصانہ تعلقات تھے، تاہم علمی سطح پر بعض مسائل میں نظری اختلاف بھی تھا۔ مولانا عبداللہ غزنوی الہام اور مروجہ طریقۂ بیعت کے قائل ہی نہیں اس پر عامل تھے۔ اس کے برعکس مولانا قصوری پیری مریدی کے سرے سے مخالف تھے۔ اس موضوع پر انہوں نے "تحقیق الکلام فی البیعت والالہام" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کا جواب مولانا غزنوی کے صاحبزادے مولانا عبدالجبار غزنوی (م ۱۳۳۱ھ) نے لکھا۔ جواب میں تند و تیز لہجہ اختیار کیا گیا تھا۔ جسے مولانا عبداللہ غزنوی نے پسند نہ کیا۔ اس اختلاف کے باوجود مولانا غزنوی ان کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہے۔

مولانا قصوری نے اپنی بنا کردہ مسجد میں "مدرسہ تائید الاسلام" قائم کر کے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس مدرسہ میں کچھ عرصہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی فرائض تدریس انجام دیئے۔ مولانا قصوری تبلیغی و تدریسی کام کرتے ہوئے استسقاء کے مرض میں ۱۶/شعبان ۱۳۰۶ھ/۱۷/اپریل ۱۸۸۹ء کو امرتسر میں فوت ہوئے۔ حکیم مطیع اللہ امرتسری نے طویل قطعہ تاریخ وفات کہا۔ مصرعہ تاریخی یہ ہے ؎

حق گو ہوا فوت آہ! حسرت

۱۳۰۶ھ

مولانا قصوری کی حسب ذیل قلمی یادگاریں ہیں:

۱۔ جواب الاستفسار فی التعامل مع الکفار (فارسی) اس رسالہ میں کفار و مشرکین کی ملازمت کے جواز پر بحث کی گئی ہے۔ مؤلف کے پوتے مولانا محمد داؤد ایڈووکیٹ نے

اس کا اُردو ترجمہ "گفّار کی نوکری،، کے نام سے کیا جو ہفت روزہ "اہل حدیث،، کی تین اشاعتوں (بابت ۱۴ر جولائی تا ۲۸ر جولائی ۱۹۲۹ء) میں شائع ہوا۔

۲۔ تحقیق الکلام فی البیعۃ والالہام

۳۔ رسالہ اثنا عشریہ۔ وظیفہ یا شیخ عبدالقادر، استمداد لغیر اللہ اور ندائے غیب جیسے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور انہیں ناجائز قرار دیا ہے۔

۴۔ تذکرۃ الحق۔ حدیث قرطاس پر بحث کی ہے۔

۵۔ القول المبین (عربی) رد تقلید شخصی کے موضوع پر غیر مطبوعہ رسالہ ہے۔ اس کا ترجمہ مؤلف کے صاحبزادے خلیفہ عبدالرحمان نے "القول المبین فی عدم وجوب التقلید،، کے نام سے ۱۹۲۶ء میں شائع کیا۔

۶۔ تحریق القرآن۔ قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق جلا دینے کے جواز میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔

۷۔ تفسیر القرآن۔ چند سورتوں کی تفسیر سے زیادہ نہ لکھی جا سکی۔

۸۔ الشافیہ ترجمہ اُردو حمویہ فی الرد علی الجہمیہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی تالیف کا ترجمہ ہے جو لاہور سے شوال ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا۔ غالباً امام ابن تیمیہؒ کی تصنیفات میں سے اُردو میں پہلا ترجمہ یہی "الشافیہ،، ہے۔

۹۔ التسویہ فی ترقیمۃ القول السرمدیہ (اُردو)

۱۰۔ اظہار المحذور فی شہادت الزور (اُردو)

۱۱۔ تائید الاسلام (اُردو) مسیحی منادین کے ان اعتراضات کا جواب ہے جو انہوں نے قرآن اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر کئے تھے۔

غلام العلی قصوری عمدہ شعری ذوق رکھتے تھے۔ گاہے گاہے خود بھی شعر کہتے تھے جو ان کے مسلک کا رنگ لیے ہوتے تھے۔

خلیفہ غلام اللہ فاضل لاہوری

مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری بن مولانا غلام فرید لاہور کے علمائے کبار اور فضلائے نامدار میں سے تھے۔ مولانا غلام فریدؒ کے بارے میں مفتی غلام سرور لاہوری رقمطراز ہیں:

"لاہور کے فضلاء و علماء سے یہ بزرگ جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی و علم و عمل و ذکر و شغل و ورع و تقویٰ و صبر و شکر و رضا و تسلیم تھے۔ تمام عمر تدریس طالب علماں و تلقین شائقانِ حق میں مصروف رہے۔ تمام پنجاب کے لوگوں نے اُن کی شاگردی کا غاشیہ اپنے سر پر رکھا"[1]

مولانا غلام فرید لاہور میں ۱۲۱۶ھ/۲-۱۸۰۱ء میں فوت ہوئے تو اُن کے فرزندوں مولانا خلیفہ غلام رسول اور مولانا خلیفہ غلام اللہ فاضل لاہوری نے علمی روایات قائم رکھیں۔ سکھ دورِ حکومت میں دونوں بھائیوں کے مدرسے کی شہرت دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ امرتسر کی طوائف موراں[2] نے پاپڑ منڈی میں مسجد تعمیر کرائی۔ اس کے ساتھ طلبہ کی رہائش کے لئے حجرے تھے۔

مسجد تیار ہوئی تو اس کی امامت مولانا غلام رسول اور مولانا غلام اللہ کے سپرد ہوئی۔ دونوں بھائی مسجد میں قیام پذیر ہو کر درس و تدریس اور وعظ و نصیحت میں مصروف ہو گئے۔

---

[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۱۰

[2] رنجیت سنگھ کی منظورِ نظر تھی۔ مہاراجہ نے اُسے خوش کرنے کے لئے اُس کے نام کا سکہ جاری کیا تھا۔ اُس نے ۱۲۲۴ھ/۱۰-۱۸۰۹ء میں یہ مسجد تعمیر کرائی۔ اُسے یہ شوق اپنی ماں بیگم جان سے ورثے میں ملا تھا جس نے باغبانپورہ میں ایک مسجد بنوائی تھی۔

مولانا غلام رسول ۱۲۵۰ھ/۳۵-۱۸۳۴ء میں فوت ہو گئے تو امامت و تدریس کی ذمہ داریاں تنہا مولانا غلام اللہ نے اٹھالیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ مولانا غلام اللہ کی بے حد عزت کرتا تھا۔ ایک دفعہ شہزادہ شیر سنگھ کی ماں نے شکایت کی کہ مولانا غلام اللہ نے شہزادے کو بدنی سزادی ہے اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔ مہاراجہ نے اپنی رانی کی شکایت سُن لی اور آدمی بھجوا کر مولانا غلام اللہ کو طلب کیا۔ جب وہ تشریف لائے تو شہزادہ شیر سنگھ کو بلایا۔ جب وہ مولانا غلام اللہ اور مہاراجہ کے پاس آیا تو مہاراجہ نے مولانا کے ہاتھ میں ایک چابک تھمادیا اور کہا کہ شہزادے کو خوب سزادیں۔ جب مولانا نے سزادینے میں پس و پیش کی تو مہاراجہ نے سختی سے کہا کہ شیر سنگھ کو سزا ملنی چاہیے۔ مولانا نے شیر سنگھ کو چند بید لگائے۔ شہزادہ پیٹتا ہوا جب وہاں سے چلا گیا تو مہاراجہ نے کہا کہ آئندہ اُن کے خلاف کسی کو شکایت کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ اسکے ساتھ ہی مہاراجہ نے مولانا کو بتایا کہ اُن کے بچے نازک اندام ہیں اور انہیں سخت سزا نہ دینی چاہیئے۔ اس بات چیت کے بعد مہاراجہ نے انہیں عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

مولانا خلیفہ غلام اللہ سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا ہوگا۔ ایک روایت کے بموجب "لاکھوں آدمیوں نے اُن کی ذات بابرکات سے بہرۂ علم و عمل پایا"[1] پنجاب میں علماء کا شاذو نادر ہی کوئی خاندان ہوگا جس نے اُن کے درس سے استفادہ نہ کیا ہو۔ مؤلف "حدائق الحنفیہ" نے لکھا ہے کہ "آپ تدریس و تعلیم میں متقدمین سے گوئے سبقت لے گئے تھے"[2]

۱۲۷۲ھ/۵۶-۱۸۵۵ء میں فوت ہوئے۔ اُن کے پانچ صاحبزادے تھے۔

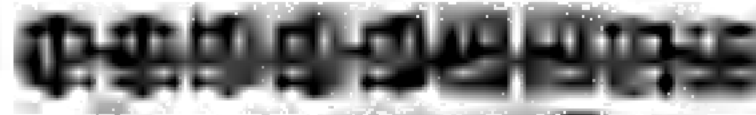
---

[1] حدیقۃ الاولیاء ص ۲۱۹

[2] حدائق الحنفیہ ص ۴۷۶

اُن میں خلیفہ نظام الدین بمبئی میں تدریس کرتے تھے۔ خلیفہ احمد الدین اور خلیفہ حمید الدین نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی۔

خلیفہ حمید الدین بہت بڑے عالم اور فاضل بزرگ تھے۔ انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے بانیوں میں سے تھے۔ اِس خانوادے میں کئی دوسرے نامور افراد نے جنم لیا اور مسلمانوں کی مجلسی زندگی میں نمایاں مقام حاصل کیا۔



غلام اللہ قصوری

مولانا غلام اللہ قصوری بن مولوی غلام رسول بن حافظ داؤد بن شیخ محمد قصور کے اہلِ علم میں سے تھے۔ وہ ۱۸۵۰ء/۶۷-۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد امرتسر میں مدرس تھے۔ مولانا غلام اللہ ابھی چھ برس کے تھے کہ مولوی غلام رسول کا انتقال ہو گیا۔ مولانا غلام العلی قصوری نے اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق اپنے بھتیجوں۔ مولانا غلام اللہ اور مولانا ولی اللہ۔ کی تعلیم و تربیت کی۔

مولانا غلام اللہ عہدِ جوانی میں امرتسر سے اپنے آبائی شہر قصور آ گئے اور عملی زندگی کا آغاز مہاراجہ فرید کوٹ کی ملازمت سے کیا۔ مولانا غلام اللہ ریاست کے مشیرِ مال تھے۔ مولانا غلام اللہ ریاستی ماحول میں اپنے آپ کو نہ ڈھال سکے اور استعفاد دے کر لاہور آ گئے۔

لاہور میں مولانا غلام اللہ نے اورینٹل کالج میں مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ) سے استفادہ کیا اور کالج سے باہر مولانا خلیفہ حمید الدین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ علومِ متداولہ کی تحصیل کے بعد دستارِ فضیلت حاصل کی۔

۱۸۸۲ء/۱۳۰۰-۱۲۹۹ھ میں مولانا نے خلیفہ حمید الدین کے ایماء پر مسجد محلہ کمانگراں اندرون موچی دروازہ کی امامت سنبھالی۔ دو سال بعد خلیفہ حمید الدین اور ان کے مخلص ساتھیوں نے انجمن حمایتِ اسلام لاہور کی بنیاد رکھی۔ مولانا غلام اللہ نے استاد محترم کی کوششوں میں بھرپور حصہ لیا۔

انجمن حمایت اسلام نے خلیفہ حمید الدین کے نام پر ایک دینی مدرسہ جاری

کیا۔ مدرسہ کے صدر مدرس مولانا خلیفہ حمید الدین اور نائب مدرس مولانا غلام اللہ تھے۔ کچھ عرصہ یہاں کام کرنے کے بعد مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد میں صدر مدرس ہو گئے تاہم اس تمام عرصے میں انجمن حمایت اسلام کی سرگرمیوں میں شامل رہے۔

تقریباً ایک سال مدرسہ رحیمیہ میں گزارا ہو گا کہ ان کے والد ماجد کے شاگرد خان محمد شاہ رئیس اعظم امرتسر نے انہیں اسلامیہ ہائی سکول امرتسر میں بطور اوّل مدرس دینیات بلا لیا۔ امرتسر میں فرائض منصبی کے ساتھ کٹڑہ اہلووالیہ کی مسجد میں امامت کرتے تھے۔ گیارہ سال امرتسر میں رہ کر اواخر ۱۸۹۹ء/۱۳۱۴ھ میں ہائی سکول فیروز پور چلے گئے۔ جہاں ۱۹۰۴ء/۱۳۲۱ھ تک کام کیا۔ فیروز پور سے لاہور آئے اور چیفس کالج کے شعبۂ دینیات و عربی میں پروفیسر مقرّر ہوئے۔ چیفس کالج میں سترہ سال فرائض تدریس ادا کر کے ۲۴ جنوری ۱۹۲۲ء/۲۴ جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ کو سبکدوش ہوئے اور ان کی اسامی پر ان کے فرزند حکیم حاجی محمد حسین (م ۱۳۷۴ھ) کا تقرّر ہوا۔

مولانا غلام اللہ اعتدال پسند بزرگ تھے۔ ان کے چچا مولانا غلام العلی بلند پایہ اہل حدیث عالم تھے اور وہ خود حنفی المسلک۔ انہوں نے سُنی وہابی کے جھگڑوں میں بالکل حصّہ نہ لیا۔ وہ اس قسم کی بحثوں کو اُمّتِ اسلامیہ کے لیے نقصان دہ خیال کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی توجہ قادیانیت اور عیسائی مشنریوں کے تعاقب پر مرکوز رکھی۔

موصوف نے ایک نقشبندی بزرگ مہر صوبہ (م ۱۳۶۴ھ۔ مدفون قبرستان میانی صاحب) مرید مولانا غلام مرتضےٰ کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ مجدّدیہ میں بیعت کی تھی۔

۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں اپنے فرزند حکیم حاجی محمد حسین (م ۱۳۷۴ھ) کے ہاں لاہور میں مقیم تھے کہ اجل کا بلاوا آ گیا۔ ان کی میّت تصور لے جائی گئی اور خاندانی

قبرستان میں دفنائے گئے۔

مولانا غلام اللہ قصوری سے حسبِ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ تحقیق الکلام فی ولادت المسیح علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ پیدا ہونے کی تائید کی گئی ہے۔

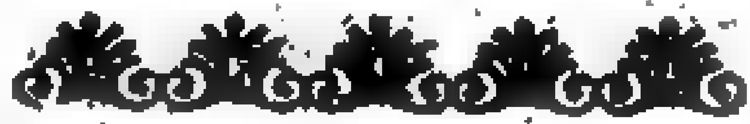
۲۔ تائیدِ اسلام

۳۔ غزوات النبی

۴۔ رسالہ حُرمتِ سُود

مولانا غلام اللہ شعر و شاعری کا عُمدہ ذوق رکھتے تھے۔ خود بھی شعر کہتے تھے اور "غلامی" تخلّص کرتے تھے۔ اپنا شجرہ طریقت منظوم کیا تھا۔ جس کا آخری شعر یہ ہے:

غلامی را دعائے خیر گوید ۔۔۔ خلافِ شرع ہرگز نہ پوید



غلام اللہ خان

مولانا غلام اللہ خان بن فیروز خان اعوان خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ موصوف ۱۹۰۵ء/ ۱۳۲۳ھ میں ضلع اٹک کے ایک گاؤں دریہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد گاؤں کے نمبردار اور علاقے کی بااثر شخصیت تھے۔ مولانا غلام اللہ خان نے نویں جماعت تک مروّجہ تعلیم حاصل کی۔ بعد میں ٹھٹہ ضلع راولپنڈی میں مولانا احمد دین مرحوم سے صرف و نحو کی تعلیم پائی۔ یہاں سے اٹیّ ضلع گجرات گئے اور مولانا غلام رسول اور مولانا ولی اللہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ تفسیرِ قرآن مولانا حسین علی واں بھچراتوی سے پڑھی اور دورۂ حدیث کی تکمیل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے کی۔

مولانا غلام اللہ خان نے عملی زندگی کا آغاز بھیرہ ضلع سرگودھا کے ایک دینی مدرسے میں مدرّس کی حیثیّت سے کیا۔ بھیرہ سے گجرات منتقل ہوئے اور مدرسہ شاہ حسین میں فرائضِ تدریس انجام دیئے۔ گجرات سے راولپنڈی آئے اور اسلامیہ ہائی سکول میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۳۶ء میں سکول کی ملازمت ترک کر کے پرانا قلعہ راولپنڈی میں مدرسہ تعلیم القرآن کی داغ بیل ڈالی۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہ مدرسہ قریب ہی راجہ بازار میں منتقل ہو گیا۔

مدرسہ تعلیم القرآن کے قیام کے بعد مولانا غلام اللہ خان نے اپنی مستقل رہائش راولپنڈی میں رکھ لی۔ البتہ اندرون اور بیرونِ ملک تبلیغی دوروں پر جاتے رہتے تھے۔ مولانا غلام اللہ خان ہر سال شعبان و رمضان میں اپنے مدرسے میں "دورۂ قرآن" کا اہتمام کرتے تھے۔ اُن سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا۔ قرآن کی اسی خدمت کے پیشِ نظر عوام میں "شیخ القرآن" کے لقب سے معروف تھے۔

مولانا غلام اللہ نے قیام پاکستان سے قبل مجلسِ احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد کسی سیاسی جماعت سے منسلک نہ ہوئے البتہ ملک میں اُٹھنے والی تمام دینی تحریکوں میں پیش پیش رہے۔ اس راہ میں انہیں بارہا قید و بند کی سختیاں جھیلنی پڑیں۔ مگر اُن کے جوش و جذبہ میں کوئی کمی نہ آئی۔ ۱۹۵۶ء میں مسجد قاسم جان پشاور میں اُن پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں بال بال بچ گئے۔ مولانا غلام اللہ خان نے نے شرک و بدعت کے خلاف جہاد کیا اور مسلمان معاشرے میں موجود خلافِ اسلام مراسم کے خلاف اُن کی کوششیں کامیاب رہیں۔ موصوف نے مشرقِ وسطیٰ کے مختلف ممالک کا بارہا دورہ کیا۔ آخری بار ۱۹۸۰ء میں عمرہ ادا کرنے گئے واپسی پر دبئی میں ایک جلسے سے خطاب کرنے والے تھے کہ ۲۷ مئی ۱۹۸۰ء/۱۲ رجب ۱۴۰۰ھ کو حرکتِ قلب بند ہو جانے سے فوت ہوئے۔ دوسرے روز اُن کی میت راولپنڈی آئی اور اپنے قائم کردہ مدرسہ اشاعت الاسلام اٹک کے صحن میں دفنائے گئے۔

موصوف بلند پایہ عالمِ دین، مناظر اور مؤلف تھے۔ اُن سے حسب ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ بلغتہ الحیران (ربط آیات و سور قرآن کے سلسلے میں مولانا حسین علیؒ کی امالی)

۲۔ البیان

۳۔ توحیدی پاکٹ بک

۴۔ جواہر القرآن (مقدمہ تفسیر)

۵۔ تفسیر جواہر القرآن (تین جلد)

۶۔ جواہر التوحید

مولانا غلام اللہ خان مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے مولوی احسان الحق، مولوی حسین علی اور مولوی اشرف علی ہیں۔ مولوی احسان الحق مرحوم کے جانشین ہیں۔



محمد غلام جان قادری لاہوری

مفتی محمد غلام جان قادری بن احمد جی بن محمد عالم کے اسلاف میں سے میر قطب شاہ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ برصغیر وارد ہوئے تھے۔ اُن کی اولاد ہزارہ میں مقیم ہوئی۔ مفتی غلام جان، میر قطب شاہ کی اکیسویں پشت میں تھے۔ وہ ۱۳۱۶ھ/۹۹-۱۸۹۸ء میں بمقام اوگرہ تحصیل مانسہرہ (ہزارہ) میں پیدا ہوئے۔

اُنھوں نے ناظرہ قرآن مجید، گلستان، بوستان اور صرف و نحو کے ابتدائی رسائل اپنے والد ماجد سے پڑھے۔ صرف و نحو کی مزید تعلیم کے لیے معروف مراکز مثوال (ہزارہ) پنجائن (تحصیل چکوال) اور کھیوال (تحصیل فتح جنگ ضلع اٹک) میں رہے۔ مولانا غلام رسولؒ سے انہی ضلع گجرات سے فقہ اور منطق کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ انھوں نے حصولِ علم کے لیے طویل سفر کئے۔ ٹونک میں مولانا برکات احمد ٹونکی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، دہلی، آگرہ اور سہارنپور کے مختلف مدارس میں زیر تعلیم رہ کر مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۵ھ/۱۷-۱۹۱۶ء میں درجۂ تکمیل کی سند حاصل کی یہاں سے بانس بریلی گئے اور مدرسہ منظر الاسلام میں مولانا ظہور الحسن فاروقی اور حکیم محمد امجد علی سے استفادہ کیا۔ ۱۳۳۷ھ/۱۹-۱۹۱۸ء میں سندِ فراغ حاصل کی اور جلسہ تقسیم اسناد میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اُن کی دستار بندی کی۔

سندِ فضیلت حاصل کی تو مدرسہ منظر الاسلام میں مدرس مقرر ہو گئے۔ ساتھ ہی بریلی کی مسجد بی بی جی محلہ جسولی میں خطبۂ جمعہ دیتے تھے۔ بریلی سے وطن واپس آئے تو خواجہ محمود تونسویؒ کی دعوت پر مدرسہ سلیمانیہ تونسہ کی مسندِ تدریس کو رونق بخشی ایک سال بکھنڈ ضلع اٹک میں رہے۔ شہلیہ (ہزارہ) کے نواب محمد امیر خان نے اُن کی

علمی و دینی سرگرمیوں کے پیشِ نظر اپنی ریاست کا عہدۂ قضا پیش کیا۔ کچھ عرصہ مولانا غلام جان ریاست شہلیہ میں مقیم رہے۔ بعد میں مدرسہ نعمانیہ لاہور کے منتظمین نے انہیں اپنے ہاں بلالیا۔ وہ مدرسہ میں مفتی اور صدر مدرس رہے۔

بریلی کے زمانۂ قیام میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُن سے خلافت حاصل کی۔

۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ تحریکِ پاکستان میں دوسرے علماء کے ساتھ کام کیا۔ افتاء و تدریس کی خدمت انجام دیتے ہوئے ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ/ یکم اگست ۱۹۵۹ء کو لاہور میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ مولانا ابوالبرکات سید احمد شاہ قادری نے پڑھائی اور قبرستان میانی صاحب میں غازی علم الدین شہید کے پہلو میں دفنائے گئے۔

مولانا غلام جان کی اولاد میں چار صاحبزادے اور ایک دختر ہیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا محمد مظفر اقبال[1]

۲۔ محمد اشرف

۳۔ غلام صابر

۴۔ غلام مصطفٰے

مرحوم کی علمی یادگاروں میں سے حسبِ ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ القول المحتاط فی جواز الحیلۃ والاسقاط (مطبوعہ)

۲۔ رسالہ اذان علی القبر و تعدد الجمعہ فی ساجد المصر (؎)

---

[1] عالم و فاضل، مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور

۳۔ سیفِ رحمانی علی راس القادیانی (غیر مطبوعہ)

۴۔ فتاویٰ غلامیہ (دو جلد) (")

۵۔ نور العینین فی سفر الحرمین (")

۶۔ دیوانِ غلامیہ (")

۷۔ نغمہ شہادت (")



غلام جہانیاں ڈیروی

مولانا غلام جہانیاں موضع جھگی والا ضلع مظفر گڑھ میں رجب ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے ابتدائی کتب مولانا غلام حسین مظفر گڑھی اور مولانا سلطان محمود (ساکن کوٹلہ رحم علی شاہ) سے پڑھیں۔ اس کے بعد قصبہ شاہ جمال (نزد ڈیرہ غازیخان) میں مولانا فیض محمد سے استفادہ کیا۔ دارالعلوم نعمانیہ ہند لاہور میں کچھ عرصہ زیرِ تعلیم رہے اور مولانا محمد دین بدھوی سے استفادہ کیا۔ آخر میں مدرسہ سبحانیہ ملتان میں مولانا محمد اشرف سے ۱۳۴۹ھ/۳۱-۱۹۳۰ء میں سندِ حدیث حاصل کی۔

مولانا غلام جہانیاں نے درسِ نظامی کی تکمیل کی اور مدرسہ عربیہ کوٹلہ رحم علی شاہ میں مدرس ہو گئے۔ اس کے بعد مدرسہ سبحانیہ ملتان، مدرسہ معین الاسلام جتوئی (مظفر گڑھ) مدرسہ اسلامیہ شجاع آباد اور مدرسہ عربیہ ریکڑہ (ڈیرہ غازی خاں) میں بارہ سال تدریسی کام کیا۔ آخر میں ڈیرہ غازی خان تشریف لے گئے۔ جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے اور ایک دینی مدرسہ "جامعہ معینیہ" قائم کیا۔ دینی کاموں میں مصروف ۱۴ر جنوری ۱۹۷۷ء/ ۲۲ر محرم الحرام ۱۳۹۷ھ کو فوت ہوئے۔ شاہ اکرام حسین سیکروی نے حسبِ ذیل مصرعہ تاریخ کہا[1]

جانکاہ سالِ وفات مولانا غلام جہانیاں

—— ۱۹۷۷ء ——

---

[1] ماہنامہ "الولی" (حیدرآباد) بابت اکتوبر ۱۹۷۷ء، ص ۴۵

مولانا غلام جہانیاں سلسلہ چشتیہ فریدیہ میں خواجہ محمد معین الدین سے بیعت تھے۔ اُنہوں نے اپنے سلسلۂ عالیہ کے بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔

قاضی غلام جیلانی شمس آبادی

قاضی غلام جیلانی بن قاضی نادر دین بن قاضی جنگ باز شمس آباد ضلع اٹک میں ۱۲۸۵ھ/ ۶۹-۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رح سے جاملتا ہے۔ اُن کا خاندان "مشوانی سادات" کے نام سے معروف ہے جو گنگر کے پہاڑی علاقے اور اس کے قرب و جوار میں آباد ہے۔ معرکۂ بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ) کے بعد سکھوں نے مقامی آبادیوں پر مظالم شروع کئے تو اس خانوادہ کے ایک بزرگ قاضی جنگ باز قصبہ تفار چیاں متصل غازی سے ترکِ سکونت کر کے شمس آباد آ گئے۔

قاضی غلام جیلانی کے والدِ ماجد قاضی نادر دین صاحبِ علم اور رئیس القلم تھے۔ شمس آباد کے عوام نے اُن ہی سے نوشت و خواند سیکھی تھی۔ ہندکو زبان کے صوفی منش شاعر تھے اور اُن کی علمی و دینی یادگار "پند نامہ بطرزِ سی حرفی" موجود ہے۔

قاضی غلام جیلانی نے ابتدائی کتابیں اپنے علاقے کے جیّد علماء سے پڑھیں۔ پھر مدرسہ عالیہ رامپور میں داخل ہوئے۔ مولانا ابو طیّب مکی اور مولانا منوّر علی سے استفادہ کیا۔ مدرسہ عالیہ سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ اور اسی مدرسہ میں مدرّس مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ تدریس کی تھی کہ مولانا کرامت علی جونپوری رح کے سلسلۂ تبلیغ و ارشاد سے وابستہ ہو کر بنگال چلے گئے۔ مولانا عبد الاوّل جونپوری (فرزند و خلیفہ مولانا کرامت علی جونپوری) نے اُنہیں "محی الدین" کا لقب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اُن کے وعظ میں تاثیر رکھی تھی۔ اسی طرح زورِ قلم سے دینی مسائل کو سلجھانے

کا ملکہ دیا تھا۔ اُن سے تقریباً پچاس کتابیں یادگار ہیں۔ چند یہ ہیں۔

۱۔ جامع التحریر فی حرمت الغنا والمزامیر

۲۔ عذاب شریعت در رد آداب طریقت

۳۔ تیغ غلام گیلانی بر گردن قادیانی

۴۔ قول مقبول در رد قادیانی مجہول بطریق المنطق والمعقول

۵۔ جواب حقانی در رد بنگالی قادیانی ۔ بنگال کا قصبہ برہمن باریہ قادیانیوں کا مرکز تھا اسی مرکز کے کرتا دھرتا لوگوں کے بارے میں یہ رسالہ ہے۔

قاضی صاحب کی فقہ حنفی پر گہری نظر تھی۔ اس سلسلہ میں اُن کی مندرجہ ذیل مطبوعہ کتب ملتی ہیں۔

۶۔ بدیع الکلام

۷۔ فتاویٰ فتاح الجنت۔ صرف پہلے باب کا خلاصہ "کتاب الوضو" شائع ہوا ہے یہ فتاویٰ کئی ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے۔

۸۔ تنخیۃ الھالک

۹۔ راحت الافکار

۱۰۔ ظہور الشفقت

۱۱۔ حق الایضاح

قاضی صاحب سلسلہ نقشبندیہ میں مولانا سراج الدین (موسیٰ زئی شریف) سے مجاز تھے اور اپنے کو "نقشبندی مجددی" لکھا کرتے تھے۔ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۴ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور شیخ الدلائل مولانا عبدالحق سے الحزب الاعظم اور دیگر وظائف کی اجازت حاصل کی۔

۲۴ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ/۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو ۶۳ سال کی عمر میں شمس آباد میں

فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں۔ بوقت رحلت چھ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حیات تھیں۔ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ قاضی عبدالسلام
۲۔ قاضی انوار الحق
۳۔ قاضی نور السلام
۴۔ قاضی محمد زاہد الحسینی مؤلف کتبِ کثیرہ و سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج اٹک۔
۵۔ قاضی منظور الحق۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ۱۹۳۵ء/۵۴-۱۳۵۳ھ میں زیرِ تعلیم تھے کہ عین عالم شباب میں وفات پائی۔
۶۔ قاضی محمد طاہر



غلام حسن سیالکوٹی

ابو عبداللہ غلام حسن بن حکیم کرم الٰہی ۱۸۴۳ء/۱۲۵۹ھ میں موضع ساہووالہ ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد حکیم کرم الٰہی پڑھے لکھے لوگوں اور اچھے طبیبوں میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔

مولانا غلام حسن نے فارسی کی درسی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں اور مولانا غلام مرتضیٰ سیالکوٹی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ موصوف کی طبیعت نہایت ذکی اور حافظہ نہایت قوی تھا۔ تھوڑی مدت میں درسِ نظامی کی تکمیل کر لی۔

فارغ التحصیل ہوئے تو والدِ ماجد کے ایماء پر آغا شہباز خان رئیس سیالکوٹ کے بچوں کے اتالیق ہو گئے۔ بعد میں مولانا غلام مرتضےٰ کے علمی جانشین ہوئے۔ مولانا موصوف سیالکوٹ کے اوّلین اہلِ حدیث علماء میں سے تھے۔ اختلافِ مسلک کی بنیاد پر اُنہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ خوش طبع، بے تعصب اور حق گو عالم تھے۔ اختلافِ مسلک کے باوجود لوگ اُن سے رجوع کرتے اور اُن کے طرزِ تفہیم سے متاثر ہوتے تھے۔ نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) سے اُن کی علمی مراسلت تھی اور نواب صاحب نے ۲ ذی قعدہ ۱۲۹۹ھ/۱۶ ستمبر ۱۸۸۱ء کو اُنہیں سندِ حدیث عنایت کی۔

مولانا غلام حسن ۱۸ جنوری ۱۹۱۸ء/۲۵ ربیع الاولیٰ ۱۳۳۶ھ کو فوت ہوئے۔ اُن کے لواحقین میں دو صاحبزادے۔ مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالواحد۔ اور ایک صاحبزادی تھیں۔

اُن کی قلمی یادگاریں حسبِ ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ کتاب الصلوٰۃ بما ثبت بالسنۃ (تالیف: ۱۳۰۱ھ)

۲۔ لوامع الانوار فی عقائد الابرار

۳۔ شمس الہدیٰ

۴۔ شہابِ ثاقب (تقویت الایمان۔ تالیف شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عبارات پر اعتراضات اور اُن کے جواب)

۵۔ القول الفصیح (عربی) در جواز فاتحہ خلف الامام

۶۔ انیس الغریب (غیر مطبوعہ)[1]



---

[1] تمام حالات مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے مرقومہ مضمون سے ماخوذ ہیں۔ کتاب الصلوٰۃ ص ۲۸-۴۱

غلام حسن

مولانا غلام حسن موضع جابہ ضلع راولپنڈی کے رہنے والے تھے۔ عربی اور فارسی میں شعر گوئی اور تاریخ گوئی کا شغل رکھتے تھے۔ ناظم تخلص کرتے تھے۔ محمد گوہر علی صوفی کی تالیف "الجوہر العلی فی القصائد والقصائدی فی اللسان العربی" کی تاریخ طباعت اُن کی تاریخ گوئی کی اچھی مثال ہے۔ چودہ[۱۴] تاریخی مادے نکالے ہیں۔

مولانا غلام حسن کی متعدد کتابوں کے مسودے ضائع ہو گئے ہیں۔ ان میں لغات الاضداد (عربی) بھی شامل ہے۔ ان کی ایک تالیف "خصائص الابواب" کا ذکر ملتا ہے۔ مگر ان کی اہم ترین تالیف قرآن مجید کا انڈکس "الفاظ القرآن" ہے۔ جس کا نسخہ بخطِ مؤلف محفوظ ہے۔ یہ انڈکس ۱۳۱۳ھ/۹۶-۱۸۹۵ء میں مرتب ہوا تھا۔ انڈکس کے بارے میں عاصم نعمانی صاحب نے لکھا ہے:

"اس فہرستِ الفاظ و آیاتِ قرآنیہ میں عام غیر عربی دان آدمی کی سہولت کو مدِ نظر رکھا گیا ہے اور مادہ کے بجائے حروفِ تہجی کی ترتیب سے تمام کر کے تمام الفاظ (مشتقات) پر انڈکس کو مبنی کیا گیا ہے۔ ہر آیت کا ہر لفظ اپنے باب میں آیتِ متعلقہ کے سیاق و سباق کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ سہولت پیدا ہو گئی ہے کہ جس خاص آیت کو برآمد کرنا ہو اُسے انڈکس ہی میں مشخص کیا جا سکتا ہے۔ البتہ زمانۂ ترتیب کے رواج کے مطابق سورت اور آیت کے نمبر کے بجائے پارہ اور رکوع کا نمبر درج کیا گیا ہے ...."

اس انڈکس پر تھوڑی سی محنت مزید کی جائے یعنی ایک تو سورۃ اور آیات کے نمبر اور دوسرے اعراب لگا دیئے جائیں تو یہ بے حد مفید اور سہل الاستعمال ہے۔[۱]"



[۱] سیارہ ڈائجسٹ۔ قرآن نمبر ص ۵۵۵

غلام حسن نقشبندی

مولانا غلام حسن بن ملک لعل بن ملک احمد یار موضع ڈگر سواک علاقہ کروڑ لعل عیسن میں پیدا ہوئے۔ سالِ ولادت ۱۲۸۵ھ/ ۶۹-۱۸۶۸ء کے لگ بھگ ہے۔ اُن کے خاندان میں کوئی علمی روایت معلوم نہیں ہوتی۔ اُن کے والد ملک لعل تحصیل بھکر میں بطور چپڑاسی ملازم تھے۔

مولانا غلام حسن کی والدہ اُن کی ولادت کے چند روز بعد فوت ہو گئی تھیں ابھی بچپن ہی تھا کہ والد کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ ابتداء میں زراعت پیشہ خاندان سے تعلق رکھنے کی بنا پر مویشی چرانے اور کھیتی باڑی میں اپنے بزرگوں کا ہاتھ بٹایا۔ بعد میں ڈیرہ اسماعیل خان چلے گئے۔

خواجہ محمد عثمان دامانی کے خلیفہ مولوی غلام حسن سے ابتدائی کتب درسیہ پڑھیں۔ بعد میں مولوی علی محمد (ساکن شیہانوالہ ضلع جھنگ) مولوی جان محمد (علاقہ کروڑ) مولوی غلام محمد (ساکن سیلوان۔ کندیاں) اور نور خان چکڑالوی سے استفادۂ علمی کیا۔ خواجہ محمد عثمان دامانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خواجہ محمد عثمان کے جانشین خواجہ محمد سراج الدین ہوئے۔ دونوں حضرات نے مولانا غلام حسن کو خلافت عطا کی۔

مولانا غلام حسن نے خلافت سے سرفراز ہونے پر اپنی تمام توجہ اصلاح معاشرہ پر مرکوز کر دی۔ آبائی گاؤں سے ترکِ سکونت کر کے "ڈہپی کوڑی" منتقل ہو گئے جو آج "خانقاہ عالیہ سراجیہ حسن آباد" کے نام سے معروف ہے۔ اُنھوں نے غیر مسلموں میں تبلیغی کام کیا۔ جس کے نتیجے میں ساڑھے چھ سو[۶۵۰] ہندو اور سکھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ نو مسلموں کا ہر ممکن تعاون اور سرپرستی کرتے تھے۔ بعض نو مسلموں کے

اقربا، عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹاتے تو مولانا غلام حسن نومسلموں کے مقدمات کی بہ نفسِ نفیس پیروی کرتے تھے۔ اُن کے ہاتھ پر جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اُن میں مولوی شیخ کلیم اللہ اور مولوی شیخ عبداللہ کے نام ملتے ہیں جو اچھے عالم تھے۔

اُن کے تبلیغی مشن میں یہ امر بطور خاص شامل تھا کہ لوگوں کو "رواج" کے بجائے شرعی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنی چاہیئے۔ بیٹیوں کو وراثت میں حصّہ دیا جائے شادی بیاہ اور موت پر رواج اور رسوم وغیرہ ختم کردی جائیں۔ مسائلِ شرعیہ میں خوب تحقیق کرتے تھے اور عموماً دارالعلوم دیوبند سے رجوع کرتے تھے[1]

۱۹۲۳ء/۴۲-۱۳۴۱ھ میں مولانا غلام حسن ایک مقدمہ میں ماخوذ ہوئے اور قیدوبند میں رہنا پڑا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک شخص نورزمان شاہ نامی مذہب امامیہ پر عامل تھا۔ وہ مسلک بدل کر اہلِ سنت والجماعت میں شامل ہوگیا اور مولانا گل حسن (خلیفہ مولانا غلام حسن) سے بیعت ہوگیا۔

نورزمان شاہ نے مولانا غلام حسن کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ مولانا غلام حسن اُس کے گھر چلے گئے۔ نورزمان شاہ کے شیعہ اقربا نے اسے اپنی توہین خیال کیا اور نورزمان شاہ کے مکان پر حملہ آور ہوئے۔ نورزمان شاہ کے ہاتھوں اپنا ایک عزیز قتل ہوگیا۔ مقتول کے ورثاء نے مولانا غلام حسن کو قاتل قرار دیا۔ ماتحت عدالت میں اُنہیں سزائے دوام بعبور دریائے شور کا حکم سُنایا گیا جو اپیل دائر کرنے پر ختم ہوگئی اور وہ باعزت طور پر بری ہوگئے۔

۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ/۹ر ستمبر ۱۹۶۵ء کو فوت ہوئے اور حسن آباد میں دفنائے گئے۔ اُن کی اولاد میں بوقتِ رحلت ایک صاحبزادہ اور تین صاحبزادیاں

---

[1] فیوضاتِ حسینیہ ص ۴۲

حیات بھئی،

مولانا غلام حسن مرحوم کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند نامور خلفاء کے نام یہ ہیں:

۱۔ خواجہ فقیر محمد (م ۱۳۴۶ھ) صاحبزادہ

۲۔ مولوی جان محمد (ساکن تحصیل کبیر والا)

۳۔ مولانا گل حسن (م ۱۳۵۶ھ) ساکن مرشد آباد

۴۔ خواجہ غلام محمد (صاحبزادہ)

۵۔ مولانا عبدالکریم جامپوری مؤلف "ملفوظاتِ حسنیہ"



غلام حسین سیالکوٹی

مولانا ابو الظفر عبید اللہ غلام حسین[۵۱] بن مولوی نور احمد بن حکیم محمد رمضان بن حافظ غلام محمد بن ملا شیخ احمد بن محمد مسلم، ساہو والہ (ضلع سیالکوٹ) کے رہنے والے تھے۔ اُن کے خانوادے میں علم و فن کئی پشتوں سے چلا آرہا تھا۔ کئی طبیب، ادیب، شاعر اور ماہر اس خانوادے میں پیدا ہوئے۔

مولانا غلام حسین کے والدِ محترم مولانا نور احمد فاضلِ اجل، عالمِ با عمل اور بے مثال خطیب تھے۔ اُن کی شخصیت "جامع صناعات و فنون[۵۲]" کے مصداق تھی۔ وہ کہنہ مشق خطاط بھی تھے۔ گاہے گاہے شعر کہتے تھے۔ اُن کی تحریر کے بارے میں مولانا غلام حسین کی رائے یہ ہے:

"گاہ گاہ قطعہ و قصیدہ می گفتند بروضع متقدّمین بہ متانتِ مضامین و سلاستِ الفاظ دُر می سفتند۔ نثرِ ایشاں ہم پہلوئے طرزِ نعمت خان عالی بود[۵۳]"

مولانا نور احمد ۲۹ شوال ۱۳۱۸ھ/ ۱۹ فروری ۱۹۰۱ء کو فوت ہوئے۔ اُن کی اولاد میں دو صاحبزادے حکیم علی محمد اور مولانا غلام حسین تھے۔ اوّل الذکر نے فنِ طب کی خدمت کی اور ثانی الذکر نے علمی و دینی حلقوں میں نام پیدا کیا۔

---

۵۱ تراجم مکاتیب سید احمد شہید ورق ۱۵۶

۵۲ علمائے ساہو والہ (سیالکوٹ) کا ایک غیر مطبوعہ تذکرہ ص ۱۴

۵۳ ایضاً ص ۱۴

مولانا غلام حسین نے ادب وطب کی تحصیل اپنے والدِ محترم سے کی۔ منطق مولانا
روزالدین سے پڑھی۔ حکمت وفلسفہ مولانا حیات گل اور مولانا محمد عبداللہ سکندر پوری
جو مولانا حیات گل کے اُستاد تھے) سے پڑھا۔ درسِ حدیث کے لئے مولانا
لام محمد بگوی اور مولانا عبداللہ غزنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

مولانا غلام حسین کی زندگی کی تفصیلات دستیاب نہیں ہیں۔ وہ اپنے وقت کا
ادہ حصّہ لوگوں کے علاج اور تدریسِ طلبہ میں گزارتے تھے۔ عربی، فارسی اور اُردو میں شعر
ہتے تھے۔ فارسی اور اُردو میں غلام تخلّص کرتے تھے۔

مولانا غلام حسین تحریکِ مجاہدین سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اور مولانا عبداللہ غزنوی
۱۲۹۸ھ) کے شاگرد اور عقیدت مند تھے۔ مولانا غلام حسین مشّاق خطاط تھے۔
ن کی لکھی ہوئی کتابوں میں اغلاطِ کتابت نہ ہونے کے برابر ہیں۔ آنکے کتابت کردہ
ہ "مکاتیب سید احمد شہید" کا عکس طبع ہو چکا ہے۔

مولانا غلام حسین کی قلمی یادگاروں میں حسبِ ذیل معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ قصّہ بلال رضؓ (منظوم۔ اُردو) غیر مطبوعہ

نسخہ بخطِ مؤلف، مولانا عبدالرشید سیالکوٹی مالک دارالنوادر لاہور کے کتب خانے
ں محفوظ ہے۔

۲۔ ثمرۂ شجرۂ طین

مولانا محمد شہسوارالدین احمد اور مولانا محمد شہنوازالدین احمد نے اپنے خاندان
ے بزرگوں کے حالات لکھے تھے۔ مولانا غلام حسین نے ان حالات کو "عبارت
ید" میں ڈھالا اور اپنے زمانے تک مزید افرادِ خاندان کے احوال لکھے۔ منظوم
ریخہائے وفات کا اضافہ کیا۔ ۱۳۲۲ھ/۵-۱۹۰۴ء میں "ثمرہ شجرۂ طین" کی تسوید
سے فارغ ہوئے۔

جناب پروفیسر محمد اقبال مجددی کی تعلیقات و حواشی کے ساتھ یہ نایاب تذکرہ سہ ماہی "صحیفہ" (لاہور) کے "ادبیات فارسی نمبر" بابت اکتوبر ۱۹۷۱ء میں طبع ہو چکا ہے۔

